

لدا دلیچ

MAY
2012



www.Paksociety.com

مستقل سلسلے

۲۳۲ صالحہ محمود	۲۵ سندھیے	ردائے جنت
۲۳۹ ثریا اقبال	۲۱۸ کچن	ردا کی ڈائری
۲۳۲ شہلا مشائق	۲۲۸ سنگھار	ذرا پھر سے کہنا
۲۲۰ ادارہ	۲۲۵ اشعار	خوشبو
۲۳۸ ادارہ	۲۲۱ باتیں صحت کی	اس ماہ میں
۲۳۶ ادارہ	دوستوں کے نام پیغام	



گوشہ آگہی ۲۴ صالحہ محمود

سلسلے وار ناول

۳۰	رگ جاں سے جو قریب تھے صالحہ محمود
۱۰۴	کبھی عشق ہو تو پتہ چلے شازیہ مصطفیٰ عمران
۱۷۶	اعتبار عشق سباس گل
۱۴۰	سانس، سڑک اور سکوت نائلہ طارق

ناولٹ

وہی تو ہے میری زندگی عائشہ ذوالفقار ۸۴
تم جو مل گئے ہم کو رابعہ خان ۱۲۲

مکمل ناول

اس دل میں بے ہوشم انعم خان ۲۱۴
زندگی درد کے صحرائیں صنوبر فہیم ۵۰

افسانے

۱۰۰	میرے ساتھی	ریمانا نور رضوان
۱۶۲	اعتبار ہے زندگی	سعدیہ عابد
۱۶۸	ذرا سی بات	سائرہ اکبر
۱۹۴	دعاؤں کا شمر	شاہان صنعا
۲۰۸	دفا اور عورت	سمیرا غزل

زرد سالانہ بڈیکٹ رجسٹری

600 روپے

34535726

مئی 2012ء
جلد نمبر 17 شمارہ نمبر 5
قیمت 50 روپے

پبلشر وائیٹر صالحہ محمود نے سی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ ڈی بلاک - 2 - پی - ای - سی - ایچ - سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہنامہ "زرد" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی فی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرواے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا نہ رہی ہے ادارہ "زرد" پبلیکیشن۔

نہیں تم میں ایمان ہی کم ہے۔ تو میں نے خیال کیا کہ اچھا! شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے ادھر آپ ﷺ کی تلاوت میں یہ آیت آئی..... ترجمہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں ہے تم نے فصاحت ہی کم لی ہے اب آپ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کر لی۔ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور روٹکھٹے روٹکھٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی۔ پس یہ بھی منجملہ اسباب تھے جو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا باعث ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر 5/425)۔

امام بخاریؒ کا غصہ پی جانا

عبداللہ بن محمد صیادؒ ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اندر سے آپ کی کنیز آئی اور تیزی سے نکل گئی پاؤں کی ٹھوکر سے راستے میں رکھی ہوئی روشنائی کی شیشی الٹ گئی امام صاحب نے ذرا غصے سے فرمایا کیسے چلتی ہے؟ کنیز بولی۔ جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلیں۔ امام صاحب یہ جواب سن کر انتہائی تحمل اور بردباری سے فرماتے ہیں۔ جا میں نے تجھے آزاد کیا۔

صیادؒ کہتے ہیں میں نے کہا اس نے تو آپ کو غصہ دلانے والی بات کہی تھی آپ نے اسے آزاد کر دیا؟ فرمایا اس نے جو کچھ کہا اور کیا میں نے اپنی طبیعت کو اسی پر آمادہ کر لیا۔ (ترجمہ صحیح بخاری از علامہ وحید الزماں صاحب ص 13)۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ”اے ابن آدم! تجھے غصہ آئے تو اسے پی جا۔ مجھے تجھ پر غصہ آئے گا تو میں پی جاؤں گا۔

حضرت عائشہؓ کا مشورہ

حضرت تابع بیان کرتے ہیں کہ میں اپنا مال تجارت شام اور مصر لے جایا کرتا تھا ایک مرتبہ عراق لے جانے کا ارادہ کیا اور حضرت عائشہؓ سے مشورہ لینے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو رزق کا کوئی سبب کسی طریقے پر بنادے تو اس کو نہ چھوڑے جب تک کہ وہ خود ہی نہ بدل جائے۔ مطلب یہ کہ جس سبب سے روزی ملتی ہے اسے مت چھوڑو۔ ہاں! اگر وہ خود ہی بدل جائے مثلاً حالات سازگار نہ رہیں مال میں نقصان ہونے لگے یا کوئی مجبوری پیش آئے تو اور بات ہے۔ (تبلیغی اور اصلاحی مضامین ص 246)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا خاص واقعہ

حضرت عمر بن خطابؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں پہنچ گئے ہیں میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورہ قی شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا۔ آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیاتیں تلاوت کیں۔

ترجمہ۔ یہ قول رسول کریم ﷺ کا ہے شاعر کا

شہر کراچی میں مٹی کی ساعت پیش دھوپ کے بڑھتے ہوئے سائے میں شجر اور شاخ پھولوں سے بھر گئی۔ دریاؤں کی نمی خشک ہوئی تو ٹھنڈے آبشار جیسے کوزے گلیوں میں بکنے لگے۔ کھلتی ہوئی مٹی کی شاخیں ٹھنڈے پہروں کے یہ خواب ہمارے دیرینہ شہر کے منظر تھے جو آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور ایک پل میں بکھر گئے۔ پرندے درختوں سے ہجرت کر گئے اب تو تتلیاں بھی گھروں کے آنگن میں نہیں اترتی ہیں ہر طرف خس و خاک کا منظر لہو لہان سر کیس جن سے وقفے وقفے سے بارود کی بو آتی رہتی ہے ہواؤں میں خوشبوؤں کی وہ مہک نہیں جو کبھی موتیا اور بیلوں کے پھولوں سے آتی تھی۔ آس کی امید تار و درخت کی طرح ہے جس پہ موسموں کی ریت آواز بہاروں کی رنگینی سمندروں کی لہریں اترتی رہتی ہیں۔ زندگی کے یہ وہ منظر ہیں جو کبھی نہیں بکھرتے۔ محبت اللہ کی ذات سے جب جڑ جاتی ہے تو وہ منظر کبھی نہیں مٹتا وہ یاد کبھی نہیں بھولتی شاخوں پہ شجر اور پھول کھلتے ہیں ایمان اور یقین کہ ہمارا ایمان ہے کہ ایک دن سارے منظر بدل جائیں گے سب چہرے دھل جائیں گے محبت جب عام ہوگی تو جھلے ہوئے چہروں پر گلابوں کی شادابی اتر آئے گی آنکھوں میں پھر تتلیاں اتریں گی درختوں پر کوئل بولے گی پرندے جو ہجرت کر گئے ہیں پلٹ کر آئیں گے بس ذرا سی دیر باقی ہے سب کچھ آنے میں بس ایک پل لگتا ہے آنے اور جانے میں کہ سب ہی منظر بدل جاتے ہیں۔

یہ کل ہی کی تو بات ہے کہ سیاچن گلیشیر نے سارے منظر بدل دیئے۔ ادارہ لکھتے وقت سیاچن گلیشیر کے سارے منظر دھندلا رہے ہیں۔ سیاچن میں برفانی تودے گرنے سے کرنل سمیت 124 فوجی جوان بلے تلے دب گئے۔ سارے منظر سارے دکھ گلیشیر کا وہ حسن سب دھواں دھواں سے لگنے لگا۔ بٹالین ہیڈ کوارٹر کے جوان ہفتے کی صبح چار بجے حادثے کی زد میں آئے۔ ان اہلکاروں کا تعلق نادرن لائٹ انفنٹری سے ہے حادثے کی خبر ملتے ہی آرمی نے ریسکیو آپریشن شروع کر دیا۔ بس اللہ اپنا رحم و کرم اپنی سرزمین پاک پر رکھے۔ منظر بدلتے ہیں وہاں ایک خوشخبری ہے کہ شائستہ زائد بھی اپنے پیارے گھر چلیں تو قارئین اگلے شمارے میں انہیں بہت ساری مبارکباد دیجیے گا وہ آپ سب سے بہت پر امید ہیں۔ آپ کا اور ان کا محبتوں اور چاہتوں کا سفر رہا ہے اور یہ سفر بہت خوشگوار تھا۔ اچھی یادوں کے ساتھ انہیں یاد رکھئے سندیسے میں ان کا ذکر ضرور کیجیے انہیں ہر موڑ پر آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ مٹی کا شمارہ کیسا لگا سندیسے ضرور لکھئے گا۔ (آپی)

بعض روایتوں میں ہے اے ابن آدم! اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا، یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصے کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچا لوں گا۔ (تفسیر ابن کثیر اردو 457/1)۔

اللہ تعالیٰ کی مومن بندے سے عجیب سرگوشی
حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مومن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کے بارے میں سنا ہے؟ آپؓ نے فرمایا۔ رسالت مآب ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائے گا اور اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا یاد ہے! فلاں گناہ تو نے کیا تھا؟ فلاں کیا تھا؟ یہ اقرار کرتا جائے گا اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ! دنیا میں میں نے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی اور ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر 382/1)۔

تین نجات دینے اور تین تباہ کرنے والی چیزیں
حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں تباہ کرنے والی ہیں..... نجانے دینے والی تین چیزیں..... 1- اللہ سے ڈرنا خلوت و جلوت میں..... 2- حق بات کہنا خوشی و ناخوشی میں..... 3- اور (خرچ میں) میاں روی اختیار کرنا۔ مالدار کی اور غریبی میں..... اور تباہ کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں..... 1- خواہش نفس کی پیروی کرنا.....

2- حرص و بخل کرنا..... 3- گھمنڈ کرنا اور یہ تینوں میں سخت تر ہے۔ (مشکوٰۃ ص 434)۔

وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے
صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے بتلا وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے۔ جس کے پتے جھڑتے نہیں نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے..... عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں کہ وہ درخت کھجور کا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ ہیں۔ اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ رہا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ جب یہاں سے آپ ﷺ اٹھ کر چلے گئے تو میں نے اپنے والد (حضرت عمرؓ) سے یہ ذکر کیا تو آپؓ نے فرمایا بیارے بیٹے! اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔ (ابن کثیر 66/3)

ہر کام میں اعتدال

ایک رات نبی کریم ﷺ کا گزر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے نماز پڑھ رہے تھے پھر حضرت عمرؓ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا میں جس سے مصروف مناجات تھا وہ میری آواز سن رہا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا کہ میرا مقصد سوتوں کو جگانا اور شیطان کو بھاگانا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ اپنی آواز کو قدرے بلند کر دو اور حضرت عمر فاروقؓ سے کہا اپنی آواز کو کچھ پست رکھو۔ (تفسیر مسجد

نبوی صفحہ 798، تفسیر ابن کثیر سورۃ بنی اسرائیل آیت 110)۔

اناج ذخیرہ کرنے کا عذاب

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ مسجد سے نکلے تو اناج پھیلا ہوا دیکھا۔ پوچھا یہ غلہ کہاں سے آگیا۔ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے۔ آپؓ نے دعا کی یا اللہ! اس میں برکت دے لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ پر بیچنے کے لئے پہلے سے جمع کر لیا گیا تھا؟ پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا ایک تو فروغؓ نے اور دوسرے آپؓ کے آزاد کردہ غلام نے۔ آپؓ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں لہذا جب چاہیں بیچیں۔ ہمیں اختیار ہے آپؓ نے فرمایا سنو! میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک کر رکھے اسے اللہ تعالیٰ مفلس کر دے گا یا جذامی۔ یہ سن کر حضرت فروغؓ فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے اللہ تعالیٰ سے۔ میں آپؓ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہیں کروں گا، لیکن حضرت عمرؓ کے غلام نے پھر بھی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں اس میں کیا حرج ہے؟ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور وہ جذامی بنا پھرتا تھا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ پر بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 372)۔

سب سے زیادہ قابل رشک بندہ

ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک

میرے نزدیک وہ مومن ہے جو سب بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہونماز میں اس کا بڑا حصہ ہو اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفت احسان کے ساتھ کرتا ہو اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو اور وہ چھپا ہوا اور گم نامی کی حالت میں ہو اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں اور اس کی روزی بھی بقدر کفاف ہو اور وہ اس پر صابر و قانع ہو پھر رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجا لی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہار تعجب یا اظہار حیرت کے لئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اس کو موت اور اس پر رونے والیاں بھی گم ہیں اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے۔ (مسند احمد جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)..... فائدہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان و احوال مختلف ہیں، لیکن ان میں بہت زیادہ قابل رشک زندگی ان اہل ایمان کی ہے جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے، مگر نماز اور عبادات میں ان کا خاص حصہ ہے اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گم نام کہ آتے جاتے کوئی ان کی طرف انگلی اٹھا کے نہیں کہتا کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں اور ان کی روزی بس بقدر کفاف ہے لیکن وہ اس پر دل سے صابر و قانع، جب موت کا وقت آیا تو ایک دم رخصت نہ پیچھے زیادہ مال و دولت اور نہ جائیدادوں، مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے اور نہ زیادہ ان پر رونے والیاں۔ بلاشبہ بڑی قابل رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی اور الحمد للہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں۔ (معارف المحدث جلد 2 صفحہ 88)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دین آسان ہے اور کوئی دین کو سخت نہ بنائے گا مگر دین اس پر غالب آ جائے گا لہذا ٹھیک رہو خوش خبریاں دو اور صبح و شام ائمہ میری رات کی نمازوں سے مدد لو۔ (صحیح بخاری)

نیک کی دعوت دینے والا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو ہدایت کی طرف بلائے اسے تمام عمل کرنے والوں کی طرح ثواب ملے گا اور اس کے اپنے ثواب سے کم نہ ہوگا اور جو گم راہی کی طرف بلائے گا تو اس پر تمام بدی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا۔ (صحیح مسلم)

موت کے بعد

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے گھر والے مال اور عمل ساتھ جاتے ہیں پھر گھر والے اور مال واپس آ جاتے ہیں اور عمل ساتھ رہ جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

قابل رشک لوگ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے لوگ قیامت کے دن رشک کے ٹیلوں پر ہوں گے ان پر اگلے پچھلے سب لوگ رشک کریں گے۔ ایک وہ شخص جو دن رات کی پانچ نمازوں کے لئے اذان دیا کرتا تھا۔ دوسرا وہ شخص جس نے لوگوں کی امامت کی اور وہ اس سے راضی رہے۔ تیسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے۔ (جامع ترمذی)

نماز کا اہتمام

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ٹھیک وقت پر ادا کرے اور رکوع و خشوع پورا کرے اس کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے اللہ کا وعدہ نہیں اگر وہ چاہے بخش دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ (مسند احمد ابو داؤد)

قرآن کی پیروی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی پھر اس کی اتباع کی اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن کی پیروی کرے گا وہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بد بخت نہ ہوگا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جو میری ہدایت کی اتباع کرے وہ نہ گمراہ ہو اور نہ بد نصیب۔

اللہ کی شکرگزاری

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے عبادت کی اجازت طلب کی اور نماز میں مشغول ہو گئے آپ قیام کی حالت میں اتار دئے کہ آنسو سینہ مبارک تک جا پہنچے پھر رکوع میں گریہ زاری کی اور سجدے میں دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے نماز فجر کی اطلاع دی۔ میں نے پوچھا جب اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے تو پھر اس اشک باری کا کیا معنی؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اپنے رب کا شکر گزاں بندہ نہ ہوں؟

دین میں آسانی

رنگِ جہاں سے روپ نہ

موسم اچانک تبدیل ہو گیا تھا سرد ہوا میں اچانک بارشوں کا روپ دھار چکی تھیں، ہلکی ہلکی بوند باندی ہو رہی تھی جھٹ پٹے کا وقت تھا وقت سے پہلے ہی اندھیرا اتر آیا تھا درختوں پر بیٹھی ہوئی چڑیاں شور مچا رہی تھیں۔ کئی دنوں کے بعد ولید حیدر گھر لوٹے تھے۔ بہت خوشگوار موڈ میں انہوں نے کافی دنوں بعد ایک ساتھ شام کی چائے پی تھی۔ دادی ابھی تک اپنے گرم لحاف میں بیٹھی تھیں۔ پچھلے ہفتے چلتے وقت ولید حیدر اپنے خیال کا اظہار کر گئے تھے۔ دادی کی آنکھوں میں ایک پل کیلئے سارے چراغ روشن ہو گئے تھے۔

”دادی! باہر تو بارش شروع ہو گئی آپ کی کھڑکی بند کر دوں ماموں آگئے ہیں مجھے بلارہے ہیں میں جا رہی ہوں۔ دادی! ماموں مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں پتہ ہے دادی! ماموں کہہ رہے ہیں کہ جلدی سے جاؤ اور دادی کو بتاؤ کہ آج ہم چائے روپی کے ہاتھ کی بنی ہوئی پیس گئے۔“

”جی دادی! وہ کہہ رہے تھے کہ ہم روپی کے ساتھ چائے پیس گئے مگر صبا ممانی برامان گئیں۔“ تو دادی کے ہاتھ سے تسبیح گر پڑی سعیدہ سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

”ممانی! ماموں مجھے آواز دے رہے ہیں میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔“ سعیدہ کے ہاتھ کی چائے ماموں کو پسند تھی۔ ماموں تو بے حد نفاست پسند تھے اس لئے سعیدہ کو پاک اور صاف سمجھتے تھے۔

”غلطی کہاں ہو گئی مجھ سے؟“ روپی تو جا چکی تھی اور دادی ماضی کی دہلیز پر جا پہنچی تھیں جہاں سامنے سعیدہ آ گئی تھی اور وہ اسی صورت سے اپنے شوہر سے روٹھ گئی تھیں کہ وہ سعیدہ کے ہاتھ کی چائے پسند کرتے ہیں۔

”اب وقت آ گیا ہے اب میرے گناہوں کا کفارہ اتر جائے گا۔“ ولید روپی کو آتے ہوئے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

”جی ماموں! میں نے بتائی ہے چائے۔“ وہ ٹرائی لے کر آگے بڑھی تھی۔ صبا نے ولید حیدر کی بیقرار نظروں کو بہت غور سے دیکھا تھا جن کی نظریں روپی کے چہرے پر جمی جا رہی تھیں۔

”ایسا ہو جائے جیسا میں چاہتا ہوں۔ سعیدہ کو سوچ کر دل میں ملال آتا ہے کہ میں اسے مل جاتا۔ دکھ مجھے اس بات کا نہیں ہے کہ سعیدہ مجھے نہیں ملی بلکہ دکھ مجھے سعیدہ کو دیکھ کر ہوتا ہے کہ میں کیوں اسے نہ ملا۔ چلو میرا دکھ میرا ملال سب دھل جائے گا کہ روپی مجھے مل گئی۔“ وہ بڑی محبت پاش نظروں سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

”بہت خوش فہمیاں ہیں تمہیں کہ میں اس لڑکی کو بہو بنا لوں گی ایک غریب گھر کی لڑکی جسے کپڑے تک پہننے کا

Express
your thoughts
beautifully

شعور ہی نہیں، وہ میرے اشمیل کی بیوی بنے گی نیور۔ وہ بہت کاٹ دار نظروں سے روی کو دیکھ رہی تھیں۔
”بھی نہیں..... مام غلط کہتی ہیں میں روی کو دھوکا نہیں دے سکتا، وہ مجھ پر ٹرسٹ کرتی ہے کیا سوچے گی میرے بارے میں جب اسے پتہ چلے گا کہ میں نے اسے استعمال کیا ہے۔ یہ کارڈ میں نہیں کھیل سکتا۔ میں دادی کو بھی بتا دوں گا وہ ضرور میری مدد کریں گی۔ روی کو دھوکا دینا بدترین گناہ ہے میرے نزدیک۔“

”اشمیل! اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہو میری طرف۔“ وہ چونک گیا تھا۔

”آپ اتنی اچھی لگ رہی ہیں۔“ ولید حیدر ہنس پڑے تھے۔

”چلو جاؤ روی! تم اور اشمیل لاگ ڈرائیو پر جاؤ دیکھو باہر موسم کتنا خوبصورت ہو رہا ہے انجوائے کرو جا کر۔“ صبا نے بہت گہری نظروں سے اشمیل کو دیکھا تھا۔

”نوام! میرا دل نہیں چاہ رہا۔“

”ایسا کیا ہو گیا کہ آپ کا دل نہیں چاہ رہا۔“ ولید حیدر مسلسل مسکرا رہے تھے۔

”چلو جاؤ اٹھو! تمہارا موڈ نہیں ہے لیکن روی تو چاہ رہی ہے نا۔“ وہ پھر ہنسے تھے۔

”ماموں! رہنے دیں اس وقت میں بھی نہیں چاہ رہی۔“ تو اشمیل نے بہت گہری نظروں سے روی کو دیکھا تھا وہ ہنس کر اپنا رخ پھیر گئی۔

”چلو ٹھیک ہے ہم تمہاری ماں کے ساتھ باہر گھومنے جا رہے ہیں۔“

”نو ولید نو..... میں نہیں جاؤں گی اس وقت۔“

”اوکے..... تو اب جائے گی ہمارے ساتھ روی۔“ انہوں نے روی کو ہنس کر دیکھا تھا۔

”ہاں ہاں بیٹے! میں تمہیں سی سیڈ کی طرف میرا کروا کر لاتا ہوں یہ ماں نے دو دنوں بدذوق ہیں۔“

”ہوں..... جائے جائے آپ جائے۔“ وہ مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر لائی تھیں۔

”مجھے تو لگتا ہے یہ بڑھا خود ہی عاشق ہو رہا ہے اشمیل کو آگے کر کے پٹن پل مرا جا رہا ہے روی کیلئے۔ اماں صبح کہہ رہی تھیں کہ پچاس سالہ مرد کو اکیس سال کی لڑکی ہی پسند آتی ہے۔ کتنی محبت پاش نظروں سے دیکھتا ہے ولید۔ شاید اس بار لمبے نور سے ولید گھر لوٹ آئے ہیں۔ چلو نہیں کیا..... ہمیں تو اشمیل کو یہاں سے باہر بھیجنا ہے۔“ ان کا ذہن مسلسل سوچ رہا تھا اور ولید روی کے ساتھ لاگ ڈرائیو پر چلے گئے تھے۔

”نو دیکھو بیٹا! شروع میں ہم بہت غریب تھے۔ تمہاری ماں نے بتایا ہوگا؟ میں معمولی سا بزنس کرتا تھا۔ جدوجہد انسان کو کامیاب بناتی ہے۔ ضروری تو نہیں سارے لوگ ایک جیسے ہو جائیں جب قسمت آواز دے تو پلٹ کر بیٹے دیکھتے ضرور ہیں۔ یہ گھر یہ سب کچھ تمہارا ہے۔“ انہوں نے پھر اپنا رخ روی کی طرف کیا تھا تو وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

”جی ماموں جی ماموں۔“

”پھر تم تکلف مت کیا کرو۔“ گاڑی بہت تیز رفتاری سے جا رہی تھی انہوں نے لائٹ آن کی تھی۔

روی کو یوں لگ رہا تھا کہ زندگی کا یہ سفر کتنا خوبصورت ہے۔ اس کا ذہن سوچ رہا تھا۔

”اماں کتنی غریب ہیں۔ یہاں تو فوکر چاکر بھی کتنا عیش کرتے ہیں۔ میں تو ایک معمولی سی لڑکی ہوں۔ دادی نے مجھے یہاں بھیج کر بہت اچھا کیا۔“ جسکے سے گاڑی کسی ریسٹورنٹ کے سامنے رکی تو وہ چونک کر ولید حیدر کو دیکھنے لگی۔

”کیا ہوا بیٹا! آپ گھبرا رہی ہیں؟“

”کچھ نہیں ماموں جان!“ وہ بہت زیادہ ندوس ہو رہی تھی تو ولید حیدر بولے۔

”چلو پھر ٹھیک ہے ہم لوٹ چلتے ہیں۔“ ولید حیدر نے کار کا رخ دوبارہ گھر کی طرف موڑ لیا۔

☆.....☆.....☆.....

زندگی کے ہنگامے ایک بار پھر اماں کے گھر میں اتر آئے تھے۔ حماد بھائی کی شادی عنقریب ہو رہی تھی۔ اماں کی سلائی اور کٹائی زوروں پر تھی۔ ماہم تو سب کچھ بھول گئی تھی۔ کون کیا ہے؟ سمعیہ باجی کی چالیں سب کچھ..... لیکن زندگی پھر پلٹ کر سامنے آگئی تھی۔ حماد بھائی کے شادی کے کارڈ چھپ کر آگئے تھے۔ وہ بھی بے حد خوش تھی۔ آج پھر مسٹر اور مسز کاظمی گھر آئے تھے۔ اماں بتا رہی تھیں کہ وہ اماں کیلئے سونے کے نگین بنوا رہی ہیں۔

”اب ہم اتنے بھی گئے گزر رہے نہیں کہ ہم ان کو اچھی سی رنگ تو دے سکتے ہیں۔“

”دیکھ لو اماں! ہمیں تو زیر و نظر آ رہا ہے۔“ شانزہ پھر کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

”واقعی میں تمہیں کروڑوں کی جگہ زیر و نظر آ رہا ہے۔“

”ہاں ہاں..... واقعی زیر و نظر آ رہا ہے۔“ اماں برا مان گئی تھیں۔

”تم کچھ بولو اماں سے بولو۔ تمہاری فینلنگو پر مجھے پورا بھروسہ ہے۔“ شانزہ کہہ رہی تھی۔

”رہنے دو یار! اماں غصہ ہو جاتی ہیں لیکن پتہ نہیں شانزہ یوں لگتا ہے کہ مسز کاظمی لومڑی ہیں جو کہ انسانوں کو نوچ رہی ہیں۔“ ماہم بولی تھی۔

”تو بہ تو بہ تو بہ..... تم کتنی بھیا نک باتیں کرتی ہو مجھے تو بہت خوف آتا ہے تمہاری باتوں سے لیکن کبھی کبھی تمہاری پچھلی باتوں کو جب سوچتی ہوں تو ج بھی لگتا ہے کہ تم بہت چالاک ہو۔“

”اچھا تو میں تمہیں چالاک لگتی ہوں تو پھر تم کس لئے مجھ سے بات کرتی ہو مت کرو بات۔“

”تو میں کیا تم سے بات کرنے کیلئے مری جا رہی ہوں۔ جب سے تمہاری شادی ہوئی ہے تم اترانے لگی ہو۔“

”تمہیں لگتا ہوگا ایسا۔“ ماہم بولی تھی۔

”بس شروع ہوگئی لڑائی پھر تم ایک ساتھ بیٹھ سکتی ہو نہ ایک دوسرے کے بغیر رہ سکتی ہو نا، ہم تم ڈرا سی دیر کے لئے آتی ہو پھر شروع وہی ساری باتیں.....“

”ہاں اماں! یہ مسز کاظمی کو پھر لومڑی کہہ رہی ہے۔“ شانزہ غصے سے بولی تھی۔

”شرم کرو ماہم! شادی ہونے جا رہی ہے کارڈ چھپ چکے ہیں پھر بھی بیٹا تمہارے دل میں خلش باقی ہے جو تمہارے دل میں آتا ہے تم بولتی رہتی ہو۔“

”سوری اماں سوری..... اب نہیں بولوں گی۔ یہ مجھے خود ہی چھوڑ رہی تھی مجھ سے پوچھ رہی تھی۔“ ماہم بولی تھی۔

”اب تم کسی نجوی کی طرح بیٹھ گئیں حال فال نکالنے یہ تمہاری بچپن کی عادت ہے۔“

”بس اماں! آخری بار..... اب کبھی نہیں بولوں گی میں۔“

”چپ ہو جاؤ بیٹا! اگر کسی نے اس سے کہہ دیا کہ تم ایسی ہو تو وہ تم سے نفرت کرے گی۔“

”کون کہے گا اماں؟ زو بیہ بھالی تو بہت سیدھی ہیں۔“ ماہم کا لہجہ اداس تھا۔

”یہ تمہیں لگتا ہے کہ زو بیہ بہت سیدھی ہے جب وقت پڑے گا تو تمہیں گھر میں گھسنے نہیں دے گی۔“ ماہم اماں کی بات پر چپ ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆.....

”آ جاؤ تم میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ“۔ صبا نے کھڑی ہوئی روئی کو اپنے پاس بٹھالیا تھا۔
 ”اس سے پہلے تمہارے گھر میں کتنا سناٹا ہوتا تھا صبا! امی اپنے کمرے میں ہوتی ہیں تمہاری اپنی مصروفیات ہیں
 میں جب بھی گھر آتا ہوں تو یوں لگتا ہے سناٹا ہی سناٹا ہے۔ اب جب سے روئی آئی ہے مجھے تھوڑی رونق ہی لگ رہی
 ہے۔“

”یہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ صبا نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ اشمٰل کے اندر انگارے ہی
 انگارے دھک رہے تھے۔ ماں کی سوچ اور پلان پر وہ اندر سے کھول اٹھا تھا۔

”پاپ! میں یہاں نہیں رہنا چاہتا“ میں واپس جانا چاہتا ہوں۔“
 ”نومانی سن! تم اب وہاں نہیں جاسکتے جو نبی حذیفہ کا مسٹر ختم ہوتا ہے میں اسے واپس بلا لوں گا۔ اب میں تنہائی
 سے خوفزدہ رہنے لگا ہوں۔“

”تو یہ آپ کا اور مام کا مسئلہ ہے۔ آپ لوگ خود گھر سے باہر رہے ہیں۔“
 ”چلو ہم کو بخش کر رہے ہیں کہ واپس ہم سب اکٹھا ہو جائیں۔“ وہ ہنس کر بولے تو وہ بولا۔
 ٹھیک ہے پاپ! جب حذیفہ آئے گا تو میں بھی واپس آ جاؤں گا۔“

”لیکن اب میں بھی نہیں چاہتا کہ تم واپس جاؤ تمہاری داوی اور مام اکیلی رہتی ہیں اور میں ہمیشہ ملک سے باہر
 رہتا ہوں تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنا گھر بساؤ اور فیملی کے ساتھ یہاں رہو۔ میں کتنے دن زندہ رہوں گا یہ سب کچھ
 تمہارا ہے۔“ وہ بہت سیریس موڈ میں بولے تھے۔

”اشمٰل! تمہارے پاپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔“ پہلی بار وہ ولید حیدر کے ہم
 خیال ہوئی تھیں۔ ولید حیدر نے انہیں بہت پر اوڈلی نظروں سے دیکھا تھا۔
 ”صبا! تم بہت تبدیل ہو گئی ہو۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے کہ میری بیوی میری ہم خیال ہو گئی ہے بچوں کا معاملہ ہے
 ناں اس لئے۔“ وہ مسکرائے تھے۔

”بس ولید! کیا کروں.....“ انہوں نے ہنس کر اشمٰل کی جانب دیکھا تھا۔ ہنس کر وہ اپنا گیم کھیل گئی تھیں۔ ولید
 ابھی تک انہیں مسکرا کر دیکھے جا رہے تھے۔

روئی ان کے درمیان بالکل خاموش بیٹھی تھی اور ولید کی نظروں میں روئی کے لئے محبت اور صبا کے چہرے پر
 ہمدردی بکھر گئی تھی اور اشمٰل ابھی تک اپنا سر تھاڑے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

”چلو آؤ صبا! اندر چلتے ہیں لگتا ہے اشمٰل ہماری کمپنی میں خوش نہیں ہے۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
 ”کیوں بھئی؟ کیوں خاموش بیٹھے ہو؟ چلو اچھا تم ڈریس اپ ہولاٹنگ ڈرائیو پر چلے جاؤ روئی کو سیر کراؤ اس نے
 بھی پورا کراچی نہیں دیکھا کیوں روئی! جاؤ اشمٰل کے ساتھ۔“

”ہاں ہاں بیٹا جاؤ تم انجوائے کرو تمہاری اتج ہی ایسی ہے۔“ انہوں نے اندر سے ایک گہرا سانس لیا تھا بظاہر
 ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ اشمٰل نے پلٹ کر ماں کو دیکھا تھا لیکن وہ دونوں جا چکے تھے۔

”کیوں اتنے اداس بیٹھے ہو اشمٰل! اگر میرے سامنے بیٹھا ہو شخص خاموش ہو تو مجھے گھٹن ہوتی ہے ماموں صحیح
 کہہ رہے ہیں۔“ وہ اس کے قریب چیراٹھا کر لے آئی تھی۔
 ”کیا غلط ہے کیا صحیح یہ میں جانتا ہوں پلیز روئی! میں بہت پریشان ہوں تم نہیں سمجھتیں کہ کیا ہونے جا رہا ہے
 مام کیا چاہتی ہیں اور ہم کیا چاہتے ہیں۔“

”دیکھو اشمٰل! جو میں کہہ رہی ہوں اس پر عمل کرو میں خود بات نہیں کر سکتی میں نے جو کہنا تھا ولید کے ذہن میں
 ڈال دیا ہے۔“
 ”لیکن مام! میں اس لڑکی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔“

”ادھو..... دھوکے کی بات کون کر رہا ہے۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می..... تم اس سے نکاح کر لو تمہارے پاپ
 کو اطمینان تو ہو جائے گا اس کے بعد تم باہر نکل جاؤ پلٹ کر مت آنا کیا کر لے گا وہ۔“ وہ بہت رازدارانہ انداز
 میں بولی تھیں۔

”نومام! میں کسی صورت روئی کو دھوکا نہیں دے گا بے حد مخلص سچی لڑکی ہے وہ مجھے اپنا دوست سمجھتی ہے میں اس
 سے اپنی ہر بات شیئر کرتا ہوں۔“

”اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے جاؤ اس سے یہ بات شیئر کرو۔“
 ”نومام نو..... کبھی نہیں۔ داوی یا پاپ مجھ سے پوچھیں گے تو میں شادی کرنے سے انکار کر دوں گا۔“
 ”پاگل مت بنو اشمٰل! میرے پلان کو تم فلاپ کر رہے ہو روئی غریب بچی ہے اور سعیدہ اتنی لکڑی انورڈ نہیں کر
 سکتی جو وہ یہاں انورڈ کر رہی ہے۔“

”مام! آفریال رشتے دار ہے۔“ وہ بے زار لہجے میں بولا تھا۔
 ”اومانی گاؤ تمہیں بھی ولید کی طرح رشتے داری کا بھوت سوار ہو گیا یا اللہ! نسل کبھی بدلتی نہیں ہے۔“

”مام! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔“ تبھی سامنے سے ہنسی ہوئی روئی اسے نظر آئی تھی۔
 ”اچھا جاؤ تم اس سے بات کرو اپنی دوستی کو اس سے مضبوط کرو تا کہ وہ تم پر اعتماد کر سکے۔“
 وہ ہنسی ہوئی جب ان کے پاس آئی تو ولید حیدر بھی سامنے نظر آئے تھے۔

”روئی بیٹے! آؤ آؤ ادھر آؤ۔ دیکھو صبا! ہماری بیٹی کتنی پیاری لگ رہی ہے مگر کیا ہے صبا! رات کو اسے ڈنر پر
 لے گیا یہ بہت نروس تھی میں اسے واپس لے آیا۔“
 ”تھوڑے کا فیڈنس کی کمی ہے اس میں۔“ صبا بولی تھیں۔

”نونو..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ ان کا چہرہ کھلا ہوا تھا جواب میں صبا بھی ہنسے جا رہی تھیں البتہ اشمٰل بڑا سیریس
 دکھائی دے رہا تھا۔

”بہت خوبصورت موسم ہے۔“ ولید بولے تو صبا ان کے دل کی بات جان گئی تھی۔
 ”ہاں آپ کہہ تو ٹھیک رہے ہیں۔“ انہوں نے سر اٹھا کر درختوں کی طرف دیکھا تھا۔ لان میں پول سائیڈ پر
 پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھا اشمٰل بے زاری سے دیکھ رہا تھا۔

”ارے کیا ہوا بھئی! ہمارا بیٹا اتنا اداس اور پریشان کیوں بیٹھا ہے۔ کم آن یار۔“ ولید اس کی گروں پر ہاتھ رکھتے
 ہوئے بولے تھے۔

”کتنا اچھا موسم ہے پوچھ لو اپنی ماں سے۔“
 ”ہاں تمہارے پاپ صحیح کہہ رہے ہیں۔“ صبا مسکرائی تھیں۔ اشمٰل نے بہت گہری نظروں سے ماں کو دیکھا تھا۔
 ”بھئی اشمٰل! روئی ہمارے گھر کی مہمان ہے اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ مستقل طور پر یہ میری بیٹی بن کر رہے
 اس لئے میں چاہتا ہوں تم روزانہ اس کے ساتھ آؤ ٹنگ کرو گھومو پھر وٹا چنگ کرو تا کہ اس کا دل یہاں لگ جائے۔“
 ”پاپ! آپ اس کے دل کی فکر نہیں کریں۔“

”بس ہمیں نہیں معلوم“۔ ماہم بے ربط انداز میں بولی تھی۔ لیکن شانزہ کے تاثرات بہت سڑتے تھے۔ پھر بہت دیر تک دونوں اپنی دوستوں کی باتیں کرتی رہیں۔

ماہم کو ہمیشہ یوں لگتا تھا کہ ہجوم میں وہ بالکل خاموش کھڑی ہے۔ وہ جس انسان کی طرف دیکھتی تھی تو اسے یوں لگتا تھا کہ آنکھیں بول رہی ہیں۔ کبھی کبھی وہ خود سوچتی کہ ہم جو سوچتے ہیں وہی عکس دوسروں کی آنکھوں میں نظر آنے لگتا ہے۔ وہ ہفتوں و مہینوں میں بتلا رہتی۔ شادی تو ہو گئی تھی لیکن ابھی طالب علمی کا دور اس کی زندگی سے جڑا ہوا تھا۔ ماہم نے اپنی تعلیم کو جاری رکھا تھا۔ کالج میں بھی لڑکیاں اس کو اپنے گھرے میں رکھتی تھیں۔ وہ ہر وقت کیمرو کی بج پر جھکی رہتی۔ اسٹوڈنٹ اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور وہ کسی کا ذائقہ کسی کا حال بتاتی رہتی۔ پورے کالج میں سب اسے جانتے تھے کہ کوئی ماہم ہے جو ہاتھ دیکھ کر بتا دیتی ہے۔ گھر میں بھی سب سے زیادہ شانزہ اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ ماہم جو کہتی ہے وہ سچ ہوتا ہے۔

آج کچھ ہی دیر پہلے مسٹر کاظمی بڑے پیار اور راحت رساں لہجے میں اماں کی قدم بوسی پر جھکتے ہوئے آداب بجا لاتے ہوئے مسکرا کر اماں کا ہاتھ کا لگا ہوا ذائقہ دار پان جب منہ میں رکھ رہے تھے تو پلٹ کر ان کی نظر ماہم کی نظر سے ٹکرائی تھی تو خود ان کی نظر میں کہہ رہی تھیں۔

”یو آر مائی فٹ..... اگر تم ہمارے چہرے ریڈ کر رہی ہو تو کیا“۔ مسز کاظمی نے بڑی اداؤں سے سلیولیس بلاؤز کے اوپر گرتی ہوئی ساڑھی کی فال کو لپیٹا تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے اسٹیپ میں کٹے ہوئے بال بلاشبہ وہ حسن کی دیوی لگ رہی تھیں اور سامنے اماں جن کا حسن بے مثال تھا آنکھوں میں پُر خلوص لال رنگ کے گلابی ڈورے ماتھے پر چھریاں اور سلوٹس پھر بھی قد کاٹھ ان کے ماضی کے حسن کی کتاب کھول رہا تھا۔ اماں بھی ان سے کہیں زیادہ حسین تھیں لیکن سادہ سی ساڑھی میں وہ بہت معتبری نظر آ رہی تھیں۔

مسز کاظمی اماں سے کہہ رہی تھیں۔

”آہ! بس آپ کو سونے کے کنگن پہناؤں گی“۔ ماہم کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے خوش فہمیاں کچے مٹی کے گھروندے کی طرح پانی میں بہہ رہی تھیں۔

اماں کی خوبصورت نسفید کلاسیاں جن میں کبھی سونے کی چوڑیاں بھری ہوئی ہوتی تھیں خالی تھیں تو ماہم کو بے اختیار غصہ آیا تھا کہ کیوں اماں نے بیچ دیں سونے کی چوڑیاں۔ وجہ یہ تھی کہ ماموں کو ضرورت تھی اس لئے بیچ دی تھیں۔

پھر اماں سے اجازت لے کر کاظمی بھیا کو شاپنگ کروانے لے کر گئے تھے۔ اس وقت حماد بھائی آفس ڈریس میں تھے۔ لائٹ دھاری وارنٹر اور ڈارک براؤن پینٹ تھی۔

اماں بہت خوش بیٹھی تھیں۔ ماہم پر ایک نظر ڈالی اور بولیں۔

”تم پتہ نہیں کیا کیا سوچ رہی ہو میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں پکاتی رہو خیالوں کی بریانی چند دنوں میں آنے والی ہے“۔ اماں نے پاندان بند کیا تھا شانزہ ہنس رہی تھی۔

”اماں! واقعی یہ پتہ نہیں کیا کیا بول رہی ہے۔ اماں یہ بھی سچ ہے اس کا تکا لگتا ہے یہ دیکھ لیں آپ“۔

”سب کو اس ہے میں کسی چیز پر یقین نہیں رکھتی یہ شروع سے وہی ہے“۔

پھر وہی ہوا دھوپ اور پیش میں رکشے کی آواز آئی تھی۔ حماد بھیا اتر کر اندر غصے سے آئے تھے۔

”اماں! میں سچ کہہ رہا ہوں یہ لوگ ہمیں آپ سے جدا کر دیں گے انہیں فوراً فون کریں اور ابھی بات ختم

”ہم اتنا تو جانتے ہیں کہ تم کیا چاہتے ہو“۔

”ہم کیا چاہتے ہیں؟ بتائیں بھلا“۔ وہ لٹھ مار انداز میں بولا تھا۔

”اف..... تم تو بالکل کاٹ کھانے والے انداز میں بول رہے ہو چلوں کر تمہارے مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں“۔

”کیا تلاش کرنا روی! سیدھا سیدھا حل یہی ہے کہ باپ مجھے پاسپورٹ دیں اور میں یہاں سے چلا جاؤں“۔

تو وہ فوراً بولی۔

”ان کے سیف میں نقب لگاتے ہیں چل کر“۔ وہ ہنسنے لگی۔

”واٹ نقب؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟“۔ گرے آنکھوں سے وہ اس کی براؤن آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

”دیکھیں اشمیل! خواہش اگر دیں میں پال لوں تو حال میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے بہتر ہے کہ تم ماموں کی بات مان لو“۔ وہ بہت معصومیت سے بولی تھی۔

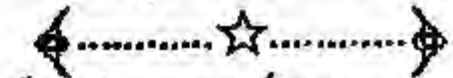
”ہاں بڑا آسان ہے ماموں کی بات مان لو۔ فیملی بنا لو پھر وہ کہنے لگیں کہ دو چار بچے بھی اپنے ساتھ لگا لو۔ یار! میری لائف ہے میں انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ یونوارج میرا انتظار کر رہی ہے“۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ وہ روی کے سامنے خود کو ظاہر نہ کر سکا۔

”دیکھو اشمیل! ماموں بھی ٹھیک ہیں تم شادی کر لو آرام سے جاؤ گھومنے پھرنے“۔

”نہیں میں شادی نہیں کروں گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے“۔ وہ حتمی انداز میں بولا تھا۔ پھر پورا اعتماد سے اس نے روی کو دیکھا اس کا ذہن بہت تھکا تھا اور وہ مٹی خلیفہ کا شکار تھا۔

”مانڈ مت کرنا روی! اس وقت میرا موڈ نہیں ہے باہر جانے کا“۔

”میرا موڈ خود نہیں ہے چھوڑو تم چلو آؤ“۔ وہ دونوں اندر چلے گئے تھے۔



اماں کے گھر میں یوں لگتا تھا رنگوں کی بارات اتر آئی ہے۔ ہر طرف گونے کناری کا کام چٹائی کے غراؤں کی کنگ زوروں پر تھی۔ حماد بھائی کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ دہن کے باپ کاظمی حماد بھائی کو لینے آئے تھے کہ شیروانی اور کپڑوں کا ناپ لے لیا جائے۔ بڑی عاجزی و انکساری سے میاں بیوی دونوں آئے تھے۔ اماں ان کے خلوص ان کی انکساری پر فدا ہو رہی تھیں۔

چند دنوں کے لئے ماہم اپنے سسرال سے آئی ہوئی تھی۔ اتفاق سے آج کاظمی اور مسز کاظمی بھی آئے ہوئے تھے۔ شانزہ ماہم کو دیکھ دیکھ کر ہنسنے جا رہی تھی۔ اماں کو خبر تھی شانزہ کیوں ہنس رہی ہے لیکن ماہم کی آنکھوں میں بے چینی اور سمندر کی لہروں کی طرح مد و جزر چل رہا تھا۔

”شانزہ! پتہ نہیں کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ سب کچھ غلط ہو رہا ہے یہ لوگ ایسے نہیں ہیں جیسے ہمیں نظر آ رہے ہیں“۔

”چھوڑو ہر وقت تم رئیس امروہوی کی شمع بنی کے چکر میں لگی رہتی ہو کبھی کبھی تم کہتی ہو کہ میری روح جسم سے نکل گئی یوں جیسے میں بادلوں میں! دھراؤ دھراؤ ہو رہی ہوں لیکن ماہم! ایسا کچھ نہیں ہے“۔ شانزہ بول رہی تھی۔

”شانزہ! ان کی آنکھوں میں جب دیکھتی ہوں تو ان کی آنکھیں آگ برسا رہی ہوتی ہیں“۔

”لو اب وہ کیا شیطان ہو گئیں کہ ان کی آنکھیں آگ برساتی ہیں“۔

کریں۔“

”ہوا کیا بیٹا! اب تو سب کو پتہ چل گیا ہے۔“

”حسب معمول انہوں نے اماں کے ہاتھ کے لگے ہوئے سانجی پان کھائے۔ اماں نے اپنے پانوں کی تعریف سن کر دو چار پان لپیٹ کر اور تھما دیئے تھے۔“

”ارے بھائی میاں! لیس کھانا کھانے کے بعد کھا لیجئے گا۔“

”آپا آداب“۔ انہوں نے بڑی نفاست سے جھک کر اماں کو سلام کیا تھا۔ پھر اماں جب کمرے میں آئیں تو ماہم بولی۔

”فریدہ آباد کی بڑی رچنی مہندی ہے۔“ اماں کچھ نہیں بولی تھیں۔

”ہاں تو پھر ذلت اور بدنامی ہوگی کہ ہم نے یہ بات ختم کر دی، لوگ کیا کہیں گے۔ ایسا تو ہوتا رہتا ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں میں اتنا سیریس ہونا بھی اچھی بات نہیں۔“

”لیکن اماں! سنانے کہتے ہیں کہ ایک بار دل کھٹک جائے تو دور ہٹ جاؤ۔“

”بس میں نے کہا تھا کہ یہ فلسفہ تم اپنے سسرال میں چلاؤ یہاں آئی ہو تو شرافت سے بیٹھو اور ہو۔“ اماں کے جملے پر ماہم بھی جھینپ گئی تھی۔

واقعی اب اس کا اتنا اختیار نہیں تھا کہ وہ دخل دے۔ اماں کا لہجہ بھی تو اتنا سخت تھا کہ ماہم تلملا کر رہ گئی تھی۔ اگر اماں سے اتنی محبت نہ ہوتی تو وہ ابھی اٹھ کر چلی جاتی لیکن اس نے پلٹ کر اماں کے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں بھرپور اعتماد تھا۔ ماہم نے ایک گہرا سانس لے کر نگاہیں جھکالی تھیں، اماں کے لہجے میں قطعیت تھی۔

.....☆.....

ولید حیدر بہت زیادہ گھر میں دلچسپی لے رہے تھے۔ بہت اچھے خوشگوار موڈ میں ای سے انہوں نے بات کی تھی۔
اشمل بہت بے قرار سا شہلے جا رہا تھا۔

”کس لئے ڈھونڈ رہے ہو تم رومی کو“۔ صبا بہت غصے سے بولی تھیں۔

”مام! آپ غلط کر رہی ہیں۔“ وہ ادا اس لہجے میں بولا۔

”بس یہی تمہارے باپ کا فیصلہ ہے۔“

"مام! آپ بہت چچھتا میں گی۔ میں روی سے شادی نہیں کر سکتا۔"

معمولی لڑکی سے سچ بولو گے۔ ارے نکاح کے دن بھی تم اسے سچ بولو گے تو وہ تمہارے قدموں میں رہنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔“

”نام! یہی تو میں نہیں چاہتا کہ میں اس کو دھوکا دوں۔ کہاں ہے روٹی؟ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔“

”رومی سے اب تم بات نہیں کر سکتے بس۔ ولید کی مرضی نہیں ہے کہ تم رومی سے بات کرو۔“ ان کا لہجہ نرم پڑا تھا۔

”سوواٹ اماں! یہ آپ سب کو ایک دوسرے سے الگ کر دیں گے۔ راستے بھر انہوں نے جو باتیں کی ہیں کہ بس۔ کہہ رہے تھے کہ ہر لڑکی کے کچھ خواب ہوتے ہیں وہ بچلہ کوٹھی اور کار چاہتی ہے، جب تک تم انور ڈنہیں کر سکتے ہم تمہیں گھر لے کر دیں گے، ٹیلی فون بھی بہت ضروری ہے۔ میری بیٹی بہت نازوں میں پلی ہے۔ سمعیہ باجی نہیں چاہتی ہیں کہ تم شادی کرو، ایک دن آئی تمہیں اور کہہ رہی تھیں کہ حماد کا غصہ تو بہت تیز ہے، وقت پر اسے کام نہ ملے اور کوئی تیز آواز میں نہ بولے تو بھی ا غ آتا ہے۔ تب۔۔۔ حماد میاں! میری بیٹی روئے جا رہی ہے۔ سمعیہ باجی کپڑوں کا ناپ تو لے کر بنی میں ایسٹن میرن بی بی سنس میں ہے۔ اب دیکھو حماد میاں! میں یہ نہیں کہہ رہا مگر ابھی میں شیرٹن میں روم بک کر دیتا ہوں، دوپٹہ، لون رہ لینا اس کے بعد تم شفٹ ہو جانا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی ماں کے پاس مت جاؤ، بڑوں کی عزت تو بہت ضروری ہے، میری بیٹی ضرور جائے گی۔ بس اماں! سنگٹل پر جوں ہی گاڑی رکی میں اتر اور رکشہ پکڑ کر گھر آ گیا، آپ ابھی اسی وقت انکار کریں۔ حماد بھی شاید غصے میں تھے لیکن اماں کی نرم مزاجی اور پُر خلوص چہرے نے بات کا رخ پلٹ دیا۔

”نہیں بیٹا کارڈ چھپ چکے ہیں، لوگ کیا کہیں گے۔“

”لوگ کیا کہیں گے اماں! آپ سمجھ نہیں رہیں۔“ پیاس کھڑی ہوئی شانزہ نے ماہم کی کلائی تھام لی۔

”بائے ماہم! تم حج کہہ رہی تھیں۔“ لیکن ماہم چپ تھی۔ اس نے کبھی ایسا تو نہیں سوچا تھا اور نہ ہی اسے نظر آیا تھا لیکن اماں مسلسل بھیا کو سمجھا رہی تھیں۔

”بیٹا! بہت بری بات ہے کسی کی عزت کا سوال ہے۔“

”عزت نہیں.....“ حماد بھائی دانت پیس کر بولے تھے۔

”زندگی کا سوال ہے وہ لوگ آپ کے ساتھ نہیں رہنے دیں گے۔“

”چلو اچھا دیکھتے ہیں۔“ اماں کہہ کر چپ ہو گئی تھیں۔

شام ڈھل رہی تھی مگر خاموشی تھی۔ غماد بھائی سن کر ہنس رہے تھے ان کے نزدیک باتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن ماہم کا دل اندازے سے سرد ہو گیا تھا۔ پھر وہی ہوا جو ماہم نے شانزہ سے کہا تھا۔
”کچھ نہیں ہوگا“ تم دیکھ لینا تھوڑی ہی دیر میں آ کر وہ اماں کے پیر پکڑ لیں گے اور اماں اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی ہیں۔“

پھر سچ ثابت ہو گیا۔ مسٹر کاظمی سب سے بڑے بھائی کے پاس ان کے گھر پہنچ گئے اور پھر بڑے بھائی کو لیے ہوئے اماں کے پاس رات میں آئے تھے۔

”آپا پلیرز! معاف کر دیں، حماد میاں کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔“ وہ جھک کر اماں کے پیر چھونے لگے۔

”ارے بھائی میاں! آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔“ ان کو سب بھائی میاں کہتے تھے اس لئے اماں بھی انہیں بھائی

مسائل کنشگری

”بابا! سوچو! حذیفہ میرا بھائی ہے مجھے دکھ نہیں ہوگا۔ میں اپنی زندگی جی لوں گا۔ ارج میری زندگی ہے میں اس سے دور نہیں رہ سکتا۔“ وہ بھڑکتے شعلے کے انداز میں پھٹ رہا تھا۔

”اسی تک پہنچنے کے لئے میں رومی کو زینہ بنا رہی ہوں۔“
 ”لیکن نام پلیز..... ہمیں ایسا زینہ نہیں چاہیے۔ میں باپ کو اپنی حقیقت بتا دیتا ہوں جا کر۔“ تو صبا کو بہت زور کی ہنسی آئی تھی۔

”بس اشمیل بس..... ولید کا کہنا مان لو یوں بھی وہ تمہارے باپ ہیں بیمار ہیں 50 سے اوپر نہیں جائیں گے تمہارے تا یا 55 میں چلے گئے تمہارا باپ 50 کر اس کر چکا ہے۔“

”مام پلیز.....!“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ پیٹ لیا تھا۔
 ”حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اس بات کا مجھے افسوس ہے۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ میرے نام ایک دمڑی نہیں کی اس نے ہر بینک میں 50 50 فیصد کا تمہارا حصہ ہے۔ جو فیکٹری جو ملز ہیں اس میں سب حذیفہ کا نام ہے تم زبرد پر ہو۔“ وہ تھملا کر بولی تھیں۔

”بالکل وہ اپنی جگہ درست ہیں۔ حذیفہ میرا بھائی ہے۔ پہلا حق اس کا ہے۔“
 ”تو ہم کہاں جائیں گے پھر؟“ وہ شپٹا رہی تھیں۔
 ”مجھے کچھ نہیں معلوم مام! دس ازنات فیئر میں تو رومی کو بتا کر ہی رہوں گا۔“

”اگر اس نے انکار کر دیا اشمیل تو میں اس کو شوٹ کر دوں گی بنانا یا کھیل ختم ہو جائے گا۔ تمہارے باپ اور دادی کی نظروں میں میری کیا عزت رہ جائے گی۔ میں چاہتی ہوں تم باہر نکل جاؤ۔ ارج میرے بھائی کی بیٹی ہے اور جو تم وہاں کر کے آئے ہونا تو تمہارا باپ تمہیں جان سے مار دے گا۔ میں یہ جانتی ہوں کہ تم نے ارج کو حاصل کرنے کیلئے اپنا اور حذیفہ کا بینک بیلنس خالی کر دیا ہے۔ تم نے اتنی وہاں عیاشیاں کی ہیں۔ وہ تو حذیفہ بہت شریف بچہ ہے جو جواب کر کے اپنا سمسٹر دے رہا ہے۔ تم صرف اور صرف وہاں گھومتے پھرتے رہے ہو اور تم یہ سننا چاہتے ہو کہ یہ سب مجھے کہاں سے پتہ چلا ہے۔ مجھے فائزہ سے پتہ چلا ہے۔ میں نے خود یہاں سے پیسے ٹرانسفر کیے ہیں اور میں نے فائزہ سے منت کی ہے کہ یہ بات ولید کو نہیں پتہ چلے۔ میں پوچھتی ہوں کہ تمہیں وہاں شادی کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟“

”مام! اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔“
 ”کوئی مجبور کرے گا اور تم سمندر میں چھلانگ لگا دو گے۔“ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

”بس اشمیل! خاموش ہو جاؤ اب میں سارے بھید تمہارے باپ کے سامنے کھول دوں گی اگر تم نے رومی سے بات کرنے کی کوشش کی تو.....“ انہوں نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تھی۔

”مام! میں اس کی نظروں میں ہمیشہ کیلئے گر جاؤں گا۔“ وہ روہانسا ہو گیا تھا۔
 ”تم اس کی اتنی مالی مدد کرنا کہ وہ خود تمہاری نظروں میں گر جائے۔“ ان کا لہجہ بہت تلخ تھا۔
 ”مام! مجھے وہ اچھا سمجھتی ہے۔“

”تو اچھے بنو بنو تم اچھے دہ غریب لڑکی ہے وہ ایک معمولی سے کلرک سے بھی شادی کر لے گی۔ تم تو اشمیل ولید ہو۔ بزنس میں تمہارے باپ کا نمبر وں مقام ہے۔ اشمیل! تم سب کچھ کھودو گے اور میں یہ نہیں چاہتی کہ ولید حیدر کو یہ بات پتہ چلے کہ تم ارج سے شادی کر چکے ہو ہاں اگر تم کہو تو میں بتا دیتی ہوں ایک سیکنڈ میں وہ تمہاری ڈائیورس کروا

دے گا پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ تمہارا باپ کیا چیز ہے۔ بس تم چپ رہو اور مان لو اس بات کو اور یہاں سے تم نکل جاؤ“
 میں سب فیس کر لوں گی۔“

”نوام نو..... میں کچھ سوچتا ہوں۔ میں ایک بار مل کر رومی سے بات تو کر لوں۔“
 ”ہرگز نہیں اشمیل! اگر تم نے ایسا کیا تو میں خود کو شوٹ کر لوں گی۔“ انہوں نے ایک بار پھر ڈرا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆
 ماہم کو حیرت اس بات پر تھی کہ اماں کتنا ایزی لے رہی ہیں اس بات کو۔ شہناز کا جملہ بار بار اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

”تمہارا کوئی گناہ تمہیں اس گھر میں لے کر جا رہا ہے۔“
 لیکن اب اس کے پاس اختیارات بہت کم ہو گئے تھے لہذا وہ بھی خاموش ہو گئی۔

”اماں محبت کو کوئی خواب سمجھ رہی ہیں۔ محبت حقیقت کی طرح انسان کے اندر سانس لیتی ہے۔ اماں! آنکھیں بند کر لینے سے حالات کبھی نہیں بدلیں گے۔“ اس کے سارے مضبوط دوسو سے اب دم توڑ گئے تھے۔ اب وہ شادی شدہ تھی اور اپنے سرال سے گھر آتی جاتی تھی لہذا اختیارات کی کمی کے تحت بننے والا بندھن اتنا دیر پا کبھی نہیں ہوتا۔ ماہم کی زندگی بچ پر مبنی تھی اسے جھوٹ کے محل کھڑے کرنا نہیں آتے تھے۔ اب وہ بہت سنجیدہ اور محتاط لہجے میں اماں سے بات کرتی تھی۔

سمعیہ باجی شادی کے دن بھی شرارت سے دیکھ کر اسے مسکرا رہی تھیں اور وہ بالکل سپاٹ ذہن سے سب کچھ بھلا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ ان کے درمیان جیت اور ہار کا برسوں پرانا جو سلسلہ تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔ ماہم ہار گئی تھی باجی جیت گئی تھیں۔ باجی کا ذہن ماہم کے ذہن سے کئی گنا بڑا تھا۔
 دلہن بھی رخصت ہو کر آگئی تھی لیکن جہیز میں اماں کے کنگن نہیں آئے تھے۔ عصمت لکڑی اور چند جوڑوں کے ساتھ آگئی تھی۔

ماہم اپنی زندگی میں بے حد معروف ہو گئی تھی۔ کون کیا کر رہا ہے سب ختم ہو گیا تھا۔ اس کا ذہن اس کا فلسفہ سب کچھ دھواں دھواں ہے ہو گئے تھے۔ حالات سے اس نے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

دلہن کو رخصت کروا کے گھر لے آئے تھے۔ دلہن کی رونمائی کی تو ان کا چہرہ اتنا سخت ہو رہا تھا کہ ہونٹوں پر ہنسی نام کی کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ اب وہ بھلا کیا کہتی؟

صبح زو بیہ بھالی کہہ رہی تھیں کہ رات بھر دلہن میاں سے لڑتی رہی ہے کہ حماد نے اس کے باپ کی انسلٹ کی۔ رات بھر بی بی آوازیں آتی رہیں لیکن ماہم کیلئے کچھ بھی اجنبی نہیں تھا۔ ایسا ہونا تھا وہ سب ہو رہا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ اس کی دلچسپیاں بدل چکی تھیں صرف شوہر اور اپنے گھر تک محدود تھیں۔ اماں کے گھر میں دخل اندازی اس نے بند کر دی تھی۔ کالج میں صرف شانزہ کے ساتھ رہتی شانزہ گھر لوٹی اور وہ سرال۔ نئی زندگی نئے مسائل تھے۔ اماں کے گھر کے مسائل سے اس کی دلچسپی کم ہوتی گئی۔

رات ویسے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سارے انتظامات سمعیہ باجی نے کیے تھے۔ انہی کی خواہش پر انہی کے انتخاب پر شادی ہو رہی تھی۔

دلہن رشتے داروں کے جھوم میں بیٹھی تھی۔ ماہم اور شانزہ کی سہیلیاں بھی آئی ہوئی تھیں۔ شاید انہم کی بھی کوئی دوست تھی۔ شانزہ اور ماہم کی دوستوں نے کہا تھا کہ اپنی بھابی کا روم تو دکھاؤ تو بچے ہوئے سادگی سے بڑے سے

”کیا ہوا ای! کیا کہہ رہی ہے سعیدہ؟“ صبا بہت بے قراری آئی تھیں۔

”کیا کہنا بیٹا! اس نے دے دی اپنی بیٹی“۔

”کیا کہہ رہی ہیں ای!“ وہ خوشی سے اچھل پڑی تھیں۔

”دیکھو میں تو سعیدہ کا مان رکھنا چاہتی ہوں غریب کی بیٹی ہے تو کیا ہوا عزت نفس بھی تو کوئی چیز ہے۔ ولید تو مان گئے ہیں۔ ردی ابھی اسی وقت تایا کے گھر جائے گی“۔

”ولی کہہ رہا تھا کہ وہ لڑکی دالوں کی طرف سے سارے اخراجات پورے کرے گا“۔

”اب تو خوش ہیں ای آپ.....“ وہ اماں کے بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں۔

”اللہ زندگی دے میرے ولید کو اس کی بھی عزت کو بچائے اللہ جس طرح سے وہ دوسروں کے بھرم قائم رکھتا ہے۔“ اماں مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

”میرے اللہ نے اس کے دل میں کسی محبت ڈالی ہے“۔ وہ اچانک رنجیدہ ہو گئی تھیں۔

”اور ای! میرے دل میں کس نے ڈالی؟ ای میں نے ہی تو ولید کو یہ راستہ دکھایا ہے“۔ وہ بہت فس کر شرارت سے بولی تھیں۔

”کیوں نہیں تمہارے مشورے کے بغیر ولید ایک قدم نہیں اٹھا سکتا“ تم بہت اچھی ہو“۔

”تو پھر ای! کلثوم کے گھر جانے کا بندوبست کریں ابھی اور آج اب یہ خوشی مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی ردی دلہن بن کر میرے گھر آ جائے“۔ وہ ہنسے جا رہی تھیں۔

”خوش رہو دلہن! تمہیں یہ خوشی نصیب ہو اللہ اشمیل اور رومی کا نصیب اچھا کرے“۔ صبا کو یوں لگا آسمان سے ٹوٹ کر کوئی بجلی گری ہے دل ان کا مٹھی میں آ گیا پھر بھی آنکھیں جھپکتے ہوئے وہ ہنس کر بولی تھیں۔

”ای! اب میں بالکل اشمیل اور رومی کے درمیان پردہ چاہتی ہوں نور اترتا ہے چہرے پر“۔

”خوش رہو صبا! میں تو سمجھتی تھی تم بہت ماذرن ہو ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتی ہو“۔ اماں کے نورانی چہرے پر نور ہی نور تھا۔

”کیسی باتیں کرتی ہیں ای؟ کیا ہم مسلم گھرانے سے نہیں ہیں سارے رسم و رواج اماں کرتی تھیں۔ دس دن پہلے دلہن کو مایوں بٹھادیا جاتا تھا۔ ای! رسم و رواج سب اچھے لگتے ہیں خاص طور پر شادیوں میں اور یہ تو ولید ہاؤس کی پہلی شادی ہے میں تو شاندار طریقے سے بری جوڑے اور زیور بناؤں گی“۔

”تم نے ٹھیک ہی کہا صبا! مجھے تو ایک مہینہ پہلے ہی مایوں بٹھادیا گیا تھا اور کیسا کیسا ولید کے باپ چکر کاٹتے تھے ایک جھلک میری دیکھنے کیلئے مجال ہے جو ایک جھلک دیکھی ہو بڑا سخت پردہ تھا پھر ایسا نور اترتا میرے چہرے پر“۔ وہ ماضی کی بات کرتے ہوئے کچھ شرمناک ہنس پڑی تھیں۔

”بالکل ای بالکل..... میں بھی ایسا ہی چاہتی ہوں“۔

”آج شام آپ ڈرائیور کے ساتھ جائیں اور اسے کلثوم کے گھر چھوڑ کر آئیں“۔

”ٹھیک ہے اماں میں ابھی بات کر لیتی ہوں“۔ صبا گاڑی کی چابی اچھالتی ہوئی ولید کے آفس میں آئی تھیں۔ ولید اس وقت اپنے اسٹڈی روم میں تھے۔

”بہت خوش نظر آ رہی ہو صبا بیٹے کی خوشی میں“۔

”ظاہر ہے ولید! ای کی خواہش ہے رومی کو اس کے تایا کے گھر بھیج دیا جائے اور جناب ولید حیدر ماموں بن

کمرے میں لڑکیاں اندر گھس آئی تھیں۔ گلزار تو تھی ہی بہت چلبلی وہ بھابی کے بیڈ پر دھڑ سے گری۔

”ہائے کیا ویلوٹ کی بیڈ شیٹ ہے“۔ شانزہ بھی بیٹھ گئی تھی کہ اچانک کمرے میں طوفان کی طرح مسز کاظمی داخل ہوئی تھیں۔ شاید انہوں نے باہر لگے ہوئے شامیانے سے بھانپ لیا تھا۔

”بدتمیز..... تمیز نام کی کوئی چیز ہے سلیقہ نام کی کوئی چیز ہے“۔ انہوں نے ایک جھٹکے سے بیڈ شیٹ کو کھینچا تو نازک سی گلزار جھٹکے سے دیوار سے جا لگی۔ ماہم اور شانزہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ مسز کاظمی نے بیڈ شیٹ کو لپیٹا اور غصے سے باہر نکل گئی تھیں۔

اماں کو پھر دبے دبے لفظوں میں شانزہ نے بتایا تھا۔

”یہ سب یہ کروا رہی ہے“۔ اماں نے ماہم کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔

”دیکھو یہ سب یہاں مت کرو سمجھیں اپنے سسرال میں بتاؤ یہاں شکایتیں مت کرو مجھے نہیں پسند یہ شکایت“۔ سب اپنا سامنہ لے کر رہ گئے تھے۔

کہانی کا آغاز ہو چکا تھا۔ اماں کا گھر وہ گھر نہیں تھا جہاں حماد بھائی شام کو لوٹتے تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور تھا۔ آہستہ آہستہ گھر میں تبدیلیاں صرف اس وجہ سے ہوئیں کہ اماں نے غلط اور سچ ان سے چھپایا۔ حماد بھائی کو کبھی کوئی بات نہیں بتائی۔ اماں کے اپنے اصول تھے کہ ہر بات مردوں کو نہیں بتائی جاتی۔

اندھیرے میں کبھی مسافر کو راستہ نہیں ملتا جب تک روشنی نہ ہو مگر اہ انسان کو راستہ دکھانا ضروری ہوتا ہے ہتھیار ڈال دینا خاموشی اختیار کرنا حالات کا حل نہیں لیکن اماں نیک نیتی سے زندگی گزارنا چاہتی تھیں۔

ماہم تو ان کی زندگی سے نکل آئی تھی۔ البتہ سارا حساب شانزہ کی لائف پر آن گرا تھا۔ کل رات شانزہ نے بتایا کہ خود ہی بھابی نے اپنے ٹکے کا سوچ کاٹ دیا۔ صبح بھیا اماں سے شکایت کر رہے تھے لیکن دیکھ شانزہ کی جانب رہے تھے۔ اماں ایک لفظ نہ بولیں۔

گھر میں پھر کسی بات پر ڈکر ٹکلا تو عمار کا بیٹا بتا رہا تھا کہ پلگ تو چچی نے کاٹا ہے۔ اماں اس بات کو بھی پی گئیں اور بولیں۔

”بس چپ ہو جاؤ مت بولو گھر میں جھگڑا ہوگا“۔ البتہ زوبیہ بھابی اور نئی دلہن کی آپس میں اچھی دوستی تھی۔ ہر بات زوبیہ بھابی عصمت کو بتاتی تھیں اور جب سب کو انکشاف ہوتا ہے کہ آخراں کو کیسے پتہ چل گیا کیونکہ وہ بے حد مخلص اور کم گو تھیں لہذا کبھی شک ہی نہیں کیا کہ زوبیہ بھابی پچھلے بھید کھول سکتی ہیں۔

ماہم اور شانزہ کے درمیان اب بہت ساری دوریاں آ گئی تھیں۔ وقت بہت تیز گزر رہا تھا۔ وہ گھر وہ گھر نہ رہا تھا ہر روز ایک نئی کہانی۔

☆.....☆.....☆

ولید حیدر ہاؤس کی فضا گنگنا اٹھی۔ اشمیل نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ رومی نے سنا تو وہ حیران رہ گئی۔ دادی نے سعیدہ سے بات کی تو انہوں نے فون پر ہی رضا مندی ظاہر کر دی اور اپنی مجبوری بھی بتا دی کہ وہ شہر نہیں آ سکیں گی ورنہ وہ لوگ جو رومی کا رشتہ مانگ رہے تھے وہ راستہ دیکھ لیں گے اور رومی کے لئے مشکلات ہو جائیں گی لہذا سعیدہ کی طرف سے اجازت تھی۔ سعیدہ خوشی سے پھولے نہیں سارہی تھیں۔

”چلو ٹھیک ہے میں اس کو تایا کے گھر بھجوا دوں گی“۔

”جیسے آپ کی مرضی اماں! ہم نے تو آپ کے سپرد رومی کو کر دیا ہے“۔ دادی نے فون پر سعیدہ سے بات کی تھی۔

کر اسے وہاں سے رخصت کروا کر لائیں اور سارے اخراجات ولید حیدر ادا کریں گے۔“ صبا نے بڑے جوش سے بات کی تھی۔

”اتنی بڑی بکنی اور پوچھ پوچھ کڑی سے کہہ دو وہ جیسا چاہتی ہیں ویسا ہی ہوگا۔“

”لیکن ہوگا کیا رومی کو تاپا کے گھر جانا پڑے گا۔“ وہ ولید کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

”کیوں بھی کیوں۔“ ولید تھوڑا حیران ہوئے تھے۔

”اس لئے کہ وہ مایوں بیٹھے گی اور اشمیل اب اس سے نہیں مل سکتا اور میں ملنے بھی نہیں دوں گی۔ تمہاری طرح تمہارا بیٹا بھی بہت عاشق مزاج ہے۔ جب سے اس نے سنا ہے وہ دیوانہ ہو رہا ہے کہ مجھے رومی سے بات کرنی ہے اور میں نے کہہ دیا کہ تم رومی سے نہیں مل سکتے۔“

”صبا! اتنا ظلم مت کرو میرے بیٹے پر اور اگر وہ رومی پر مر مٹا ہے تو روکو مت۔“ وہ ہنس رہے تھے۔

”نو ولید نو..... اب اشمیل رومی سے شادی کے دن ہی ملے گا۔“ انہوں نے انگلی اٹھا کر ہنس کر وارننگ دی تھی۔

”چلو اب بیگم صاحبہ کا حکم ہے تو میں کیسے ٹال سکتا ہوں جو چاہو تم اس کیلئے خرید سکتی ہو۔“

”نو پرا بلیم ولید! میں ایسی جیولری ایسے ڈیزائن کو بنوا کر دوں گی کہ تمہیں یقین آ جائے گا کہ میں رومی کو کتنا پسند کرتی ہوں۔“

”گریٹ صبا! میں آج تک تمہیں غلط سمجھتا رہا، لیکن یہ بات بھی سچ ہے کہ ہمارے پاس دولت ہے گھر ہے لیکن ہمیں ایک حسین سی بچی کی ضرورت ہے، کہاں رومی رہتی تھی قدرت نے یہاں بھیج دیا واقعی جوڑے آسمانوں پر لکھے جاتے ہیں۔“

”جیسے تمہارا اور ہمارا جوڑا آسمان پر لکھا تھا اور نہ تمہاری پہلی بیوی کبھی نہیں جاتی۔“

”شاید۔“ وہ صبا کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ صبا نے بی ایچ ڈی والے کو تھ دیا تھا اتنے بڑے بزنس مین کو ہینڈل کر کے اپنی جھوٹی باتوں پر یقین دلادیا تھا۔ دوسروں کی نظروں کو پڑھ لینے والے ولید حیدر صبا کی آنکھوں میں کچھ نہیں پڑھ سکے تھے۔

جب وہ ولید حیدر سے مل کر آ رہی تھیں تو اشمیل داوی کے کمرے سے نکل کر آ رہا تھا۔

”مام! یہ آپ کیا لئے سیدھے پلان بناتی پھر رہی ہیں اب رومی وہاں جائے گی اپنے تایا کے گھر میرا ملنا بہت ضروری ہے۔ لیکن وہ ہے کہاں؟“

”میں تمہیں نہیں بتاؤں گی کہ وہ کہاں گئی ہے۔ اس کی مرضی ہے وہ چلی گئی۔“

”مام! میں پاپ سے جا کر پوچھ لوں کہ رومی کہاں ہے؟“ اس نے بہت غور سے ماں کو دیکھا تھا۔

”چلو ہاں چلو میں جا کر کہہ دیتی ہوں کہ اس نے ارج سے شادی کر لی ہے اور یہ جانا چاہتا ہے۔“

”مام پلیز! یہ تو بتا دیں کہ وہ گئی کہاں ہے۔“

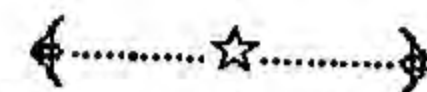
”اف میرے بیٹے! تم اتنے بے صبر ہے کیوں ہو رہے ہو شام تک آ جائے گی وہ شاہجک کیلئے گئی ہے۔“ اشمیل کو بہت تشویش ہو رہی تھی۔

”آ خر رومی کس کے ساتھ گئی ہے؟“ وہ بہت فکر مند تھا۔

”وہ اپنا سبیل بھی نہیں اٹھا رہی ہے۔“

”بھی بڑی ہوگی میں نے اسے جیولر کے ہاں بھیجا ہے۔“

”مام! وہ بہت سیدھی اور معصوم ہے اس کے ساتھ ایسا نہیں کریں وہ کس کے ساتھ گئی ہے اور کہاں گئی ہے۔“ وہ جہاں بھی گئی ہے ناں اشمیل آ جائے گی۔ بس تم زیادہ اسماٹ بننے کی کوشش مت کرو نہ ہی بحث کرو کہ وہ کہاں گئی ہے۔“ وہ اشمیل کو ٹال گئی تھیں۔



جلوہ بی بی بڑی رکھ رکھاؤ کی مالک تھیں وہ حماد اور مام سے بہت محبت کرتی تھیں۔ بچے تو ماں کو سب پیارے ہوتے ہیں لیکن جو بچے ماں کو بہت پیار کرتے ہیں ماں کی متان کے لیے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اماں حماد بھائی کو زیادہ چاہتی تھیں۔ حماد خود بھی ایک ذمہ دار اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ بس یوں کہہ لیجیے کہ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ در پیدا

حماد ہر ایک بہن بھائی سے ٹوٹ کر محبت کرنے والے انسان کا نام تھا، انم کی فارمیسی کی کلا میں ہو رہی تھیں اور حماد بھائی اتنی چلا پلاتی دھوپ میں جا کر پوائنٹ پر کھڑے ہو جاتے تھے کہ انم دھوپ میں چل کر گھر آئے گی۔

اماں کورات میں استھما کا انیک ہو جائے تو وہ ساری رات اماں کے کمرے میں گزار دیتے تھے اور جاگتی ہوئی مام کو دیکھ کر ان کی آنکھیں اور ہونٹ مسکراتے تھے۔ وہ ہر ایک کا خیال رکھتے تھے پھر آہستہ آہستہ تھوڑے ہی دنوں میں عصمت کے مکر و فریب میں آ چکے تھے لیکن اماں کی ایک ہی کمزوری تھی کہ گھر میں کوئی بات بھی ہو جائے تو حماد کو نہیں بتائی جائے گی۔

دے دے لفظوں میں ایک دن اماں سے مام نے کہا تھا۔

”اماں! صبح سے شام تک کی کہانی آپ بھائی کو تو بتا دیں۔“

”یہ لائے سیدھے مشورے تم اپنی سسرال میں دیا کرو ہمارے گھر میں فساد کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

عصمت کا ایک ہی رد نہیں تھا جب حماد آفس جا رہے ہوتے تھے تو جب وہ تیار ہو کر باہر آتے، عصمت بڑی تیزی سے بیڈروم سے نکل کر باورچی خانے میں آتیں ناشتہ تو تیار ہی ہوتا تھا۔ آلو کی بھجیا، روٹی پر چڑا ہوا مکھن

حماد کا پسندیدہ ناشتہ تھا، وہ ناشتہ اٹھا کر میز پر رکھتیں اور دو کپ چائے بنا کر حماد کے سامنے لے آتی تھیں۔ حماد بیڈروم سے نکل کر آتے اور ناشتہ کرتے اور آفس کے لئے نکل جاتے تھے۔ جونہی گیارہ بجتے کڑا کے دار کھنٹی بجتی، عصمت

بہت تیزی سے اٹھ کر جاتیں اور بڑا سا بیگ سنبھالے ہوئے گاڑی میں بیٹھتیں اور یہ جاوہ جا نہ گیٹ بند نہ کرہ بند۔

بہت بڑا گھر تھا لیکن اماں کو تو آہٹ رہتی تھی کہ کھنٹی بجی گیٹ کھلا، عصمت کمرے سے نکلیں اور گاڑی کی آواز آئی اور وہ لوگ چلے گئے۔

اللہ جانتا ہے اماں کس مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ اللہ میاں نے نور کی مٹی سے انہیں تعمیر کیا تھا۔ ملازم شریف کو وہ آواز دیتیں۔

”دیکھو شریف! بھائی چلی گئیں جاؤ بھاگ کر گیٹ بند کر کے آؤ۔“ واپسی پر پوچھتیں۔

”بند کر دیا تم نے؟“ ٹھیک سے بند کیا ہے ناں شریف تم نے۔“ بار بار پوچھنے کی عادت تھی۔

”اب تم حماد کے کمرے میں آ جاؤ۔“ اماں اپنی سفید ساڑھی کی لہریوں کو درست کرتی ہوئیں تخت سے اٹھتی تھیں

شریف ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں جاتا تھا۔

”اب دیکھو تم چلیں اٹھاؤ حماد کی اور تم دھوپ میں رکھ کر آؤ۔“ سلپنگ سوٹ پڑا ہے نا اٹھاؤ اس کو اور باسکٹ

”ارے نہیں بیٹا! سب قسمت کے کھیل ہیں۔“ ان کی شفاف آنکھوں میں نمی تھی۔

”مجھے کیا معلوم بیٹا کہ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ وہ کاظمی اور مسز کاظمی شادی کے بعد ایک بار بھی میرے پاس نہیں آئے۔“ اماں بڑے دکھ بھرے انداز میں بولی تھیں۔

”اور وہ سونے کے کڑے کہاں گئے؟“ شانزہ بڑی دبی دبی ہنسی تھی تو ماہم نے بھی سر ہلایا تھا۔

”اب آگے کیا ہوگا؟“ شانزہ نے اشارے سے ماہم سے کہا تھا۔

”جو ہوگا بہت بھانک ہوگا“ اگر ایک دن اماں بھابی کی اصلیت حماد بھائی کو بتا دیں تا اسی دن آریا پار ہوگا مگر میں جانتی ہوں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ واقعی اماں نے بھی زندگی میں کسی کی برائی نہیں کی تھی۔ کبھی انہوں نے گندہ جملہ نہیں کہا تھا۔ وہ جتنی تھیں بھلا وہ بہو کی شکایت کیسے کرتیں! لیکن یہ نیکی ان کی بہت بڑی غلطی تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو غفلت میں رکھا۔ ان کی اصلیت نہیں بتائی کہ ان کا بیٹا ہوگا مگر میں کیسا ہوتا ہے اور حماد نہ جان سکے کہ ان کی بیوی کیسی ہے اور نہ ہی کسی کو کبھی اس بات کا یقین آیا کہ ماہم کہتی تھی۔

”عصمت کے اندر ایک آنا اور ضد صرف یہ ہے کہ حماد ماں سے بدظن ہو جائیں اور ایسا کبھی ہوگا نہیں زندگی میں“ کیونکہ حماد اماں کو بہت چاہتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اماں کی۔ ان کے دل میں ماں کی بہت محبت اور تڑپ ہے۔ لیکن اماں بہو کے عیبوں پر پردہ ڈالتی رہیں اور پانی سر سے اونچا ہوتا گیا۔

ماہم کو رومی کی سسکیاں سنائی دی تھیں حالانکہ رومی ان کی زندگی سے بہت پہلے نکل گئی تھی۔ کوئی محبت، کوئی عشق نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے رومی کے دل میں احساس محرومی ہو حماد کو پانے کی خواہش تڑپ ہو مگر بظاہر ایسا کچھ نہیں تھا اور پھر بھی ماہم کو یوں لگتا کہ کسی کے دل کو یوں توڑ دینا اچھا نہیں۔

تہجد گزار عادل ماموں کی بھیگی ہوئی جھکی ہوئی نظریں شرمندہ سی اماں کے سامنے بے یار و مددگار بیٹھے ہوئے“ اماں کا آچل سے چہرہ پوچھتے ہوئے اور اماں کا بولنا۔

”سمعیہ نے اچھا نہیں کیا“ حماد کا لکھا ہوا خط عادل کو دے دیا۔“ شرمندہ سے عادل ماموں کا چہرہ ماہم کی نظروں میں گھوم رہا تھا۔

”آپا! خط پڑھ کر ایسا لگ رہا ہے کہ زمین پھٹے اور میں سما جاؤں۔ ہماری مجبوری تھی آپ نے امید دلائی اس لئے اتنے دن میں رُکارا اور اب میں واپس جا رہا ہوں۔“ وہ نظریں وہ چہرہ وہ آنسو وہ لمحے وہ جدائی دکھ بھری وہ کک جو بہن اور بھائی کے درمیان تھی۔

جھکی ہوئی عادل ماموں کی نظریں مکافات عمل کے لئے پرتول رہی تھیں۔ رب کے در ضرور بند ہو گئے تھے لیکن پتہ نہیں کب اور کیسے بندہ بشر کو نیندا آ جاتی ہے۔

ارادوں کے ٹوٹ جانے سے انسان نے اپنے رب کو پہچانا ہے۔

☆.....☆.....☆

”دیکھو اشمیل! تم جیسا سمجھ رہے ہو رومی ایسی نہیں ہے۔ یہ غریب لوگوں کے ہتھکنڈے ہوتے ہیں قریب آنے کیلئے ہمدردی حاصل کرنے کیلئے یہ اپنے اوپر معصومیت کا خول چڑھا لیتے ہیں۔ اتنی دولت یہ سب کچھ دیکھ کر اس کا نظریہ بدل گیا اور برا مت ماننا اگر میں کہوں کہ اس میں تمہاری دادی کا بہت ہاتھ ہے۔ اشمیل یوں ہے اشمیل یوں ہے کہہ کہہ کر اس نے بھی خود کو تمہارے سانچے میں ڈھال لیا۔ تمہارا پر پوزل دادی نے دیا اس نے گردن جھکا لی۔ سعیدہ نے کہا فوراً کر دو میری ضرورت نہیں ہے آنے کی۔ کہاں گئی ان کی عزت نفس؟ غریبوں کے پاس یہی ایک دولت

میں ڈالو سارے پردے کھولو۔“ تو وہ فناٹ پر دے کھول دیتا۔

”اب مسہری کی بیڈ شیڈ ہٹاؤ اور جھاڑو اسے۔“ وہ کرسی پر بیٹھ جاتی تھیں۔

”جھاڑی نہیں..... اب ایک بار جھاڑو اور زور سے جھاڑو اب گیل کپڑا لائے ایک بار ڈرینک ٹیبل سے لے کر بیڈ پر پونچھو بیڈ شیڈ بندو جھاڑو دو یہاں پر نہیں شریف! دوبارہ پانی لاؤ اور ایک بار پھر پونچھا لگاؤ ڈرائنگ روم میں کھلنے والے دروازے کو لاک کر دو اور اب سب پردے برابر کر دو ٹھیک سے برابر کر دو تا کہ روشنی نہ آئے۔ چلو.....“ خود اٹھ کر باہر نکل آتیں۔

”اب دروازہ بند کرو۔“ تو شریف دروازہ بند کر دیتا۔ زدبہ بھابی بڑبڑاتے جاتیں۔

”صبح سے اماں اسے کمرے میں لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔ سارا گھر بڑا ہوا ہے آج ماسی نہیں آئی برتن پڑے ہیں۔“ زدبہ بھابی دھیرے دھیرے بولے جاتی تھیں۔

”ہاں تو پھر کیا کروں؟ وہ تو ڈھیٹ ہے سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جاتی ہے میں شکایت کروں یا پڑا رہنے دوں تو لڑائی ہوگی اس گھر میں اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ شریف کو پیسے دیے دیتا ہے۔ ملازم تو وہ اس کا ہے اور میں یہ سب نہیں کر سکتی۔“ شانزہ کہتی اماں سے۔

”لیکن اماں! بتا دو بھائی کو یہ سب آپ کرتی ہیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے جھگڑے فساد نہیں پسند گھر میں۔ وہ پوچھے گا اور وہ بیٹھ کر لڑے گی شور ہوگا مگر میں۔“ حماد بھائی دو ڈھائی بجے گھر آ جاتے تھے۔ کھانا کھاتے ہی وہ اپنے بیڈ روم میں چلے جاتے۔ حسب روٹین وہ پانچ بجے نکلتے ہاتھ میں ریکٹ اور سوٹ پہنے ہوئے ہوتے تھے۔

”اچھا اماں! ہم ٹینس کھیلنے جا رہے ہیں وہیں سے واپسی پر ہم عصمت کو لیتے ہوئے آ جائیں گے۔“

ٹینس اس لئے کھیلتے تھے وہ وہیٹ کین کرنے سے بہت ڈرتے تھے۔ پھر وہیں سے وہ عصمت کے گھر چلے جاتے جہاں رات کا ڈنر ہنسی مذاق اور فلم چلتی پھر وہ بارہ بجے کے قریب واپس آتے تھے۔ عصمت پان چاتی ہوئی بڑی شوخ نظروں سے اماں کو دیکھتی ہوئی اندر داخل ہوتی تھیں۔ ان کے چہرے پر بڑا تمسخرانہ مسکراہٹ ہوتی تھی کہ ”تم لوگ حماد سے ڈرتے ہو اس لئے میری کوئی بات نہیں کرتے۔“ حتیٰ کہ وہ ڈرینک ٹیبل پر کھایا ہوا سیب چوہے کی شکل کا رکھ کر جاتی تھیں صرف اماں کو جلانے کیلئے کیونکہ اماں کو گندگی سے بڑی نفرت تھی۔

حماد یہی سمجھتے رہے کہ ان کے جانے کے بعد ان کی بیوی سب کمرہ سیٹ کر کے جاتی ہے۔ اماں کبھی نہ بول سکیں کہ یہ انہوں نے کروایا ہے۔ حتیٰ کہ ملازم سے وہ بھائی بالٹی منجوا کر اور دھلوا کر رکھتی تھیں حتیٰ کہ پھیلا ہوا سامان شیونگ کٹس اور ٹاول اور برش تک وہ رکھواتی تھیں لیکن کبھی حماد کو یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ سب کچھ اماں کر داتی ہیں۔

اماں نے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی اپنے بچوں سے کہ جو کچھ تھا ان کا ان کے پاس کاٹی تھا۔

ہر روز عصمت کی شیڈ دل کے مطابق یہی کہانی تھی۔ ماہم سوچتی تھی اگر رومی اس جگہ پر ہوتی تو وہ کبھی ایسا نہ کرتی۔ ایک دن تو اماں بھی تخت پر بیٹھی ہوئیں سفید آنچل کی ساڑھی سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

”عصمت گھر کو گھر نہیں سمجھتی“ حماد کا ذرا بھی خیال نہیں کرتی یہ سب سمعیہ کا کیا دھرا ہے اب دیکھو کیسا حماد کو سمعیہ سے بدگمان کر دیا۔“

”اماں! بدگمان نہیں یہ مکافات عمل ہے جو سمعیہ باجی کے ساتھ ہوا ہے۔“ ماہم آج بھی اپنے سرال سے آئی ہوئی تھی۔

اس کے حق سے اُسے محروم نہیں کر رہی لیکن اگر تم نے اُس سے سب کچھ دیا ہمارے ارادوں کو ظاہر کر دیا تو میں جانتی ہوں غریب بڑے ہٹ دھرم ہوتے ہیں اب تمہاری مرضی۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

رات کے آٹھ بج رہے تھے وہ بہت بے چین بار بار میسر پر جا کر دیکھ رہا تھا کہ آخر رومی گئی کہاں ہے؟ پھر رومی کے پاس پلٹ کر آیا تھا۔

”دادی! رومی کہاں گئی ہے؟“ اس کے سوال پر رومی مسکرا کر بولی تھیں۔

”یاد آ رہی ہے اس کے بغیر اس ہو۔“

”نودادی۔“ وہ رخ پھیر گیا۔

”آجائے گی مجھ سے اجازت لے کر گئی ہے۔“

”دادی! ایک بات آپ سے پوچھوں دادی اتنے بڑے فیصلے پر اُسے کوئی اعتراض نہیں تھا وہ حیران بھی نہیں ہوئی۔“

”حیران..... وہ تو بہت خوش اور مطمئن ہے کہ تم اسے مل رہے ہو سچ تو یہ ہے کہ ولید کی دنیا بدل گئی ہے۔ جب جا رہی تھی تم گھر پر نہیں تھے ولید بار بار اس کا ماتھا چومے جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ امی! رومی کو مت بھیجیں میں نے کہا یہ رسم دنیا ہے بیٹا۔ تمہیں ماں نے نہیں بتایا کہ وہ کہاں بھیجی گئی ہے تو اس لئے نہیں بتایا کہ تم پھر گاڑی نکال لو گے اور پہنچ جاؤ گے ایزل کے بہانے کہ اسے نیند نہیں آرہی۔“ اشمیل کا دل دھک سے ہوا۔

”کیا مام صحیح کہہ رہی ہیں کہ وہ ایزل کے بہانے ہمارے دل میں اتری ہے دوست بن کر وہ اب اس گھر میں گھسنا چاہ رہی ہے۔“

”اس کو ہم نے اس کے تایا کے گھر بھیج دیا ہے۔ ہم اسے وہیں سے لے کر آئیں گے ایک دو دن بہت ضروری ہوتے ہیں تمہیں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔“

اس نے اپنے ارد گرد بہت سناٹا محسوس کیا دل کو ٹٹولا واقعی وہ بہت متفکر تھا لیکن دل کے ایک کونے میں چپکے سے

ماں کی آواز بھی سنائی دی۔

”ایزل کے بہانے وہ تم سے قریب آئی ہے اشمیل وہ تمہاری دولت پر نظر رکھتی ہے۔“

”کیا ہوا بیٹے! تم چپ کیوں ہو گئے کیا سوچ رہے ہو تم؟ تم ہماری اور ولید کی خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔“

”کیوں دادی! مام خوش نہیں ہیں اس بات سے۔“ اشمیل نے چونک کر دادی کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”عورت عورت کو کیسے پہچان لیتی ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ مام نے بھی رومی کو پہچان لیا ہوا پاپ تو نہیں پہچان سکے

مام کو اور میں بھی مرد ہوں اور دھوکا کھا رہا ہوں“ کہتے ہی ہیں کہ مرد کی نسبت عورت بہت شارپ دماغ لے کر آتی

ہے۔ کیا مام صحیح کہہ رہی ہیں؟ کیا رومی ایسی ہو سکتی ہے اتنی قریب آ سکتی ہے میری پسند اور ناپسند ایک جیسی ہو سکتی ہے؟

میں کہنے پر مجبور ہو جاؤں کہ میری کیمسٹری تم سے ملتی ہے یہ کیسے ممکن ہے؟ ہم اور ارج تو کبھی ایک دوسرے سے اتفاق

نہیں کر سکے پھر رومی کیا مجھے دھوکا دے رہی ہے؟ اتنی جلدی وہ میری دوست بن گئی۔ کوئی کیا اتنا قریب آ سکتا ہے بغیر

کسی بات کے اس نے میری زندگی میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم نے اور ارج نے ایک ماہ تک ڈسکس کیا تھا کہ ہم

میرج کریں یا نہیں کریں۔ رومی نے تو پل بھر کو بھی نہیں پلٹ کر پوچھا کہ میں کیا چاہتا ہوں حیرت ہے۔ مام صحیح ہیں یا

وہ سچ ہے؟ فیصلہ وقت کرے گا۔ میں بھی اسی کی طرح خاموش ہو جاتا ہوں۔“

(جاری ہے)

رداؤ انجسٹ 49 مئی 2012ء

اس کے ساتھ بددیانتی مت کرنا دیانتداری کے ساتھ رہو تم اس کے ساتھ ساری خواہشات پوری کریں گے

وہ تمہاری بیوی رہے گی لیکن اشمیل تم اس کو اس قابل رہنے دینا کہ وہ باعزت طور پر اپنی زندگی کہیں بھی گزارے۔“

”مام! میرا سر پھٹ رہا ہے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔“ وہ چیخ پڑا تھا۔

”سوچنا ضرور جو میں نے کہا ہے تم سے میں نے ہر بات دائرہ اخلاق میں رہ کر کی ہے وہ کسی کی بیٹی ہے میں بھی

اسے برباد نہیں ہونے دوں گی۔ اس کے نکاح میں اس کے مہر میں تمہاری حیثیت کے مطابق اس کا حق دوں گی میں

ہوتی ہے جس پر انہیں گھمنڈ ہوتا ہے جو کہتے بھی ہیں کہ ہم بڑے خوددار ہیں ہمیں دولت سے نفرت ہے دولت مند لوگ گھمنڈی ہوتے ہیں اب سب وہ کہاں گیا۔ آج میں نے کھل کر تمہیں اس کی اصلیت بتادی ہے۔ ایزل سے محبت اس کا ایک ڈرامہ ہے صرف تمہارے قریب آنے کیلئے اور تم رومی رومی رومی..... بیٹے! کوئی کسی کا نہیں ہوتا بس سب اپنا اپنا مفاد دیکھتے ہیں۔“ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور بولیں۔

”حتیٰ کہ تمہارا باپ بھی اگر اسے محبت ہوتی تو تمہاری خوشی کے لئے سب کر سکتا تھا۔ اس میں بھی یقیناً ان کا ذاتی

مفاد ہے جس طرح وہ اس لڑکی کے ساتھ گھومنے پھرنے جاتے ہیں میں نہیں ٹرسٹ کر سکتی آئی ڈونٹ لائک۔ میں

ان لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”مام!“ وہ بہت تیز چیخا تھا۔

”تم آج چیخ رہے ہو کھل جب حقیقت سامنے آئے گی تو تم خود دیکھ لینا اپنی آنکھوں سے ان غریبوں کی حیثیت۔“

”مام! بار بار اسے غریب کہہ کر اس کی انسلٹ نہ کریں وہ میری اچھی فرینڈ بن گئی ہے۔“

”بن نہیں گئی بنا دی گئی ہے۔ تم ایک شخص سے ہر وقت اچھائیاں بیان کرتے رہو نوڈاؤٹ وہ اچھی لڑکی ہے یہ

میں نہیں کہتی کہ بری لڑکی ہے لیکن اشمیل! وہ اپنی صورت اور معصومیت کا فائدہ اٹھا کر تمہارے قریب آئی ہے۔ ایسا

کیسے ممکن ہے کہ جو چیز تمہیں پسند ہے وہ اسے بھی پسند ہو۔ ایسا کیا تمہارے اور ارج کے بیچ کبھی ہوا ہے جبکہ تم دونوں

ایک دوسرے کو بچپن سے پسند کرتے آئے ہو اور وہ کتنی ضدی مزاج اور تم کتنے ٹھنڈے دماغ کے مالک ہو پھر بھی

تمہارے بیچ محبت نے جنم لے لیا۔ رومی ایک دھوکا ہے تمہارے لئے اگر میرا یقین نہیں ہے بیٹا تو شادی کے بعد تم رخ

بدل کر دیکھ لینا اور یہ خود بولے گی کہ مجھے اشمیل کے ساتھ نہیں رہنا۔“

”نہیں مام! ایسا نہیں ہے میں اس کو دھوکا نہیں دے سکتا آپ جیسا کہہ رہی ہیں مجھے یقین نہیں ہے۔“

”ارے اشمیل! ابھی تم نے دنیا نہیں دیکھی میرے بیٹے فی الحال ابھی تم سب کچھ چھوڑو اور رومی سے شادی کر لو

اگر تم بولو گے رومی میرے ساتھ زبردستی ہو گئی ہے میری زندگی میں ارج آ گئی ہے اور تمہارے باپ کو خبر ہو گئی پھر وہی

ہنگامہ..... تم اپنے باپ کو جانتے ہو بیٹا! تم میری بات مان لو۔ معصوم چہرے دھوکا دیتے ہیں اور میں نا انصافی بھی نہیں

کروں گی اس کے ساتھ لیکن اشمیل! اگر تم نے اس کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی یا محبت دکھائی تو یہ تمام عمر تم سے چٹنی

رہے گی تم اس کو ایک ایک پل دھتکارو گے بے عزت کرو گے اس کو اس کی اوقات یاد دلاؤ گے کہ وہ کیا بھی اور پھر

ایک دن ایسا آئے گا اشمیل کہ تم سے وہ خود ڈائیورس مانگے گی تب ولید کو احساس ہوگا کہ زبردستی کی شادی کیا ہوتی ہے

اور میں یہی ثابت کرنا چاہتی ہوں۔“

”مام! بڑا مشکل ہوگا۔“

”تم تو ابھی سے بیٹے ہمت ہار رہے ہو اگر تمہیں ارج کو حاصل کرنا ہے تو یہ تو کرنا ہوگا۔“ وہ کہتے کہتے رک گئیں۔

”جی مام!“

”اس کے ساتھ بددیانتی مت کرنا دیانتداری کے ساتھ رہو تم اس کے ساتھ ساری خواہشات پوری کریں گے

وہ تمہاری بیوی رہے گی لیکن اشمیل تم اس کو اس قابل رہنے دینا کہ وہ باعزت طور پر اپنی زندگی کہیں بھی گزارے۔“

”مام! میرا سر پھٹ رہا ہے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔“ وہ چیخ پڑا تھا۔

”سوچنا ضرور جو میں نے کہا ہے تم سے میں نے ہر بات دائرہ اخلاق میں رہ کر کی ہے وہ کسی کی بیٹی ہے میں بھی

اسے برباد نہیں ہونے دوں گی۔ اس کے نکاح میں اس کے مہر میں تمہاری حیثیت کے مطابق اس کا حق دوں گی میں

صنوبر فہیم اختر

مکمل ناول

زندگی در درجہ صحرایی

دست طلب اٹھا کے مانگتے ہیں محبت خدا سے
جو ہود سترس میں تو خود ہی گنوا دیتے ہیں لوگ

احد نے آتے ہی اپنے بے حد عزیز دوست اور بھائی معصوب چغتائی پر چوٹ کی تھی جو اندھیرے میں بیٹھا جانے کن
لا یعنی سوچوں میں گم تھا اس کو دیکھ کر مسکرایا۔

”تم خود کو کیوں ضائع کر رہے ہو اگر اسے چھوڑ ہی دیا ہے تو بھول کیوں نہیں جاتے ہو آخر تم خود سے اسے دور کیوں
نہیں ہونے دیتے؟ ایک درد مسلسل کی طرح کیوں دل میں چھپائے بیٹھے ہو۔“ وہ اس کی حالت دیکھ کر سخت غصے اور
جھنجھلاہٹ کا اظہار کر رہا تھا وہ اس کے غصے پر بہت دلکشی سے مسکرایا۔

”کب تک ایسا چلے گا معصوب! ماما، پاپا، میں، ہم سب تمہاری اس پانچ سالہ زندگی سے تنگ آ چکے ہیں، کب خود پر
سے یہ خول اتارو گے.....؟ وہ ساعت کب آئے گی جب تم اپنی زندگی کے اصل سچ سے آشنا ہو گے تم نے خود اسے سزا دی
تھی پھر اب یہ سب کیا ہے تم ایسا کیوں کر رہے ہو.....؟“ وہ واقعی رنجیدہ تھا۔

”سوری احد! پر میں کیا کروں اس کی بے وفائی مجھے چین سے رہنے نہیں دیتی میں نے اس کے لئے سب تیاگ دیا
اور اس نے کسی اور راہ کو چن لیا اس نے بے وفائی کی ہے تب بھی وہ سکون سے ہے اور میں وفا نبھا کر بھی بے چین ہوں
ایسا کیوں ہے.....؟“ وہ آج کھل کر کہہ رہا تھا اس کا خول کچھ چنک رہا تھا بھی سوال کر رہا تھا۔ احد نے اپنے بے حد عزیز

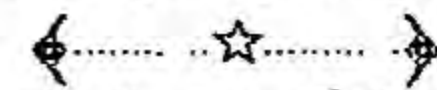


بھائی کو افسردگی سے دیکھا پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔

”اسے بھول جاؤ معصوب! ہم نہیں جانتے وہ کیسی تھی پر اس میں کچھ تو ضرور تھا جو تم سب سے لڑ گئے تھے دنیا کے مخالف ہو گئے اور پھر وہ سب ہو گیا پر معصوب! زندگی چلنے کا نام ہے یہ کسی کے لئے نہیں ٹھہرتی تم بھی آگے بڑھو سب تمہارے لئے فکر مند ہیں کسی اور کے لئے نہیں تو میرے اور ایمین کے لئے اپنے اس خول سے باہر نکلو ہماری شادی ہونے والی ہے اور تم کوئی انٹرسٹ ہی نہیں دکھا رہے ہو.....؟“ سمجھانے کے بعد اس نے غصہ دکھایا تو وہ واقعی شرمندہ ہو گیا اس کے اگلوتے بھائی کی شادی تھی اور وہ ایسا رویہ اختیار کئے ہوئے تھا۔

”سوری یار! اب تو یہ پر اس ربا کہ میں ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوں گا اور تمہیں کسی بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔“ وہ دوستی کا فرض نبھاتے ہوئے بولا: بھائی ہی نہیں دوست بھی تھا دونوں میں ایک سال کا ہی فرق تھا۔
”دیکھ لے بچو! وعدہ خلافی کی تو گردن سے پکڑ کر بیٹھنے کا حق میں رکھتا ہوں۔“ وہ بھی دھونس دکھا کر بولا۔
”منظور ہے جناب!“ وہ بولا۔

مسٹر اینڈ مسز چغتائی رائل فیملی سے تھے ان کے دو بیٹے تھے احد اور معصوب! احد معصوب سے پورا ایک سال چھوٹا تھا اور سب کا بہت لاڈلا تھا! معصوب ان کا بڑا بیٹا تھا! احد سے زیادہ سنجیدہ مزاج! خود پسند! انتہا پسندی اور شدت پسندی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس سے اس کے والدین ہمیشہ خائف رہتے تھے اور پانچ سال پہلے گزرنے والے واقعے نے اسے اور بھی سنجیدہ ضدی اور ہٹ دھرم بنا دیا تھا! اس لئے وہ ہمیشہ اس کے لئے فکر مند رہتے تھے اس کا ایک ہی اگلوں کا دوست اس کا بھائی تھا احد جو اس کے ہر غم سے واقف تھا! ہر دکھ کا شریک تھا اور اسے بے حد عزیز رکھتا تھا اور اب اس کے بھائی کی شادی ہونے جا رہی تھی وہ واقعی بہت خوش تھا اس کی خوشیوں کو لے کر۔



”جائزہ! ہمیں جو نیا کانسٹریٹ ملا ہے اس کا کام کیسا جا رہا ہے۔“ مسکان مصروف سے انداز میں جائزہ سے بولی جو اس کی اسٹنٹ تھی۔
”اچھا جا رہا ہے اور مسکان! چغتائی فیملی کا کوئی ممبر بھی آیا تھا ہمارے کام کے لئے میں نے کارڈ لے لیا ہے تم دیکھ لو۔“ جائزہ نے کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

”یہ تو دی رائل چغتائی ہیں پاکستان کے بیسٹ انڈسٹریلسٹ! ان کے گھر کون سا فنکشن ہے جو ہمیں آرگنائز کرنا ہے۔“ وہ حیران تھی۔ ان کی کمپنی کو تین کرتے ہوئے ابھی دو سال ہی ہوئے تھے اور اتنے بڑے کنٹریکٹ کا ملنا واقعی حیران کن تھا وہ اس بات پر خوش تو تھی پر حیران زیادہ تھی۔

”ہو گا کوئی میرا خیال ہے ہمیں سوچ لینا چاہئے۔“ جائزہ اس کی اچھی دوست بھی تھی اس لئے فکر مند تھی شاید وہ بھی گھبرائی ہوئی تھی۔

”نہیں جائزہ! ہمیں یہ کنٹریکٹ منظور کرنا چاہئے یہ ایک اچھا اسکوپ ہے ہمیں قطعی اس کو مسترد نہیں کرنا چاہئے۔“ وہ پریکٹیکل سوچ کر بولی۔

”ہاں شاید.....“ وہ بھی اس کی بات سے اتفاق کرنے لگی تھی۔

”تو پھر تم ایک کام کرو ان سے میٹنگ فکس کرو ہم ملے چلیں گے اور ضروری امور ڈسکس کر کے فائنل کر لیں گے۔“ وہ بہت پروفیشنل انداز میں بولی تھی یہ کلائنٹ بھی اس کے لئے اک ضروری امور تھا۔
”ٹھیک ہے میں میج کرتی ہوں تم مسز وردہ کو دیکھ لو ان کا کام پینڈنگ نہ رہ جائے۔“ جائزہ واقعی ایک پر خلوص

دوست تھی۔

”ہاں ان کے فنکشن کی ساری تیاری ہو چکی ہے اور ورکرز کو بھی انفارم کر دیا ہے۔“ وہ مصروف سے انداز میں فائل چیک کر کے بولی تو جائزہ نے کافی دلچسپی سے اسے دیکھا تھا! یہ چھوٹی سی لڑکی کچھ الگ سی تھی۔
”گڈ یعنی سب کام فائنل ہو گئے ہیں۔“ وہ بھی کام کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

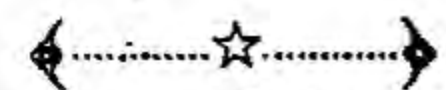
”ہاں تقریباً اس بھاگتے دوڑتے دور میں تو وقت کا پیرہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتار سے دوڑ رہا ہے سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ہے۔“ وہ کافی بے تاثر انداز میں اپنا خیال بیان کر رہی تھی۔
”تم ٹھیک کہہ رہی ہو پر جو اس وقت کے پہلے کے ساتھ نہیں چلتا یہ دنیا اسے جینے بھی نہیں دیتی۔“ دونوں کی دوستی کافی اچھی تھی بھی اظہار خیال ہو رہے تھے۔

”جانتی ہو جائزہ! ابھی تو اس وقت کو تمام کر رکھا ہے! اک دفعہ اپنے آپ کو اس کے دھارے میں چھوڑا تھا! بہت گھانا آیا تھا جسے میں پر اب نہیں۔“ وہ بھی کسی ماضی کی یاد میں کھو کر بولی تھی اور جائزہ نے کافی تاسف سے اسے دیکھا تھا۔
”تم بھول کیوں نہیں جاتی ہو مسکان.....؟“ وہ کافی افسردگی سے بولی اور مسکان بھی سر جھٹک کر خود کو کمپوز کر گئی تھی۔
”اچھا چھوڑ دو یہ باتیں..... تم مجھے یہ بتاؤ اس ایونٹ کا کیا ہوا جولا ہو پر رانج کو ملا ہے۔“ وہ فائل چیک کرتے ہوئے دانستہ بات پلٹ گئی تھی۔

”ہاں وہ بھی کمپلیٹ ہے پر آج ایک کلائنٹ تم سے ملنا چاہتا ہے۔“ جائزہ بھی آنے والے وقت کی باتیں کر رہی تھی اب۔

”سوری بیٹی! ابھی میں نہیں رک سکتی تم جانتی ہو ربان میرا انتظار کر رہا ہو گا اور میں اسے انتظار نہیں کر داسکتی ناراض ہو گیا تو مناتے مناتے ہفتہ لگ جائے گا اور تم جانتی ہو میری جان ہے وہ کیسے اسے ناراض کر سکتی ہوں اس لئے اب سب کچھ تم میج کر دو میں چلی.....“ وہ محبت بھرے لہجے میں کہتی نکل گئی۔

جائزہ بے اختیار اس کے عشق پر مسکرا دی جو وہ ربان سے کرتی تھی جس کے لئے وہ بے قرار تھی پھر سر جھٹک کر وہ کال کرنے لگی۔



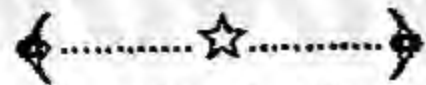
”آپ نے یہ سب طے تو کر لیا ہے پر اپنی اس تیاری کے بارے میں معصوب سے بھی کوئی رائے لی ہے کہ کیا کیا کیے پلان کریں ان کے پاس بہت یونٹک آؤٹڈ یاز ہوتے ہیں۔“ احد نیچے بیٹھا اپنے بالوں میں ماسے تیل کی مالش کر داتے ہوئے اپنی شادی کے تمام معاملات بھی ڈسکس کر رہا تھا۔

”بیٹا! اس کے پاس وقت ہی کب ہوتا ہے ہمارے لئے۔“ وہ افسردگی سے بولیں اپنے بڑے بیٹے کی لائف روٹین لے نہیں اندر تک دیکھی کیا ہوا تھا۔

”مما! آپ بے فکر ہیں معصوب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری شادی میں کوئی کوتاہی ہونے نہیں دے گا اور اپنا مارا دھیان دے گا وہ میری شادی کی تیاری میں۔“ اس نے ان کے ہاتھ تھام کر تسلی دی تھی اپنی ماں کا درد وہ بہت اچھی طرح سمجھتا تھا پر معصوب کا کرب بھی اس سے چھپا نہیں تھا۔
”انشاء اللہ۔“ انہوں نے بھی دعا کی۔

”تائی ای! ماما بلاری ہیں آپ کو اور آپ یہاں ہیں۔“ ایمین اپنی ہی دھن میں پلوتی آرہی تھی جب ہی احد کو بھی اہل دیکھ کر زبان کو بریک لگائی تھی جب سے شادی طے ہوئی تھی وہ اس سے چھپتی پھر رہی تھی۔

کراپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔



”کہاں ہوتے ہو یا ر! ابھی اس دن کہہ رہے تھے میری شادی میں یو راسا تھ دو گے اور اب گدھے کے سر سے سینک کی طرح غائب ہو گئے۔“ احد نے اسے آفس میں ہی ٹھیک ٹھاک سناؤالی مٹی دل کا شکوہ زبان تک آ گیا تھا۔

”احد! میں آفس بھی دیکھتا ہوں تم تو آج کل چھٹی پر ہو سب کچھ مجھے ہی سنبھالنا پڑ رہا ہے اس پر بھی تم مجھے ہی سنا رہے ہو سمجھنے کی کوشش کرو۔“ وہ سنجیدہ سے انداز میں بولا تو احد کو یکدم ہی اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔

”ہاں یہ بھی ہے۔“ وہ تھوڑا شرمندہ ہوا تھا۔

”اچھا یہ بتاؤ شاپنگ کہاں سے کرنی ہے تمہیں.....؟ میری بھی تو تم ہی کرو گے، ٹائم کو بیچ کر دشاوی کا میڈیو بھی ڈیسا نڈ نہیں ہوا ہے اب تک لگتا ہے کسی کو میری شادی کروانے کی فکر ہی نہیں ہے۔“ وہ مصنوعی غصے اور ناراضگی سے بولا تھا اپنی جون میں لوٹتے ہی اسے پھر اپنی شادی کی فکر لگ گئی تھی۔

”احد! ایسا کچھ نہیں ہے سب سنجیدہ ہیں تم ہی غیر سنجیدہ لگ رہے ہو ویڈنگ آرگنائزنگ نے خود ڈیسا نڈ کیا تھا ورنہ میں بھی بیچ کر سکتا تھا۔“ وہ اسے اس کی کوتاہی بتانے لگا اس کی شادی کے لئے اس کی نظر میں بہت سے آرگنائزنگ تھے پر اس نے یہ ذمہ داری خود ہی اپنے سر لے لی تھی اور اپنی پسند کی کمپنی کو ہار کیا تھا۔

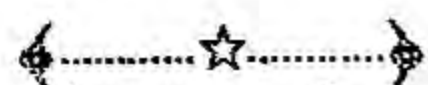
”ہاں پر وہ لوگ میٹنگ کا ٹائم فکس ہی نہیں کر رہے ان کی طرف سے ابھی تک کوئی جواب ہی نہیں آیا اور مجھے ان سے ہی ویڈنگ آرگنائزنگ کروانی ہے۔“ وہ منہ بنا کر بولا تو معصوب کے لبوں پر تبسم آ گیا اس کے بچوں کے سے انداز پر۔

”تم اور ایمن انہی سے کیوں اپنی ویڈنگ آرگنائزنگ کروانا چاہتے ہو جبکہ کراچی میں بیسٹ کمپنیز موجود ہیں اور اس کمپنی کی راج کو کراچی میں آئے 2 سال ہی ہوئے ہیں۔“ وہ واقعی تعجب میں تھا ان کی ضد کو لے کر جبکہ کراچی میں بہت بڑی کمپنیز موجود تھیں اس کا ایک دوست بھی یہی کام کرتا تھا اور کافی مشہور بھی تھا۔

”معصوب! تم نے دیکھا نہیں ہے وہ بہت اچھا کام کرتے ہیں اپنا نیت جھلکتی ہے ان کے کام سے میرے دوست کی ویڈنگ انہوں نے ہی آرگنائزنگ کی تھی اور تب میں نے یہ ڈیسا نڈ کر لیا تھا کہ ہم انہی سے اپنی ویڈنگ آرگنائزنگ کروائیں گے۔“ معصوب اس جواز پر کافی ویر تک مسکراتا رہا تھا وہ ان دونوں کو جانتا تھا بہت ہی ضدی تھے پر کچھ خاص ضرورت تھا جو دونوں کی منظور نظر ایک جگہ ٹھہری تھی۔

”ٹھیک ہے تم ابھی جاؤ میں میٹنگ فکس کر کے خود بات کر لوں گا وہ ہی تمہاری ویڈنگ آرگنائزنگ کریں گے۔“ معصوب نے حتی انداز میں کہا تھا اپنے بھائی کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اپنے رشتوں کے لئے وہ انتہا پسند تھا۔

”اوکے پھر میں چلا۔“ وہ بھی مطمئن ہو کر چلا گیا تو معصوب نے اپنی سیکریٹری سے کہہ کر میٹنگ فکس کروالی اور اپنے کام میں لگ گیا وہ کافی عجیب تھا ایک روبوٹ جیسا پر شاید اس سے بھی زیادہ پتھر جس پر کوئی اثر نہیں ہوتا یا شاید اس کے جذبات ہی برف کی سل کی طرح تھے۔



”ربان پلیز! آج آپ بیچ کر لو میں کل کا پروگرام سیٹ کر لوں گی آج میری بہت اہم ورکنٹ میٹنگ ہے۔“ وہ ٹوفون پر بات کر رہی تھی اور جاز بہ مسکراتی تھی اس نے لائن کاٹ کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تو موالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”تم اتنی ہی عمر میں کتنا کچھ کر رہی ہو میں بہت حیران ہو جاتی ہوں پھر تمہیں دیکھ کر تسلی کرتی ہوں تم جیسے لوگ بھی دنیا

”ہاں میں آرہی ہوں فاطمہ کو بھی گھبراہٹ ہو رہی ہوگی۔“ وہ بھی اپنی دیورانی کے پاس چلی گئیں۔ ایمن ان کی بہت سی تھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد اور ان کی ہونے والی بہو اور اس کی والدہ بہت جلد گھبرا جاتی تھیں دونوں دیورانی جیٹھانی میں بہت پیار تھا۔

”لوگوں کو تو آج کل پردے میں ہونا چاہئے۔“ احد نے موقع دیکھتے ہی اسے جالیا تھا اور بہت دلچسپ نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

”وہ میں احد..... دیکھو پلیز..... مجھے تنگ مت کرو ورنہ معصوب بھائی کو شکایت کر دوں گی۔“ وہ پہلے گھبرائی پھر فوراً پر اعتماد بن کر بولی تھی۔

”اچھا کیا کہو گی کہ تمہارا ہونے والا شو ہر تمہیں تنگ کر رہا ہے۔“ بہت ہی شریر لہجہ تھا اس کا وہ کٹ کر رہ گئی تھی حجاب سے ایک نظر اسے دیکھ کر واپس نظر جھکا گئی تھی۔

”تم! میں! تمہیں دیکھ لوں گی۔“ وہ غصہ میں بولی تھی۔

”ابھی دیکھ لو..... میں نے تو ابھی بھی کوئی پابندی نہیں لگائی تم ہی پابندی لگاتی ہو ورنہ دل تو اپنی محبت کے بنارہ ہی نہیں سکتا اور تم ہو کہ.....“ وہ ٹھنڈی آہ بھر کے بولا تھا اور ایمن نے اسے کافی بے بسی سے دیکھا تھا۔

”ہونہہ..... محبت، ساری محبت شادی کے چار دن بعد ہی رفو چکر ہو جائے گی سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔“ وہ تسخرازا کر بولی تھی۔ وہ اس کی محبت کو جانتی تھی پھر بھی مذاق کر گئی تھی احد شکوہ کنال نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا ایمن کو یکدم شرمندگی ہوئی تھی اپنے الفاظوں پر۔

”احد! آئی ایم سوری..... میں مذاق میں کہہ گئی تھی پر پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ..... ہم ایسے نہیں مل سکتے مجھے اچھا نہیں لگ رہا مجھے ہماری شادی میں چارم چاہئے۔“ وہ اس سے دل کی بات کہہ کر اسے سمجھانے لگی۔

”تو یار! جدائی سے کیا چارم آئے گا۔“ وہ اس کی منطق ہی نہیں سمجھ پایا تھا بھی تنگ کر بولا۔

”احد! کہتے ہیں جدائی کے بعد کا جو ملن ہوتا ہے اس کا چارم ہی الگ ہوتا ہے اور میں ان فیلنگز کو انجوائے کرنا چاہتی ہوں اس لئے پلیز تم سمجھو۔“ وہ اسے سمجھانے کے بعد تہیہ کرنے لگی تو وہ اس کے الفاظوں میں محبت کی چمک دیکھ کر مسکرا دیا۔

”تم نے تو فلسفہ ہی شروع کر دیا۔“ وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ اسے گھور کر بولی تھی اور وہ کھل کر مسکرا دیا تھا۔

”اچھا جناب! پھر کیسی بات ہے۔“ وہ مسلسل شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”احد پلیز! تم میرے جذبات کو سمجھتے کیوں نہیں ہو۔“ وہ اس کی پیغام دیتی نگاہوں سے زبردس ہو رہی تھی تبھی عاجزی سے بولی۔

”میں تمہارے جذبات کو سمجھتا بھی ہوں اور قدر بھی کرتا ہوں۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر کافی میٹھی مسکان کے ساتھ بولا تھا۔ ایمن نے چونک کر اسے دیکھا تھا اس کے لہجے کی سچائی اور آنکھوں کی محبت نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

”تم کو تنگ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے پر اب تمہاری خواہش کی قدر کرنا میرا فرض ہے اس لئے اب میں تمہاری اس کوشش میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔“ وہ محبت بھرے لہجے میں بولتا کہیں سے بھی وہ لا پرواہ سا احد نہیں لگتا تھا ایمن نے بہت محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا اور آگے بڑھ گئی تھی۔

”تھینکس.....“ وہ جاتے جاتے یکدم پلٹ کر اس سے بولی تھی اوہ چپچپا۔ سے آگے بڑھ گئی تھی احد اس کی ادا پر مسکرا

جی پر آپ....." ایمن اس کے نام لینے پر بولی اس کی نگاہ میں کوئی آشنائی نہیں تھی پر اس کے لہجے میں ایک نرمی تھی۔

"میں آپ کی ویڈیو آرگنائزر ہوں مکان۔" وہ اپنا تعارف کر دیا بولی۔

"رہتی.....؟" وہ خوش ہو گئی تھی۔

"جی میں بھی میٹنگ کے لئے آپ کے گھر ہی جا رہی تھی۔" وہ کافی مستعدی سے گاڑی چلاتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ تو اچھا ہوا جو مجھے تم مل گئیں اب میں آرام سے تمہیں راستے میں اپنے پروگرام کی سیٹنگ بتا دوں گی۔" وہ پر جوش ہو کر بولی۔ مکان اس کے اتنی جلدی بے تکلف ہونے پر حیران تھی پر اپنی حیرانی جھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ضرورت مجھے بتا دو میں کوشش کروں گی کہ تمہاری خواہشات کو پورا کر سکوں۔" وہ خلوص دل سے بولی تھی اور ایمن کو جانے کیوں یہ لڑکی بہت پیاری لگی۔

"تھینکس....." میں نے اور احد نے آپ کی آرگنائزر کی ہوئی شادی اینڈ کی تھی اور ہم نے تب ہی ڈیپریڈ کر لیا تھا کہ ہم بھی اپنی شادی آپ کی کمپنی سے آرگنائزر کروائیں گے۔" وہ کافی باتونی تھی اس لئے بولتی ہی جا رہی تھی احد کے نام پر مکان نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"احد میرے ہونے والے مسیڈ ہیں۔" ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولی تھی اور جانے کیوں مکان کو وہ اس بل بہت حسین لگی تھی۔

"اوہ..... اوکے....." مکان نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا پھر تمام راستے وہ اپنی مرضی بتاتی گئی تھی اور ایمن کافی غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"ہاں معصوب۔ تم نے ٹائمنگ تو یہی سیٹ کئے تھے ٹائمنگ کے.....؟" احد چکر پر چکر کاٹ رہا تھا پر مکان ابھی تک پہنچی نہیں تھی۔

"میری سیکرٹری نے ٹائم لیا تھا چھ بجے کا اور ابھی پورے پندرہ منٹ باقی ہیں احد۔" وہ اس کی جلد بازی پر اسے ٹوک کر بولا تھا احد بھی جھل ہو گیا تھا۔

"اچھا....." وہ منہ سے کر بولا تھا پھر داخلی دروازے کو دیکھنے لگا تھا۔

"ویسے اس کمپنی کے اوڈر کا نام کیا ہے.....؟" معصوب فائل میں کام کرتے ہوئے معروف انداز میں بولا تھا وہ اس کمپنی کے بارے میں کچھ خاص نہیں جانتا تھا۔

"اوڈر کا نام مکان ہے۔" وہ راہداریوں میں دیکھتا ہوا بولا تو ایک بل کے لئے معصوب کے ہاتھوں میں پین لرز اٹھا تھا چہرے پر سرخی آ گئی تھی۔

"اچھا....." وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو احد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اس کی طرف بڑھا اس سے پہلے وہ کچھ کہتا ایمن اور مکان کو آتا دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا ایمن تو اسے دیکھتے ہی غائب ہو گئی تو وہ مسکرا دیا پھر خوشی اور جوش سے مکان کی طرف بڑھا تھا۔

"ہیلو مس مکان۔ میرا نام احد چغتائی ہے اور مابعدت کی ہی شادی آپ کو آرگنائزر کرنی ہے۔" احد کافی شوخ تھا اس لئے اس کو دیکھتے ہی شروع ہو گیا۔

"ہیلو..... مجھے بہت خوشی ہو گئی آپ کی شادی آرگنائزر کر کے۔" وہ بولی تھی اور معصوب جیسے زلزلوں کے جھٹکے کی زد

میں ہوتے ہیں مضبوط دل۔" وہ سانس سے بولی تو وہ اس کی تعریف پر مسکرا دی تھی۔

"جائزہ! اللہ کی بہترین نعمت ایک مخلص دوست ہوتا ہے اور میں اس معاملے میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے تم جیسی اور تیور جیسا اچھا دوست ملا۔" وہ اس کو مشکور نظروں سے دیکھنے لگی تھی وہ جائزہ کی دل سے مشکور تھی۔

"مگر سچ میں تم واقعی حیران کن ہو تمہاری قابلیت اور ایسی ٹھٹھ لائف دیکھ کر میں کافی حیران ہوں۔" وہ واقعی اس سے محبت کرتی تھی اور اس کی کیئر بھی۔

"کامیابی کا سب سے بڑا از خود اعتمادی ہے اگر آپ قابل ہیں تو کامیابی خود آپ کے قدم چومے گی۔" وہ سنجیدگی سے مسکرا کر بولی تو جائزہ اسے دیکھنے لگی پہلے والی مکان اور اب کی مکان میں واقعی بہت فرق تھا ایک واضح فرق۔

"میری تو یہی دعا ہے کہ تم ایک روشن زندگی گزارو۔" وہ صدق دل سے بولی تھی اور جانے کیوں مکان کی آنکھوں میں کرب سمٹ آیا تھا۔

"زندگی کسی سے اوجھار نہیں لی جاتی اسے خود اپنے اندر روشن کرنا پڑتا ہے۔" وہ بردباری سے بولی تھی پر لہجے کی لڑکھٹاہٹ واضح تھی۔

"اپنی دے..... تم نے میٹنگ کے ٹائمنگ کنفرم تو کر لئے ہیں ماسٹر چغتائی کے میں لیٹ نہیں ہونا چاہتی گھر بھی جلدی جانا ہے۔" وہ مصروف انداز میں ٹاپک بدل گئی تھی خود کو اذیت دینا بہت آسان ہوتا ہے پر اس سے نجات مشکل۔

"ہاں..... چیک کر لیا ہے شام چھ بجے اور رہاں کیا ہے.....؟ تم سے تو غصہ ہی رہتا ہوگا۔" وہ انفارمیشن دینے کے بعد اس سے رہاں کی بات کرنے لگی۔

"ہاں..... ٹائم جونہیں دیتی ہوں اسے..... غصہ تو ناک پر رہتا ہے انتہا کا جذباتی ہے میں چلتی ہوں وہ دیت کر رہا ہوگا پھر میٹنگ کے لئے دو گھنٹے بعد نکل جاؤں گی باقی سب تم ہیج کر لیتا۔" وہ جھلٹ میں کہتی گھر کے لئے نکل گئی تھی کیونکہ رہاں کی ناراضگی وہ افرورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ گاڑی کو بہت تیزی سے دوڑا رہی تھی جب کسی نے اس سے لفٹ مانگی اس لڑکی کو کافی ڈرامہ سہا دیکھ کر اس نے گاڑی روک دی وہ لڑکی فوراً اس کے پاس آ گئی یہ روڈ کافی سنسان تھی وہ گاڑی روکنا نہیں چاہتی تھی پر اس لڑکی کا ڈرامہ سہا انداز دیکھ کر روک دی تھی۔

"پلیز ہیلپ می..... میری گاڑی خراب ہو گئی ہے اور یہ راستہ بھی کافی سنسان ہے۔" وہ مدد طلب نظروں سے بولی تھی لہجہ بھی کافی گھبرایا ہوا تھا شام کے سائے اپنے پر پھیلا رہے تھے۔

"آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔" وہ خوش دلی سے بولی تو وہ بھی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور سکھ کا سانس لیا تھا تھینکس.....

"وہ مشکور تھی واقعی اس سنسان راستے پر کسی لڑکی کا اکیلا ہونا خطرے سے کم نہیں تھا۔

"ہیلو..... میرا نام مکان ہے اور تم.....؟" وہ مسکرائی تھی اور اس کا ڈرامہ کرنے کو بات کا آغاز کیا تھا۔

"میرا نام ایمن ہے۔" وہ بھی پہلی بار مسکرائی تھی شاید مکان اپنی کوشش میں کامیاب ٹھہری تھی۔

"آپ کو کہاں جانا ہے.....؟" اس نے سوال کیا۔

"مجھے اس ایڈریس پر جانا ہے۔" اس نے اپنا کارڈ دیا تو مکان حیران رہ گئی چغتائی کل کا کارڈ دیکھ کر۔

"آپ مسٹر چغتائی کی بیٹی ایمن ہیں۔" وہ کافی دلچسپی سے اب اسے دیکھ رہی تھی۔

”مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھو! میں کیا کروں۔۔۔۔۔؟“ وہ رونے کے بعد اب جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی، تھو نے کافی دیر تک اسے دیکھا تھا۔

”جھنجھلاہٹ کا سب سے موثر علاج ایک دوست ہوتا ہے جس پر چیخنے چلانے کے بعد آپ اس کی گود میں سر رکھ کر رو سکیں، تم دوسرا کام رونا تو کر چکی ہو ہاں اگر پہلا کام یعنی چیخنا چلانا بھی کرنا چاہتی ہو تو کر سکتی ہو پر پلیز پہلے مجھے کاٹن دے دو میں اپنے کان بند کر لوں، کہیں سر میں درد نہ ہو جائے۔“ وہ سنجیدگی سے کہتے کہتے بات کو مزاح کا رنگ دے گیا تا کہ وہ ہلکی پھلکی ہو جائے تو وہ مسکرا دی تھی، آج اسی کی وجہ سے ہی وہ زندگی کی طرف لوٹی تھی۔

”تم بہت اچھے دوست ہو تھو! میں واقعی بہت ٹینشن میں تھی پر تم نے سارے ماحول کو بدل دیا کوئی صحیح کہتا ہے ان دوستوں کی عزت کرو جو اپنے مصروف وقت میں سے کچھ لمحے نکال کر تمہیں دیتے ہیں پر ان دوستوں سے محبت کرو جو اپنی مصروفیات کو ترک کر کے آپ کے پاس ضرورت کے وقت موجود ہوں اور تم انہی میں سے ایک ہو۔“ وہ سچائی سے بولی تھی اس کی آنکھوں میں ایک عقیدت تھی۔

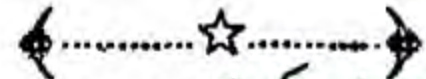
”تو پھر کرتی ہونا مجھ سے محبت۔۔۔۔۔؟“ وہ شرارت سے پوچھنے لگا پر باہر کھڑا معصوب اس کی بات سن کر ہی لال ہو گیا، وہ مسکان سے بات کرنے آیا تھا پر یہ جملہ سن کر باہر ہی رک گیا تھا جواب سننے کے لئے ایک بار پھر رشک کے دروازے ڈا ہوئے تھے۔

”ہاں بہت بے انتہا۔“ وہ بھی شریر لہجے میں بولی تو معصوب باہر سے ہی پلٹ گیا، وہ واقعی بہت بدل گئی تھی شاید اس کے لئے پر اس کی دنیا بھی بدل گئی تھی۔

”اچھا میں چلتا ہوں کوئی اور بات تو نہیں ہے نا۔“ وہ تسلی کے لئے پوچھ بیٹھا تھا اپنی اتنی عزیز ہستی کو وہ کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”نہیں اب کوئی بات نہیں ہے پر میں واقعی معصوب کو مسٹر چغتائی کی فیملی کا ممبر دیکھ کر حیران تھی وہ بالکل نہیں بدلا ہے ویسا ہی ہے کھنور سنگدل اور بے حس۔“ آنکھوں میں اب بھی کچھ کی تھی تھو نورانو کوک گیا۔

”اوں ہوں۔۔۔۔۔ اب نہیں تمہیں پتہ ہے مسکان ایک چڑیا کی طرح ہوتی ہے جس کی چھبھاہٹ ہمارے کانوں کو بہت بھلی لگتی ہے اور مجھے لگتا ہے تمہارے ہونٹ ان کا بہترین گھر وعا ہیں اس لئے مسکراتی رہا کر دیکھیں۔۔۔۔۔“ وہ تاکید کر کے چلا گیا تو وہ مسکرا دی اور کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔



وہ اس محل میں آگئی تھی جہاں اسے ساری تیاریوں کو ڈسکس کرنا تھا دو دن بعد سنگیت تھا اور اسے ساری تیاری آج ہی سے شروع کرنی تھی وہ واقعی محل تھا وہ حیران تھی۔ گاڑی پارک کر کے راہداری میں ہی اسے امدل گیا تھا، وہ اسے دیکھ کر مسکرا دی تھی فارملی وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

”ہیلو مسکان۔۔۔۔۔“

”ہیلو۔۔۔۔۔“

”سچ اچھا ہوا آپ جلدی آگئیں مجھے تو ٹینشن ہو گئی تھی کہیں میری شادی کی ساری پلاننگ دھری کی دھری ہی نہ رہ جائے۔“ وہ مسکینی سے بولا۔

”آپ بے فکر ہیں میں آپ کی شادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گی سب پر فیکٹ ہوگا۔“ ہلکا سا تبسم چہرے پر سجائے وہ بہت پردیش لگ رہی تھی معصوب دور سے یہ سب دیکھ رہا تھا وہ چھوٹی لڑکی کتنی پر اعتماد تھی یا پھر شاید صرف

میں آگیا تھا یہ آواز تو معصوب لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا، بے ساختہ ہی نظر اٹھی تھی پھر پلٹنے سے ہی انکاری ہو گئی تھی وہ وہی تھی کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا اس میں، بس کچھ تبدیلیاں آگئی تھیں، وہ وہی دشمن جان تھی۔

”مجھے بھی اتنی ہی خوشی ہوگی ویسے ان سے ملنے یہ میرے بڑے بھائی ہیں معصوب چغتائی، آپ تمام امور ان کے ساتھ طے کر لیں جب تک میں می کو بلا کر لاتا ہوں۔“ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا پر مسکان وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی تھی پھر ہر تاثر کو زائل کر کے آگے بڑھی تھی اور اس کے مد مقابل بیٹھ گئی اور کافی اعتماد سے اسے دیکھا تھا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ تو آپ ہیں مس مسکان جو اس کمپنی کو چلاتی ہیں۔“ کچھ تلخ منظر یاد آئے تھے لہجہ بہت کاٹ دار تھا آنکھوں میں بھی طنز کا ایک خاص تاثر تھا، وہ کافی حیران تھا پر اس کو سب سے زیادہ حیران اس کا اجنبی بننا لگ رہا تھا، مسکان نے کافی بے تاثر انداز سے اسے دیکھا تھا۔

”جی میں ہوں مسکان جو اس کمپنی کو چار رہی ہوں۔“ وہ پر اعتماد اور کافی سرد لہجے میں بولی تھی۔

”کافی نام سنا ہے آپ کا“ کافی کامیاب ہیں آپ۔“ وہ پھر طنز کر گیا تھا۔ مسکان نے کافی ناگوار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”اللہ کا کرم ہے جو اس نے مجھے اس قابل بنایا کہ آپ جیسا بندہ جو دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے مجھے جانتا ہے۔“ وہ بھی اب کے طنز سے بولی تھی اور معصوب اس کی خود اعتمادی پر حیران ہو گیا تھا۔

”آپ بھولی کب تھیں مس مسکان مجھے جو آپ کو نہ جاننے کا دعویٰ کرتا۔“ اب کے لہجے میں کافی تشویش اور شعلے کی لپک تھی وہ پانچ سال جس آگ میں جلا تھا سامنے والے کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ بھی اس آگ میں جلا ہوگا اور یہی بات اس کی خود پسند طبیعت کو پسند نہیں آ رہی تھی۔

”بھول جانا بہتر ہوتا ہے مسٹر معصوب! عذاب مسلسل ختم ہو جاتا ہے۔“ وہ کافی تلخی سے بولی تھی اور معصوب اس کے لہجے کی خود سری پر کھول کر رہ گیا تھا۔

”کافی قابلوں والی باتیں کرنے لگی ہیں آپ۔۔۔۔۔ گڈ چیج۔“ وہ کافی تمسخرانہ انداز سے بولا تھا اور مسکان نے اسے دیکھ کر نگاہ کا زادیہ بدل لیا تھا۔

”قابلیت کبھی چھپی نہیں رہ سکتی، میرا خیال ہے ہمیں ضروری باتیں طے کر لینی چاہئیں اس شادی کو لے کر مسز چغتائی بھی آگئی ہیں۔“ وہ مسز چغتائی کو دیکھ کر بولی وہ اسی طرف آ رہی تھیں تو معصوب انہیں دیکھ کر چپ ہو گیا، ورنہ اس کے اندر ایک لاوا پھٹنے کو تیار تھا وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا پر سب کچھ چھوڑ کر باہر نکل گیا، تو مسکان بھی سکھ کا سانس لے کر بیٹھی پر اپنے دل سے آنکھ نہیں چرا سکی تھی۔



”تم نے مجھے کیا اپنی شکل دیکھنے کے لئے بلایا ہے لڑکی! کچھ بولو گی بھی آخر بات کیا ہے۔۔۔۔۔؟ مسکان آج تم بہت تھکی تھکی سی لگ رہی ہو۔“ تھو اس کے بلانے پر آیا تھا صبح ہی صبح اور وہ آفس میں بہت ادا اس تھی تھو اس کا بہترین دوست تھا اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر حیران رہ گیا تو پوچھا اس کے پوچھنے پر وہ مسکرا دی تھی۔

وہ اس کو ساری بات جو اس کے اور معصوب کے بیچ ہوئی تھی بتا کر آخر میں ردی تو تھو اسے چپ کروانے لگا یہ لڑکی اسے بہت عزیز تھی۔

”مصیبت کے وقت آنسو بہانا بزدلی ہے خاموشی اور سوچ بڑی سے بڑی مشکل سلجھا دیتی ہے۔“ وہ تسلی دے کر بولا تو وہ چپ ہو گئی پردل میں ابھی بھی بہت غبار تھا، اندر جیسے ایک آتش فشاں تھا، اس کا اضطراب کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

لگ رہی تھی۔

”ہیٹلنگس“ کہ آپ کو میرا خیال ہے در نہ اور لوگوں کو تو میرا خیال ہی نہیں ہے وعدہ کر کے مکر جاتے ہیں کیوں مسکان جی..... آپ کا کیا خیال ہے وعدہ خلافی کے بارے میں.....؟“ احد نے معصوب کو آتا دیکھ کر طنز کیا تو وہ نظر چرا گیا۔

”ہاں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں انسان کو ایسا کام کرنا ہی نہیں چاہئے کہ وہ لوگوں سے اور لوگ اس سے نظر چرائیں۔“ لہجہ خاص طنز لئے ہوئے تھا چوت اس پر کی گئی تھی وہ سگ کر رہ گیا تھا۔

”ارے واہ مسکان جی! آپ تو کافی تجربے والی باتیں کرتی ہیں۔“ احد اس کی ذہانت پر اور برجستہ جواب پر کافی حیرت زدہ تھا فوراً ستائش سے بولا۔

”تجربہ مفت میں ملنے والی چیز نہیں اس کے لئے اک وقت اور عمر گنوانی پڑتی ہے۔“ وہ رسائیت سے بولی معصوب نے غور سے اسے دیکھا تھا وہ بہت سنجیدہ تھی۔

”آپ واقعی بہت سمجھدار ہیں مجھے آپ سے دوستی کرنی چاہئے کچھ تو فائدہ ہوگا۔“ وہ معصوب کو جان بوجھ کر انور کر رہا تھا اپنی خفگی ظاہر کر رہا تھا۔

”زندگی میں مفاد کے لئے کبھی دوستی مت کیجئے گا اکیلے رہ جائیں گے میرے خیال میں ہم سنگیت کا فنکشن ڈسکس کر لیتے ہیں۔“ وہ مد سے پر آئی تھی اس خاندان سے زیادہ دوستی وہ انور ڈسکس کر سکتی تھی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ میرے ارادے تو بہت سے ہیں اس فنکشن کو لے کر پر پتہ نہیں وقت ہے کہ نہیں۔“ احد کچھ شکش میں تھا معصوب بھی خاموش تماشا بنی بنا دیکھ رہا تھا اس درمیان وہ ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔

”جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے آپ بے فکر رہیں سب ہو جائے گا۔“ وہ مسکرا کر اسے تسلی دے رہی تھی اور ساتھ میں اپنے آپ پر اپنا اعتماد بھی ظاہر کر رہی تھی۔

”میرے خیال میں معصوب! تم یہاں میرے فنکشن کو ڈسکس کرنے آئے تھے اور ابھی تک چپ ہو کچھ تو شرمندہ ہو جاؤ۔“ وہ اسے شرم دلار ہاتھ کافی دیر اس کے بولنے کا انتظار کر کے وہ خود ہی جھنجھلا کر بولا تھا۔

”تم مجھ سے کچھ پوچھ رہے ہو کیا.....؟ شاید تم کو مجھ پر اب بھروسہ نہیں رہا ہے۔“ وہ سنجیدگی سے پہلی بار بولا تو مسکان کو لگا جیسے اس کا سارا اعتماد متزلزل ہو جائے گا۔

”ہاں یہ تو ہے تم ارادہ ہی اتنی جلدی بدلتے ہو اتنے شدت پسند ہو کہ بھروسہ وہ بھی اپنی شادی کے لئے میں تم پر قطعی نہیں کر سکتا اور اس بات پر مسکان جی میرا ہی ساتھ دیں گی کیوں مسکان جی.....؟“ احد نے مسکان کو بھی گھسیٹا تو وہ کچھ بے زار ہو گئی پھر فارل انداز میں مسکرا کر گویا ہوئی۔

”میں ان کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی پر میرا ایک اصول ہے اگر کسی پر بھروسہ کرو تو آخر تک کرو نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے آخر میں یا تو آپ کو ایک اچھا دوست ملے گا یا پھر ایک سبق.....“ وہ بہت پردہ بار لگ رہی تھی پر ان لفظوں میں ایک گہرا طنز تھا۔

”ارے واہ مسکان جی! آپ تو مجھے قدم قدم پر حیران کر رہی ہیں۔“ احد داد دے کر بولا تھا پر معصوب کے چہرے پر تناؤ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

”ایکسکوز می..... مجھے ایمن کے پاس جانا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تو وہ اس کی پشت دیکھ کر رہ گیا۔ پانچ سال اپنے ساتھ بہت سے موسم ہی نہیں انسانوں کو بھی بدل گیا تھا وہ بہت تمکنت اور وقار سے چلتی ہوئی اور پر کی طرف بڑھ گئی تھی پر اپنے پیچھے چند الفاظ جیسے چھوڑ گئی تھی جو دماغ میں بازگشت کر رہے تھے۔

”ایکسکوز می..... مجھے ایمن کے پاس جانا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تو وہ اس کی پشت دیکھ کر رہ گیا۔ پانچ سال اپنے ساتھ بہت سے موسم ہی نہیں انسانوں کو بھی بدل گیا تھا وہ بہت تمکنت اور وقار سے چلتی ہوئی اور پر کی طرف بڑھ گئی تھی پر اپنے پیچھے چند الفاظ جیسے چھوڑ گئی تھی جو دماغ میں بازگشت کر رہے تھے۔

”ایکسکوز می..... مجھے ایمن کے پاس جانا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تو وہ اس کی پشت دیکھ کر رہ گیا۔ پانچ سال اپنے ساتھ بہت سے موسم ہی نہیں انسانوں کو بھی بدل گیا تھا وہ بہت تمکنت اور وقار سے چلتی ہوئی اور پر کی طرف بڑھ گئی تھی پر اپنے پیچھے چند الفاظ جیسے چھوڑ گئی تھی جو دماغ میں بازگشت کر رہے تھے۔

”وہ آج بھی ویسا ہی ہے تیمور! نہ اسے کوئی پشیمانی ہے نہ ہی اس کو اپنے کئے پر شرمندگی وہ بالکل نہیں بدلا پر شاید کچھ اور غرور اور تکبر ضرور آ گیا ہے اس میں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تو مجھے کیوں اتنا فرق پڑتا ہے۔“ وہ تیمور کے سامنے آج پھر اپنا حال دل بیان کر رہی تھی اس کا دماغ انتشار کا شکار تھا وہ طوفانوں میں گھری ہوئی تھی اور اپنے آپ کو پرسکون کرنے کے جتن کر رہی تھی۔

”پھولوں کی طرح مسکراؤ مسکان! کیونکہ پھول مسکراتے اچھے لگتے ہیں تم خود پر کسی چیز کا اثر مت لڑا اپنے کام پر نوکس کرو بس۔“ وہ اسے اس حال میں دیکھ کر خود بھی اذیت میں آ جاتا تھا وہ خود کو اس کی حالت کا ذمہ دار سمجھتا تھا اس لئے اسے سمجھاتا ہوا بولا تو وہ کئی سے مسکرا دی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

”میں کیسے مسکراؤ تیمور! وہ شخص اتنے زخم دینے کے بعد بھی کتنا پرسکون ہے اور میں بے گناہ ہوتے ہوئے بھی آگ کی لپٹوں میں ہوں۔“ واقعی شعلوں کی سی پیش تھی اس کے لہجے میں پر اس پیش میں بھی ایک کرب تھا جو چھپائے نہیں چھپ رہا تھا۔

”مسکان! ہمیشہ ان زخموں کو بھول جاؤ جو تم کو دوسروں نے دیئے ہیں صرف ان زخموں کو یاد رکھو جو تمہارے باعث دوسروں کو ملتے ہیں تاکہ تم یہ یاد رکھ سکو کہ زخم تمہیں ملے یا تمہارے باعث دوسروں کو اذیت ایک ہی ہوتی ہے۔“ وہ بہت پیچیدہ باتیں کرتا تھا مسکان مسکرا دی۔

”تیمور! تم واقعی ایک بہت اچھے اور مخلص دوست ہو میں صرف یہ سوچتی ہوں کہ تمہاری اتنی محبتوں کا قرض کیسے چکا پاؤں گی۔“ وہ اسے بل میں ہرٹمنشن سے آزاد کر دیتا تھا پر اس بل کی اضطرانی کیفیت مٹائے نہیں مٹ رہی تھی۔

”دوستوں کو محبت کا قرض دیتے رہو مگر واپسی کی طلب مت رکھو کیونکہ لیکن دین صرف سودوں میں ہوتا ہے رشتوں میں نہیں۔“ وہ سخت لہجے میں بادر کرا کے بولا تھا مصنوعی خفگی لہجے میں عیاں تھی۔

”جی باس۔“ وہ بھی سرخم کر کے بولی تھی بلکی سی مسکراہٹ لبوں پر تھی۔

”یہ بتاؤ رہاں کہاں ہے؟ کافی دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔“ وہ اپنے ٹاپک پر آیا تھا جس کے لئے یہاں آیا تھا۔

”وہ اپنے دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں گیا ہے تم یہ بتاؤ چائے پیو گے یا کافی۔“ وہ میز بانی پر آئی تھی۔

”کافی.....“ وہ قریائش کر کے بولا تو وہ کچن میں چل دی سنگیت کا فنکشن کل تھا ساری تیاری مکمل تھی پر وہ پھر بھی تھوڑی نزو تھی۔



وہ جب سے آئی تھی مسلسل معصوب کی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی پر اسے مکمل طور پر نظر انداز کر کے اپنے کام کر رہی تھی وہ اپنے کام سے مکمل طور پر مطمئن تھی ساری تیاریاں پرفیکٹ تھیں پر شاید مسز چغتائی جو احد کی ممتا تھیں بہت زیادہ نزو ہو رہی تھیں اس لئے بار بار پوچھ رہی تھیں۔

”مسکان بیٹا! ساری تیاری مکمل ہے نا.....؟“ وہ کافی کانٹھس ہو رہی تھیں۔

”جی آئی! سب ریڈی ہے آپ ٹمنشن نہ لیں۔“ وہ تسلی دینے والے انداز میں بولی۔

”بے فکر کیسے رہوں بیٹا! اس خاندان کی پہلی شادی ہے اور دونوں طرف کی ذمہ داری ہمیں ہی نبھانی ہے ایمن کی اور اس کی ماں کی ذمہ داری بھی ہماری ہے جب ایمن کے ابو کا انتقال ہوا تھا وہ بہت چھوٹی تھی فاطمہ کو تو اپنا ہی ہوش نہیں تھا ایمن کو اولاد کی طرح چاہا ہے میں نے۔“ وہ کافی ایموشنل ہو رہی تھیں شاید ایک لڑکی کی شادی کافی

جذباتی مناظر کی عکاسی ہوتی ہے۔

”آئی! بے فکر ہو جائیں سب کچھ پر فیکٹ ہے۔“ وہ ایک بار پھر ان کا ہاتھ تھام کر بولی وہ معصوب کو مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی شاید وہ اپنے آپ کو پرسکون ہی رکھنا چاہتی تھی سنگیت شروع ہو گیا تھا۔

”میں ایمین کو لے کر آتی ہوں۔“ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھی ہی تھی کہ اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا تو معصوب کو دیکھ کر ششدر رہ گئی بہت طنز یہ مسکراہٹ سجائے وہ اسی کو دیکھ رہا تھا وہ لان کی طرف بڑھ گئی تھی آنکھوں میں دھند کی دیواری آگئی تھی وہ لان میں آگئی تھی دو آنسو ٹوٹ کر گال پر بہہ نکلے تھے وہ خود کو کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی پر ہور ہی تھی۔

”مسکان.....“ ایک مدہم سی سرگوشی اس نے پلٹ کر دیکھا تھا وہ وہی تھا شہزادوں کی آن بان لئے اس کے مقابل کھڑا تھا۔

”کیا ہوا..... مجھے پہچانا نہیں کیا.....؟ اتنی جلدی بھول گئی ہو مجھے۔“ وہ تسخراڑا کر بولا تو وہ چپ سی ہو گئی پھر تلخی سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”کبھی ملے تھے چہرے گلاب کی مانند

انہی کی یاد ہے دل میں عذاب کی مانند“

وہ بہت گہرا طعنہ دے گئی تھی معصوب کا چہرہ پل میں سرخ ہوا تھا اسے کندھوں سے تھام کر خود کے قریب کیا تھا یہ اس کی جنون خیزی ہی تھی وہ واقعی بہت شدت پسند تھا اسے اپنا انور کئے جانا بھی قطعاً پسند نہیں تھا انسانی فطرت ہوتی ہے خود

انور کرنا ان کا غرور ہوتا ہے پر خود انور ہونا ان کی غیرت پر تازیانہ ہوتا ہے۔

”تم سمجھتی کیا ہو خود کو.....؟ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی پرسکون ہو اور میری زندگی عذاب کر دی ہے ایک پل سکون میسر نہیں آیا ہے مجھے ان پانچ سالوں میں اور تم تو جیسے بالکل پرسکون ہو گئی ہو ایک جھیل کی مانند.....“ وہ اپنا غصہ اپنا جنون اس پر واضح کر رہا تھا اس کی پرسکون آنکھوں میں طغیانی دیکھنا چاہتا تھا۔

”دوسروں پر انگلی تب اٹھانی چاہئے جب خود میں کوئی برائی نہ ہو بے عیب انسان تلاش کرتے کرتے انسان خود اکیلا رہ جاتا ہے اس لئے مسٹر معصوب جہاں زیب چغتائی! مجھ سے سوال کرنے سے پہلے جواب اپنے اندر تلاش کریں۔“ وہ اپنا آپ چھڑا کر اس پر بھر پڑی تھی۔

”ہاں جواب تو واقعی مجھے اپنے اندر سے ہی لینا چاہئے پر تم ان سوالوں کو کیوں نہیں پوچھتی ہو جن کا جواب مجھے خود سے لینا چاہئے۔“ وہ آج شاید سب الزام اسے دینے کے درپے تھا۔

وہ بہت کچھ کہنے کی تمنا میں بھی کچھ نہ کہہ پائی تھی اور معصوب نے اسے بہت عجیب نظروں سے دیکھا تھا شاید حیرانگی تھی یا پھر کوئی اور تاثر وہ سمجھنے کی حالت میں نہیں تھی۔

”تم آ خرچ کو مان کیوں نہیں لیتی ہو کہ بے وفائی کی مرتکب تم ہی تھیں۔“ وہ طنز کر رہا تھا اس کا یہ اطمینان اسے بے اطمینان کر گیا تھا۔

”مسٹر معصوب! اپنا زخم اسے کبھی نہیں دکھانا چاہئے جس کے پاس اس کا مرہم نہ ہو اور افسوس کے اب آپ کے پاس سے مجھے وہ مرہم میسر نہیں ہوگا۔“ وہ بھی اسی کے انداز میں بولی تھی لہجہ کاٹ دار تھا۔

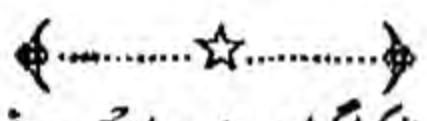
”زخم، تم زخم کی بات کرتی ہو میں تو آج تک اپنے ایک فیصلے پر پختہ رہا ہوں کاش میں نے وہ فیصلہ نہ لیا ہوتا یا وہ سچائی ہی میرے سامنے نہیں آئی ہوتی تو میں اس غم سے توجہ جاتا۔“ اس کے لہجے میں پچھتاوے کا احساس تھا۔ مسکان کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا کتنا کچھ بکھرا تھا اس کے وجود میں۔

”ٹھیک کہا آپ نے“ آپ کو واقعی غم ہے اور میری نظر میں بیدار کر دینے والا غم غافل کر دینے والی خوشی سے بہتر ہے۔ وہ بہت پر اعتماد انداز میں جیسے بہت کچھ سرزد ہونے کا الزام اپنے سر پر لے رہی تھی اپنے آپ کو جوڑنے کا عمل وہ ٹوٹنے سے پہلے ہی شروع کر گئی تھی۔

”تم بہت خود غرض ہو گئی ہو مسکان! مجھے یقین نہیں آتا تم وہی مسکان ہو پر سچ کہا ہے کسی نے..... محبت کے نام پر آج کل صرف دھوکا ملتا ہے اور تم بھی ایک ایسا ہی فریب ہو۔“ وہ کہہ رہا تھا اور مسکان کی روح تک کو گھائل کر رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی اس کا موبائل رنگ کرنے لگا تھا۔

”ہیلو..... جی مسز نفیم! اوکے میں ابھی آرہی ہوں آپ پلیز ربان کا خیال رکھئے گا میں ابھی آرہی ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی پھر پلٹی تھی اور بہت زخمی نظروں سے اسے دیکھ کر فقط اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

”آپ کی ذرا سی بات دوسروں کو زخم بھی دے سکتی ہے اور مرہم بھی زبان اگر چہ تیز نہیں لیکن تیرے زیادہ زخمی کرتی ہے کبھی غور کیجئے گا اپنی سفاکی پر بھی مسٹر معصوب! اگر میں بدلی ہوں تو اس کے ذمہ دار بھی آپ ہیں بہت کچھ ایسا ہوا ہے جس کا اور اک آپ کو نہیں پر جس پل آپ حقیقت سے آشنا ہوں گے بہت پچھتائیں گے۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی تھی اپنے پیچھے دیکھے بغیر کہ معصوب اس کے ان لفظوں پر کتنا ششدر تھا پر اب بھی سب الجھا ہوا تھا اور جب شیشوں پر دھند آجائے تو کوئی بھی عکس واضح نہیں ہوتا۔



ماہیوں کا دن بہت قریب تھا اور معصوب اپنا کیا گیا وعدہ بہت اچھے سے نبھا رہا تھا ہر کام میں دلچسپی لے رہا تھا اس کے انداز میں بے زاری نہیں تھی ہر کام وہ دل سے کر رہا تھا مسکان بھی اپنے کام بہت خوبصورتی سے انجام دے رہی تھی کہیں کسی چیز کی کمی نہیں تھی پر اب کوئی نظر تھی جو بہت باریک بینی سے دونوں کا جائزہ لے رہی تھی ایمین کی مسکان سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی دونوں ہم عمر تھیں اور بہت صاف دل کی اس لئے جلد ہی دوست بن گئی تھیں۔

احد اور معصوب دونوں شاپنگ کے لئے مال گئے تھے جب احد نے مسکان کو ایک بوتیک سے نکلتے ہوئے دیکھا تو اس کی طرف آگیا معصوب نے مسکان کو دیکھا نہیں تھا اس لئے اس طرف چل دیا تھا۔

”ارے واہ مسکان! آپ یہاں.....؟“ وہ بالکل گھر کے فرد کی طرح ہو گئی تھی اس لئے احد کو وہ بالکل بہن کی طرح عزیز ہو گئی تھی سو بے تکلفی کی دیوار بہت پہلے ہی چاک ہو گئی تھی۔

”جی وہ.....“

”مسکان! ربان تمہیں بلارہا ہے یہاں کیا کر رہی ہو.....؟“ وہ کچھ کہنے والی ہی تھی کہ اس آواز نے ان تینوں کو ایک ساتھ اس طرف متوجہ کیا تھا معصوب کے ماتھے پر بلوں کا اور آنکھوں میں حیرت کا آنا مسکان نے فوراً نوٹ کیا تھا حیران تو احد بھی تھا پر اس جتنا ششدر نہیں تھا تیمور وہاں کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک چار یا ساڑھے چار سال کا سرخ و سفید رنگت کا اور بہت ہی حسین نقوش کا بچہ منہ پھلائے کھڑا تھا اور مسکان کو بہت شکایتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”یہ.....“ احد نے سوالیہ نظروں سے پوچھا تھا۔

”مما! آج بھی آپ مجھ کو ٹانٹا نہیں دے رہی ہیں اپنے کام میں بڑی ہو رہی ہیں آج کا دن میرا تھا پھر آپ یہاں کیا کر رہی ہیں مجھے اکیلا چھوڑ کر.....؟ میں نے آپ کے ساتھ شاپنگ کرنی تھی اکیلے نہیں.....“ مسکان کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ بچہ بائبل اشاپ اور کومہ کے شروع ہو چکا تھا اور اس کے لفظ ممانے جتنا حیرت میں احد کو ڈالا تھا اس سے زیادہ حیران و ششدر معصوب کو کیا تھا اس نے غور سے بچے کو دیکھا تھا کچھ پلچلی سی شہر دل میں ہوئی تھی۔

”ہاں بیٹا..... آپ صحیح کہہ رہے ہو آئی ایم سوری پر ماما آپ کے لئے ٹوائے پسند کرنے جا رہی تھیں کہ یہ انکل مل گئے۔“ وہ اس کو صفائی دینے لگی مگر پھر اس کو ان دونوں کی طرف متوجہ کیا تھا۔

”یہ آپ کا بیٹا ہے.....؟“ احد پہلے سنبھلا تھا اس لئے پوچھنے لگا اور اس کا جواب سننے کے لئے معصوب فوراً اسے سوالیہ نظروں سے جانچنے لگا تھا۔

”جی ہاں..... یہ میرا بیٹا ہے ربان جہانزیب۔“ وہ اعتماد سے بولی تھی پر ”میرا“ پر خاص زور دیا گیا تھا معصوب نے بہت تیز نظروں سے اسے گھورا تھا ایک شکایت نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھوں میں درآئی تھی۔

”مما! یہ کون ہیں.....؟“ بچہ بہت معصومیت سے پوچھ رہا تھا پر آنکھوں میں خفگی اب بھی تھی۔

”بیٹا! یہ میرے کلاسٹس ہیں اور آپ تیمور کے ساتھ جاؤ 5 منٹ میں آپ کو جوائن کرتی ہوں۔“ وہ بچے کو ٹال گئی تھی اس کے جانے کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی جواب بھی اس کو دیکھ رہے تھے معصوب نے کافی بے چینی سے اسے پلٹ کر جاتے دیکھا تھا۔

”آپ کا ایک بیٹا بھی ہے.....؟ آپ نے کبھی بتایا نہیں۔“ احد نے پوچھا۔

”مثلاً اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ اس کے وجود کی ٹھنڈک صرف میرے لئے ہے اس لئے اسے ہر گرم دھوپ سے بچانے کے لئے میں نے اسے کسی کے ساتھ ڈسکس کرنا مناسب نہیں سمجھا اور میں اپنی پروفیشنل اور پرسنل لائف الگ رکھتی ہوں اپنی دوسری میں ابھی چلتی ہوں ورنہ میرا بیٹا پھر غصے میں آ جائے گا وہ بھی بہت غصے والا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی پر اپنے اس جملے کے ”بھی“ پر وہ غور نہیں کر پائی تھی جو روانی میں کہہ گئی تھی پر اس نے معصوب کو بہت کچھ جتلا دیا تھا اور اندر کی بے سکونی کچھ اور سوا ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ لان میں آیا تھا اور احد بھی اس کے پیچھے آ گیا تھا وہ ابھی ویسے ہی جی دباؤ سے گزر رہا تھا اسے دیکھ کر کچھ اور الجھ گیا۔

”تم اس طرح کیوں چکر کاٹ رہے ہو.....؟“ احد نے تنقیدی انداز میں کہا تو معصوب چونک گیا کچھ تو تھا اس کے لہجے میں کہ وہ اسے دیکھنے لگا۔

”مجھے نہیں چتا تھا معصوب کہ اب تم مجھ سے بھی اپنا درد چھپاؤ گے یا شاید تمہیں اب کچھ محسوس ہی نہیں ہوتا اس لئے تم کچھ رری ایکٹ ہی نہیں کر رہے ہو اب تو بول دو معصوب سچائی کو۔“ وہ کافی ذومعنی انداز میں بول کر شاید اسے اکسارہا تھا۔

”تم کیا جانتا چاہتے ہو میرے اندر کی کھولن کو یا میرے اندر کے درد کا اندازہ لگانا چاہتے ہو۔“

”میں جانتا ہوں احد! تم شاید سچائی جان گئے ہو پر میں ابھی اس حقیقت کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا جس سے اس شادی پر کوئی اثر ہو ہم اس بارے میں شادی کے بعد بات کریں گے کل دیسے بھی پکنک پر جانا ہے اور اس کے بعد ایمن کو مایوں بھی بٹھانا ہے یہ ایک ہفتہ خاموشی سے گزار لو پھر تم جس سوال کا جواب مانگو گے میں دے دوں گا۔“ وہ بلاشبہ اسے بہت عزیز تھا اور اس کے لہجے کی مجبوری ولا چاری نے اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھا تھا یہ وقت مناسب نہیں تھا اس لئے وہ بھی چپ ہو گیا۔

”ٹھیک ہے ویسے میں نے کل مسکان کو بھی بلایا ہے اور خاص ریکوریسٹ کی ہے کہ کل وہ اپنے بیٹے ربان کو ضرور ساتھ لے کر آئیں وہ نیم رمضان تو تھیں پر دیکھو کل کیا ہوتا ہے۔“ وہ اسے آگاہ کر رہا تھا تا کہ کل اسے کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو وہ بہت منتشر تھا بہت انتشار کا شکار تھا اس لئے اس نے اسے اس وقت اکیلا چھوڑنا ہی مناسب سمجھا تھا پر اپنے بھائی کے دکھ نے اسے بھی افسردہ کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ سب جانے کے لئے تیار تھے اور مسکان کا انتظار کر رہے تھے جب ہی وہ بھی آگئی تھی اس کو گھنٹی سے اترتے دیکھتے ہوئے معصوب نے بہت بے قراری کے ساتھ اس کے پہلو میں دیکھا تھا اور جیسے اسے بہت تسکین ملی تھی ربان کو اس کے ساتھ دیکھ کر۔ وہ کافی خوش ہو گیا تھا اور اس کے اک دم چمک اٹھنے والے چہرے کو احد نے بہت گہرائی سے دیکھا تھا اور اپنے اندر کی کیفیت کو چھپا گیا تھا دماغ میں آنے والے کافی سوالوں کو جھٹک دیا تھا۔

”بھائی.....“ احد نے جیسے اسے کچھ باور کر دیا تھا لہجے میں ایک تنبیہ تھی۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ جیسے وہ بھی وقت کی نزاکت سمجھتا تھا اپنے آپ کو سنبھال کر بولا۔

”مسکان! دیر نہیں ہوگئی کچھ آپ کو۔“ احد مسکرا کر اس کی طرف بڑھا تھا اور جھک کر ربان کا گال چوم لیا تھا۔

”ہاں یہ شریر آئے کو ہی تیار نہیں تھا آپ نے بہت مان سے کہا تھا اس لئے اسے لے کر آئی ہوں زبردستی ورنہ تو یہ آ ہی نہیں رہا تھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے ربان کی طرف اشارہ کر کے بولی جو ناک بھوں چڑھائے منہ پھلائے کھڑا تھا معصوب نے کافی گہری نظر ان دونوں پر ڈالی تھی۔

”ارے واہ..... کیوں ہم آپ کو پسند نہیں ہیں کیا.....؟“ معصوب کے لہجے میں بے چینی ہی تھی۔

”نہیں.....“ بہت کھرا جواب تھا سب حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے وہ پہلے ہی مسکان کے ساتھ ایک بچے کو دیکھ کر حیران تھے اور اب اس کا جواب۔

”وہ کیوں.....؟“ وہ حیرانگی سے پوچھنے لگا۔

”اس لئے کیونکہ ماما آپ لوگوں کے پاس آ جاتی ہیں اور مجھے نام نہیں دیتی ہیں اور آج بھی ہم اکیلے ڈے انجوائے کرنے والے تھے پر ماما مجھے یہاں لے آئیں۔“ وہ بہت صاف گوئی سے بول رہا تھا وہ بہت سمجھدار تھا اور اس کی زبان بھی بہت صاف تھی سب تو اس کے ماما کہنے پر ہی حیران تھے پر اس کی اتنی صاف گوئی پر معصوب کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

”یہ آپ کا بیٹا ہے.....؟“ ایمن نے حیرانگی سے پوچھا تھا آنکھوں میں واضح تحیر تھا۔

”ہاں یہ میری ماما ہیں.....“ ربان شاید بولنے کا بہت شوقین تھا اس لئے مسکان سے پہلے ہی بول پڑا تھا چہرہ اب بھی خفگی کا غماز تھا۔

”میرے خیال میں باقی باتیں ہی سائیڈ پر چل کر کریں گے ابھی لیٹ ہو رہے ہیں۔“ میسر جہانزیب چغتائی بولے تو سب بس کی طرف بڑھ گئے۔ ربان مسکان کی انگلی پکڑے چل رہا تھا اور معصوب کا دل اس کو لینے کے لئے چل رہا تھا پر وہ شاید آج مسکان سے چپک کر آیا تھا۔

وہ سب سفر پر روانہ ہو گئے تھے پر وہ مسکان سے ابھی بھی خفا تھا جو چپ تھا وہ لوگ سی سائیڈ پر پہنچ گئے تھے اور شاید یہ موسم کا ہی اثر تھا جو ربان بھی مسکرا رہا تھا سب لوگ کانچ میں تھے اور مسکان ربان کو لئے پانی کی طرف آگئی تھی اور شاید منار ہی تھی اور وہ کامیاب بھی ہوگئی تھی جو وہ کھلکھلا رہا تھا۔

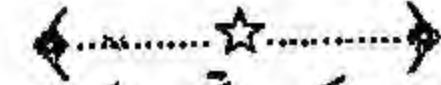
”ربان.....“ معصوب کی پکار پر ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا تھا مسکان تھوری خوفزدہ تھی پر اعتماد بھی تھا اپنی ذات پر۔

”جی.....“ وہ مختصر بولا۔

”مجھ سے دوستی کرو گے.....؟“ وہ ٹٹھنوں کے بل بیٹھ کر ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر پوچھنے لگا تھا لہجے میں چاشنی تھی

اس وقت کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی مفرد معصوب چغتائی ہے۔

”پر میں آپ سے دوستی نہیں کر سکتا۔“ وہ صاف منع کر گیا۔
 ”وہ کیوں.....؟“ وہ سوالیہ نشان بناتا تھا اور طنزیہ نظریں مسکان پر تھیں۔
 ”چلو رہا ہوں! اندر چلو تمہیں پہنچ کر دادوں۔“ مسکان ہاتھ پکڑ کر آگے جانے لگی تو اس نے مسکان کا ہاتھ تھام لیا۔
 ”ارے مسکان! بچے کو بات تو مکمل کرنے دو! ہاں رہا ہوں! تم بولو بیٹا۔“ وہ رہا ہوں سے پوچھنے لگا جیسے اسی سے سارے
 راہ و مراسم ہوں اس کے لہجے کی اور آنکھوں کی کاٹ نے مسکان کو دہلا دیا تھا اک انجانا خوف اس کی ریزہ کی ہڈی میں
 سرایت کر گیا تھا۔
 ”یہ کیا حرکت ہے ہاتھ چھوڑیں میرا۔“ وہ تنک کر بولی۔
 ”مسکان پلیز..... بیچ میں مداخلت مت کرو دیسے ہی میں بہت وقت گنوا چکا ہوں۔“ وہ بہت شکایتی اور جتانے والی
 نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔
 ”یہ آپ کا اپنا کیا جرم ہے تو سزا کے حق دار بھی آپ ہی ہیں۔“ وہ ماضی کی طرف جارہی تھی شاید۔
 ”وہ جو بھی ہو میں نہیں جانتا وہ سب کچھ پلیز رہا ہوں کو کچھ وقت کے لئے میرے پاس چھوڑ دو ابھی۔“ وہ بہت عاجزی
 سے بول رہا تھا شاید اس کے لہجے میں ہی کچھ تھا جو وہ کچھ بھی کہے بنا پلٹ گئی تھی رہا ہوں کو وہاں چھوڑ کر اس کے جانے کے
 بعد معصوب نے بھی رہا ہوں سے دوستی کر لی تھی۔



مسز چغتائی اپنے بیٹے کو 5 سالوں بعد مسکراتے دیکھ رہی تھیں وہ بھی ایک بچے کے ساتھ وہ کافی حیران تھیں پر حیران
 سے زیادہ خوش تھیں ان کے ایک فیصلے نے ان کے بیٹے کے چہرے سے ساری خوشیاں چھین لیں تھیں اور اب وہ آج مسکرا
 رہا تھا۔ وہ سب وہیں تھے مسکان و درسمندر کے خوبصورت نظاروں کو ریت پر چلتے ہوئے دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ اپنے
 پیچھے کھڑے معصوب کو محسوس ہی نہیں کر سکی تھی۔
 ”تم تو اکیلے پن سے ڈرتی تھیں پھر آج اتنی دور اکیلے کیسے آگئی ہو۔“ اس نے پلٹ کر صرف خالی خالی نظروں سے
 اسے دیکھا تھا شاید اس نے طنز سے ذومعنی انداز میں کہا تھا۔
 ”طنز وہ آئینہ ہے جس میں دیکھنے والا اپنے موہر کی کاچہرہ دیکھتا ہے۔“ وہ بہت گہری بات بول کر پھر سے سمندر کی
 طرف دیکھنے لگی تھی شاید وہ منظر زیادہ دلچسپ تھا۔
 ”بہت سمجھدار ہوگئی ہو اس دنیا میں بیدار ہوگئی ہو اکیلے بھی جی رہی ہو۔“ وہ شاید بہت کچھ جاننے کا متمنی تھا۔
 ”بیدار کر دینے والا غم غافل کر دینے والی خوشی سے بدرجہا بہتر ہے اور میں یہ بات بہت اچھے سے سمجھ گئی ہوں۔“ وہ
 شاید آج لڑنے کے موڈ میں تھی پر پھر بھی اسے لا جواب کرنے کے در پر تھی۔
 ”ہاں شاید۔“ وہ جیسے ہی کی ہی تائید کر رہا تھا۔
 ”تم خوش ہو.....؟“ جانے کیا جاننے کی خواہش تھی۔
 ”ہاں۔“

”تم مایوس ہوا اپنے ماضی سے۔“ وہ نہ جانے کیا جانا چاہتا تھا۔ وہ واقعی بہت شدت پسند تھا اسے اذیت دینے کے ہر
 حربے آزمایا تھا۔
 ”مایوسی ایک دھوپ ہے جو سخت سے سخت وجود کو بھی جلا کر رکھ کر دیتی ہے اس لئے میں نے مایوسی سے رشتہ توڑ
 دیا ہے اور ویسے بھی میرے پاس مایوس ہونے کے لئے کوئی خاص وجہ نہیں ہے کیونکہ آج میرا بیٹا میرے پاس ہے“

درندہ وقت کی ستم ظریفی تو شاید اسے بھی مجھ سے چھین لیتی۔“ وہ اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی اور بہت زیادہ
 کچھ سنانے کے در پے تھی۔
 ”مسکان! تم نے مجھے رہا ہوں کے بارے میں کیوں نہیں بتایا.....؟“ وہ بہت شدت پسندی کا اظہار کرتے ہوئے
 اسے پکڑ کر جھجھوڑ کر پوچھ رہا تھا۔
 ”کیوں..... آپ کون ہوتے ہیں اس کے.....؟“ وہ بہت تسخرا نہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔
 ”تم شاید بھول رہی ہو صرف تمہارا حق نہیں ہے اس پر۔“ وہ جیسے آج سارے بھید کھولنے کے در پے تھا ماب کا منج
 میں تھے رہا ہوں سوچکا تھا احد کے پاس اور وہ شاید سب جاننے کا اب انتظار نہیں کر سکتا تھا۔
 ”نہیں..... میں کچھ نہیں بھولی ہوں پھر بھی آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ وہ اپنا آپ چھڑا کر چیخ پڑی تھی
 لہروں کے شور میں جیسے اس کی آواز دب گئی تھی۔
 ”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے باپ لگتا ہوں میں اس کا اس کے وجود سے ہی تم نے مجھے آج تک انجان رکھا اور
 اب کہتی ہو میرا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکا رہی تھی وہ بھی اپنا ضبط کھو بیٹھا تھا۔
 ”باپ.....“ وہ بہت استہزائیہ انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔
 ”یہ وہی اولاد ہے مسٹر معصوب جہاں زیب چغتائی! جسے آپ اپنی اولاد نہ مانتے ہوئے مارنے کے در پر تھے اگر وہ آج
 یہاں ہے تو صرف میری وجہ سے ورنہ آپ نے تو اسے مارنے کے سارے اقدام کر دیئے تھے۔“ وہ بھی غصے سے چیختی ہوئی
 بولی تھی پانچ سالوں کا غبار تھا۔
 ”وہ میرا بے وقوفی کا دور تھا پر تم یہ مت بھولو کہ وہ اب بھی میری اولاد ہے اور تم اب بھی میری بیوی ہو اور یہ بات کوئی
 بدل نہیں سکتا تا قیامت۔“ وہ جیسے آج سارے سبق سکھانے کے در پر تھا وہ بہت جلدی سے مسکراتی تھی۔
 ”زندگی میں دو راستے آتے ہیں آپ کے سامنے یا تو کسی چیز کو اپنا لویا پھر بدل دو..... اس لئے اسے اپنا لو
 جسے بدل نہیں سکتے اور اسے بدل دو جسے اپنا نہیں سکتے پر افسوس یہ دونوں ہی راستے میں اپنا نہیں سکتی تا تو میں آپ کو
 بدل سکتی ہوں اور نہ ہی اپنا سکتی ہوں اس لئے زندگی کا تیسرا راستہ خاموشی اختیار کئے ہوئے ہوں جس دن یہ نوٹ
 غمی آپ کو ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا دے گی۔“ بہت ہی سخت اور تلخ لہجے میں کہہ کر وہ پل بھر کو بھی نہیں رکی
 تھی چلتی چلی گئی تھی اور وہ فقط اسے دیکھ کر رہ گیا تھا کسی چیز کا ادراک نہیں تھا اسے وہ بس سوچ ہی سکا تھا پر اب بھی
 ماضی کا آئینہ دھندلا تھا۔



وہ ٹیس پر کھڑی جانے کو دیکھ رہی تھی جب اپنے پیچھے قدموں کی آوازیں کر چکی تھی اور مڑی تھی پیچھے احد کو دیکھ کر تھوڑا
 حیران بھی ہوئی تھی پھر مسکرا کر خوش آمدید کہا تھا۔
 ”کیسے ہیں آپ.....؟ شادی تو دو دن بعد ہے اور ساری تیاریاں بھی مکمل ہو چکی ہیں کیا کوئی خاص کام تھا.....؟“ وہ
 تھوڑی تشویش سے بولی۔
 ”آپ چاند میں کسے ڈھونڈ رہی تھیں.....؟“ وہ بالکل الٹ سوال کر گیا جواب دینے کے بجائے۔
 ”کسی کو بھی نہیں کیا چاند میں کوئی رہتا ہے جسے مجھے ڈھونڈنا چاہئے.....؟“ وہ شکستگی سے مسکرا کر بولی تھی۔
 ”ہاں چاند میں محبت رہتی ہے اور آپ کو اس کو کھوجنا چاہئے کیونکہ وہ گم ہوگئی ہے آپ کی زندگی سے.....“ وہ بھی جیسے
 آج بہت اچھے موڈ میں تھا۔

”نہیں مجھے میرے بیٹے کی محبت بہت دافر مقدار میں میسر ہے۔“ وہ فنی میں سر ہلا کر بولی تو احد جانے کیوں مسکرا دیا۔
 ”میں اس محبت کی نہیں دل کی محبت کی بات کر رہا ہوں۔“ احد سمجھ گیا تھا وہ کچھ بھی بتانے سے گریزاں ہے۔
 ”دل کی محبت.....؟“ وہ چونک کر زیر لب بڑبڑاتی تھی اور خالی نظروں سے اسے دیکھا۔
 ”ہاں دل کی محبت..... وہی محبت جو آپ معصوب سے اور معصوب آپ سے کرتا ہے جو جانے کہاں گم ہو گئی ہے۔“ وہ کھل کر بولا تو وہ ششدر رہ گئی۔

”آپ سب جانتے ہیں.....“ حیرت کی شدت سے وہ فقط اتنا ہی بول پائی تھی۔
 ”ہاں اور میں صرف آدھا سچ جانتا ہوں جو معصوب نے مجھے بتایا تھا۔ یعنی سکے کا ایک پہلو اور دوسرا پہلو مجھے آپ بتائیں گی میں نے آپ کی اور معصوب کی باتیں سنی ہیں سمندر پر بھی اور گھر پر بھی اور مجھے لگتا ہے ایسا کچھ ہے جس سے معصوب انجان ہے اور اپنی جذباتیت اور شدت پسندی میں وہ سب کچھ نہیں کرتا چلا گیا ہے بس ورنہ شاید حقیقت کچھ اور ہے۔“ وہ بہت واضح الفاظ میں اپنا مدعا بیان کر رہا تھا۔

”آپ یہاں ان کی دکالت کرنے آئے ہیں یا پھر کوئی تفتیش کرنے آئے ہیں؟ تو میں معذرت کے ساتھ آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔“ وہ گہری سنجیدگی سے بولی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

”تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گی کیونکہ میں یہاں معصوب کا بھائی نہیں بلکہ تمہارا بھائی بن کر آیا ہوں مسکان! میں نے تمہیں سچے دل سے اپنی بہن مانا ہے اور اس حقیقت سے جو معصوب نے صرف مجھے بتائی ہے اور اس کے مطابق جس بناء پر تم دونوں علیحدہ ہوئے ہو مجھے اس بات میں کوئی سچائی نہیں لگتی اس لئے میں تم سے سچائی جانتا چاہتا ہوں ایک بھائی بن کر اپنی بہن کو سچا ثابت کر کے معصوب کو اس کی غلطی کا احساس دلانا چاہتا ہوں اس کے بعد اس کی جو بھی سزا ہوگی وہ تم خود تجویز کرو گی یہ ایک بھائی کا وعدہ ہے۔“ وہ بہت مان اور سنجیدگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے یقین دلارہا تھا اس کی آنکھیں جیسے نم ہونے لگی تھیں اور وہ بس سر ہلا کر ماضی میں ڈوبتی چلی گئی۔

ظہیر خالق کی دو بیویاں تھیں ایک راحیلہ بیگم اور دوسری شکیلہ بیگم راحیلہ ان کی پہلی بیوی تھیں جن سے شادی والدین کی پسند سے کی تھی اور ان کا ایک بیٹا تھا تیور ظہیر لیکن ظہیر خالق کی پسند کی دوسری شادی کی وجہ سے وہ ان کو چھوڑ کر تیور کو لے کر اپنے بھائی کے گھر چلی جاتی ہیں اور پھر کبھی پلٹ کر نہیں آئیں اس طرح ظہیر خالق کی دوسری بیوی ہی ان کی دنیا ہے ان کی ایک ہی بیٹی تھی مسکان ظہیر چھوٹی سی چنچل سی وہ بھی اس بات سے ناواقف تھی کہ اس کا کوئی سوتیلہ بھائی بھی ہے وہ اپنی زندگی میں بہت خوش تھی پر اس میں اعتماد کی کمی تھی وہ پندرہ سال کی تھی جب اس کی والدہ اسے چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملی تھیں وہ بہت ڈر پوک سی تھی اور اس کا کوئی دوست بھی نہیں تھا وہ بہت معصوم تھی حسن میں بے حساب تھی وہ واقعی بہت حسین تھی 18 سال کی وہ لڑکی کالج بھی بہت ڈر کر جاتی تھی پھر ایک دن اس کی زندگی میں وہ شخص آیا جس کا خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے پر مسکان شاید دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف تھی وہ اپنے کالج سے واپس آرہی تھی جب اس کی ٹکرایک گاڑی سے ہو جاتی ہے۔

”اوہ تو.....“ وہ جو کوئی بھی تھا بہت شریف تھا شاید بھی اپنی غلطی مانتے ہوئے اس کی مدد کو نکلا تھا۔
 ”آئی ایم سوری! آپ کو لگی تو نہیں.....؟“ معصوب اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پایا کہ اس کا حسین صبیح چہرہ ہی اسے لوٹ کر لے گیا ان جھیل سی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو ہی اس کا دل لے گئے۔
 ”آپ دیکھ کر نہیں چلا سکتے تھے.....؟“ مسکان خاصی ڈر پوک تھی پر تکلیف کی شدت سے وہ بھی جھلا گئی تھی۔

”آپ کو چوٹ لگی ہے میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں آئی ایم ریلی سوری۔“ مسکان نے اسے دیکھا تھا وہ واقعی بہت شرمندہ تھا دیکھنے میں کسی ریاست کا شہزادہ لگتا تھا اس کو ایک دم سنسان سرک کا اندازہ ہوا۔
 ”نہیں میں خود چلی جاؤں گی۔“ اس کی ازلی بزدلی عود کر آئی تھی وہ اس کی آنکھوں کی چمک سے گھبرا گئی تھی اس لئے فوراً اس کی دی گئی پیشکش کو مسترد کر گئی تھی۔

”آہ.....“ وہ اٹھی تھی پر تکلیف کی شدت سے سسکی نکل گئی تھی کھنسنے میں زیادہ چوٹ آگئی تھی۔
 ”آپ کو زیادہ چوٹ لگی ہے میں آپ کو چھوڑ دوں گا آپ بے فکر رہیں میں ایک شریف آدمی ہوں اور عورت کی عزت بھی بہت کرتا ہوں آپ ڈریں مت۔“ وہ اس کی آنکھوں کا خوف جان گیا تھا اس لئے سنجیدگی سے سمجھانے لگا۔
 ”پر میں.....“ وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

”آپ بے فکر رہیں میں آپ کو عزت کے ساتھ آپ کے گھر چھوڑ دوں گا ویسے بھی بھری دوپہر میں اس سنسان سرک پر آپ کا اکیلا رکنا ٹھیک نہیں ہوگا۔“ مسکان نے دیکھا تھا وہ واقعی بہت شریف تھا۔ آج اس کی دین مس ہو گئی تھی اس لئے وہ پیدل نکل گئی تھی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ اس کی پیشکش قبول کر لیتی ہے اور اسے اپنے گھر کا راستہ بتاتی ہے۔

”بھینکس۔“ گاڑی سے اترتے ہوئے وہ بھی اخلاق نہیں بھولی تھی وہ بہت بھولی بھالی اور معصوم سی تھی۔
 ”کوئی بات نہیں ویسے بھی غلطی میری تھی آپ اپنا خیال رکھئے گا۔“ وہ اس کی معصومیت پر مسکرا کر گاڑی آگے بڑھا لیتا ہے پر اس کی وہ جھیل سی آنکھوں میں تیرتے آنسو اس کا چین لوٹ لیتے ہیں وہ ہر روز اس کو دیکھنے کی خواہش میں اس کے کالج پہنچ جاتا تھا اور مسکان اس بات سے بے خبر کہ کوئی اسے چاہنے لگا ہے وہ اپنے آپ میں لگن لگتی۔

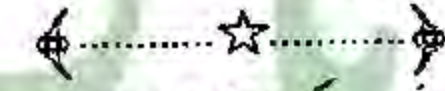
☆.....☆.....☆
 وہ کمرے میں ہی تھی جب نوری ماسی نے بتایا تھا کہ کوئی مہمان آئے ہیں وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر نیچے آگئی تھی کیونکہ ان کا کوئی رشتہ دار تھا نہیں ماں اور باپ دونوں ہی اپنے والدین کے اکلوتے تھے اس کی طرح۔ وہ ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے دیکھتی ہے تو گنگ رہ جاتی ہے کیونکہ وہی شخص جس نے اس کی مدد کی تھی وہاں بڑی شان سے براجمان تھا اور اس کے پاپا سے بہت خوشگوار موڈ میں بات کر رہا تھا۔

مسکان ڈر جاتی ہے کہ کہیں وہ اس کی شکایت کرنے تو نہیں آیا اور اسی کیفیت میں اندر کی طرف بڑھ جاتی ہے اور سوچنے لگتی ہے پر اسے زیادہ تر دہائیں کرنا پڑتا ہے کیونکہ کچھ دنوں بعد ہی یہ بات اسے معلوم ہو جاتی ہے کہ ان موصوف کی یہاں موجودگی کی وجہ کیا تھی ظہیر صاحب سے جب اسے پتہ چلتا ہے کہ معصوب اس سے شادی کا خواہشمند ہے تو چند ثانیے وہ صرف ان کا منہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔

”دیکھو بیٹا! میں جانتا ہوں تم یہ سوچ رہی ہو گی کہ ابھی تم چھوٹی ہو پر میری نظر سے دیکھو تو میری بیٹی ماشاء اللہ سے بہت بڑی اور سمجھدار ہو گئی ہے اور جب سے تمہاری ماں گئی ہے میں تمہیں لے کر تھوڑا فگر مند ہو گیا ہوں اور ویسے بھی ہمارے پیارے نبی فرماتے ہیں کہ بیٹیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اچھا ہے معصوب ایک اچھا لڑکا ہے اپنا گھر ہے اچھی جاب ہے تم سے تھوڑا بڑا ہے پر ایک میچورڈ انسان ہے اور تمہارا خواہش مند ہے مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا اور میں بھی اس فرض سے سبکدش ہونا چاہتا ہوں اور تم کو خوش و خرم اور آباد دیکھنا چاہتا ہوں اگر آج تمہاری ماں زندہ ہوتی تو وہ یہ سب تم سے کہہ رہی ہوتی پر اس کا یہ فرض میں پورا کر رہا ہوں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں تیرتے سوالوں کا جواب دے کر بولے تو وہ گم مسمم سی ہو گئی۔

”کیا تم میرا مان رکھو گی.....؟“ میں نے اس رشتے کو منظوری دے دی ہے لڑکا اکیلا ہے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے پر شریف کردار کا مالک ہے اور مجھے تمہارے لئے ایک ایسے ہی ہمسفر کی تلاش تھی۔“ وہ اس کے لئے سارے راستے بند کر گئے تھے اور اس سے جواب کے طلب گار تھے۔

”جیسے آپ کی مرضی پایا!“ یہ کہہ کر وہ اندر چلی جاتی ہے تو ظہیر صاحب پرسکون ہو گئے تھے اور ایک چھوٹی سی تقریب میں وہ مسکان سے مسر مسکان معصوب جہان زیب ہو گئی تھی۔



وہ اس وقت اس کے سامنے موجود تھی۔ کی چیزیں اوڑھے وہ اسے بہت حسین لگ رہی تھی وہ اس کا ہاتھ تھام کر جذبول کی شدت سے بوجھل آواز میں اس سے ”طلب ہوا تھا۔“

”مسکان! مجھے یقین ہی نہیں آ رہا ہے کہ تم میرے سامنے ہو میرے نام کی چیزیں اوڑھے ہمیشہ کے لئے میری ہو گئی ہو پتہ ہے میں تم سے بے انتہا تکتا ہوں تم میرا دل پہلی ہی ملاقات میں اپنے ساتھ لے گئی تھیں میں جانتا ہوں تم کافی چھوٹی ہو پر مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ میں کوئی اور تمہیں مجھ سے چھین نہ لے اس لئے میں نے تمہیں اپنا بنالیا۔“ اس کے لہجے سے اس کی محبت کی شدتیں پھوٹ رہی تھیں مسکان اسے دیکھنے لگی اس کی آنکھوں میں محبت کا ایک سمندر موجزن تھا وہ فوراً ہی نظریں جھکا گئی۔

”میں جانتا ہوں تم اپنی پڑھائی کو لے کر فکر مند ہو بے فکر رہو میں اتنا سنگدل نہیں ہوں کہ تمہاری پڑھائی روک دوں تم اپنی پڑھائی جاری رکھ سکتی ہو پر میں نے کہا تھا یہ اقدام صرف اس لئے تھا کہ کہیں میں تمہیں کھوندوں..... میں اپنی ہر چیز کو لے کر بہت شدت پسند واقع ہوا ہوں پھر تم تو میری محبت ہو تمہیں کھونے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیا تم مجھ سے ناراض ہو جو چپ شاہ کا روزہ رکھ کر بیٹھی ہو.....؟“ اسے سمجھاتے سمجھاتے وہ آخر میں پٹری سے اتر کر شرارت سے دریافت کرنے لگا ”مسکان نے بے ساختہ نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر فوراً ہی نگاہ جھکا گئی تھی۔“

”نہیں تو.....“ وہ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی پر اس کی محبت کا یقین کر گئی تھی۔

وہ اپنی محبت کا یقین دلانے کے لئے یہ الفاظ محبت کے ہار میں پرو کر بول رہا تھا.....

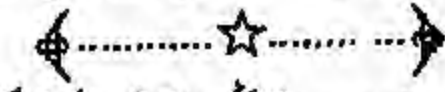
”زندگی تیری آنکھوں کے سمندر کنارے بسر ہو

کچھ ایسا اب میری دعاؤں میں اثر ہو

تیری بانہوں کے سہارے آخری سانس لیں

یوں ختم اپنی وقاؤں کا سفر ہو“

وہ محبت سے چور لہجے میں بولا تھا اور وہ رات مسکان کے آغوش میں بہت سے ستارے ٹانگ گئی تھی وہ اس کی محبت میں ڈوبتی گئی۔ ان کی زندگی کا سفر بہت حسین گزر رہا تھا محبت کی بارش میں وہ بہت پرسکون تھے جس زندگی کے خواہش مند لوگ ہوتے ہیں وہ زندگی وہ دونوں بسر کر رہے تھے ایسے میں جب ان کی پرسکون جھیل کی مانند زندگی میں پہلا کنکر پڑا تھا۔



وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی تھی پر آنکھوں میں جیسے سمندر آٹھرا تھا وہ بیل بھر کو احد کی طرف دیکھ کر رخ موڑ گئی تھی۔

”تو تیمور تمہارا سوتیلا بھائی ہے۔“ وہ حیرت سے بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

”میں سگا سوتیلا نہیں جانتی بس اتنا جانتی ہوں کہ تیمور میرا بڑا بھائی ہے اور مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔“ اس کے لہجے میں بھائی کا مان تھا۔

”تم جانتی تھیں کہ معصوب چغتائی فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔“ وہ دریافت کرنے لگا۔

”نہیں چغتائی پولیس میں آنے سے پہلے میں اس بات سے قطعی انجان تھی۔“ وہ سنجیدگی سے مطلع کرنے لگی۔

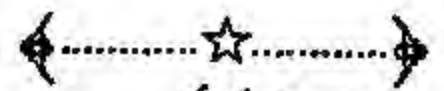
”سب اس بات سے واقف ہیں کہ معصوب کی زندگی میں 6 سال پہلے کوئی لڑکی آئی تھی کیونکہ جب معصوب نے گھر میں تم سے شادی کی بات کی تھی تو سب نے منع کر دیا تھا کہ لڑکی غیر خاندان سے نہیں آئے گی میں اس وقت لندن میں تھا اور معصوب نے سب کے انکار کو سن کر گھر چھوڑ دیا تھا۔ وہ ان دنوں لاہور میں کسی میٹنگ کے سلسلے میں آیا تھا جب اس کی تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ سب یہ تو جانتے ہیں کہ اس کی کوئی بیوی ہے جس سے اس کے کچھ اختلافات ہیں پر وہ تم ہو اور اختلافات کیا ہیں اس بات سے سب انجان ہیں۔“ احد اسے باقی حقیقت بھی بتا رہا تھا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

”بڑا ہے مسکان! تم نے معصوب کی غلط فہمی دور کیوں نہیں کی تھی اور یہ حقیقت کہ تیمور تمہارا بھائی ہے اس سے کیوں چھپائی تھی۔“ احد کافی متفکر ہو رہا تھا۔

”وہ سننے کو تیار ہی کب تھے۔“ انداز کافی خشک خوردہ تھا۔

”پھر کیا ہوا تھا مسکان! ایسا کیا ہوا تھا کہ معصوب ربان کے وجود سے بھی نا آشنا رہا ہے۔“ وہ پوری سچائی جاننا چاہتا تھا مسکان ایک بار پھر ماضی میں چلی گئی۔



اس دن وہ کالج میں تھی جب پیون نے اسے بتایا تھا کہ کوئی صاحب اس سے ملنے آئے ہیں اس کی شادی کو آٹھ مہینے ہو گئے تھے اور اس س دور ان ظہیر صاحب بھی خالق حقیقی سے جا ملے تھے پھر کون تھا جو اس سے ملنے آیا تھا؟ وہ کافی حیران تھی اور اسے سامنے ایک خوب رو جو ان کو دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

”جی کہئے.....؟“ وہ سنجیدگی سے بولی معصوب کا ساتھ بھی اسے پر اعتماد نہیں بنایا تھا۔

”تم مسکان ظہیر ہو.....؟“ کافی بے قراری سے دریافت ہوا تھا مسکان اس بے تکلفی پر آنکھیں پھاڑ کر اس اجنبی کو دیکھنے لگی تھی۔

”جی پر آپ کون ہیں.....؟ میں آپ کو نہیں جانتی۔“ وہ بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

”میں تمہارا بھائی ہوں تیمور ظہیر۔“ وہ بولا تھا مسکان حیران و ششدر رہ گئی تھی۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟“ وہ حیرت کے شدید جھٹکے سے باہر نکل کر اتنا ہی بول پائی تھی جب اس نے ساری حقیقت اسے سنائی تھی اس کے اعصاب اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے تیمور نے سہارا دے کر اسے بیٹھ پر بٹھایا تھا۔

”میں بھی اس سچائی سے بے خبر تھا پر ای نے مرنے سے پہلے مجھے یہ حقیقت بتائی تھی پر تب تک شاید دیر ہو گئی تھی ابو اس دنیا سے جا چکے تھے پھر مجھے پتا چلا کہ میری کوئی بہن بھی ہے تو میں اس سے ملنے چلا آیا۔“ وہ ابھی بول رہا تھا جب مسکان کی نظر دور سے آتے معصوب پر پڑی تھی اس نے اپنا ہاتھ تیمور کے ہاتھ سے چھڑوایا تھا۔

”وہ میرے شوہر آ رہے ہیں میں آپ کو ان سے ملوانی ہوں۔“ مسکان تھوڑا سنبھل کر بولی۔

”نہیں مسکان! بھی اپنے شوہر کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتانا صحیح اور مناسب وقت آنے پر آگاہ کرنا یہ وقت صحیح نہیں ہے ابھی میں چلا ہوں بعد میں ملاقات ہوگی۔“ وہ اس کی بھلائی کو کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا پر شاید اس کی یہ بھلائی ہی اس کی زندگی کی بنیاد بن گئی تھی۔

”کون تھا وہ.....؟“ معصوب نے کافی بے تاثر لہجے میں پوچھا تھا اس کی آنکھوں میں ایک سکوت تھا۔

”تیور! وہ بہت شدت پسند ہیں! میرا خیال ہے ہمیں انہیں ہمارے رشتے کے بارے میں بتا دینا چاہیے اگر انہیں کہیں کسی اور سے پتا چلا تو جانے ان کا کیا رویہ آئیکشن ہو۔“ وہ کافی گھبرائی ہوئی تھی۔

”مسکان۔“ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا اور اس کی چٹکھڑائی ہوئی آواز سن کر مسکان اچھل پڑی تھی۔

”آپ۔۔۔۔۔“ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی جب معصوب کا ہاتھ اس کے چہرے پر اپنی انگلیوں کا نشان ثبت کر گیا تھا۔

”تم۔۔۔۔۔ واقعی سچ کہا تھا کسی نے تم جیسی لڑکیوں سے وفا کی امید کرنا ہی بے وقوفی ہے! میں نے تمہیں کیا سمجھا تھا اور تم کیا نکلیں! میرے پیٹھے پیچھے یہ کھیل چل رہے تھے! میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم میرے ساتھ دھوکا کر رہی ہو اس لئے مجھے وہ بچہ بھی قبول نہیں تھا بس اب اور نہیں! میں آج ابھی اور اسی وقت تمہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں پر اپنا نام تم سے جدا نہیں کروں گا! تاکہ تم بھی اسی آگ میں جلو جس میں میں جھلس رہا ہوں۔“ وہ کہہ رہا تھا مسکان ششدر کھڑی اسے سن رہی تھی وہ کتنے غلط معنی پہنا گیا تھا اس کے پاک اور مقدس رشتے کو۔

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں معصوب! مسکان تو۔۔۔۔۔“ تیور نے بولنا چاہا تھا پر وہ سچ میں ہی ٹوک گیا تھا۔

”میں اور کچھ نہیں سننا چاہتا ہوں تم رکھو اپنی معشوقہ کو اپنے پاس! نفرت ہو رہی ہے مجھے اس کے وجود سے آج سے میرا اور تمہارا ہر تعلق ختم۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا تھا اور یہ سب سن کر مسکان بے ہوش ہو جاتی ہے اور تیور اسے لے کر ہسپتال بھاگتا ہے۔

اس کو دو دن بعد ہوش آیا تھا دیکھ کر اس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور جب سے ہوش میں آئی تھی چپ تھی وہ دسپارچ ہو کر گھبرا گئی تھی پر چپ تھی تیور انتظار میں تھا کہ وہ کچھ بولے گی پر وہ کچھ بولتی ہی نہیں تھی تیور نے بھی کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اس کی چپ کو ایک مہینہ ہو گیا تھا اور تیور بھی ضبط کرتے کرتے تھک گیا تھا وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھیں جب وہ آیا تھا۔

”مسکان۔۔۔۔۔“ بہت مدد لمبے میں پکارا تھا وہ پلٹی تھی اور اس سے پٹ کر رو پڑی تھی سارے آنسو بازوؤں پر بہہ نکلے تھے غبار چھٹ رہا تھا۔

”اس نے ایسا کیوں کیا تیور! اس نے ایسا کیوں کیا۔۔۔۔۔؟ مجھے بے ایک بار بھی نہیں پوچھا اور میری روح کو اتنا گہرا زخم دے کر چلا گیا۔ اس نے مجھے ہی نہیں میری روح کو بھی گھائل کیا ہے میرے کردار پر شک کڑے وہ بے وفا نکلا مجھے محبت کی آس دے کر خود چلا گیا! محبت سب چھین لیتی ہے تیور سب۔۔۔۔۔“ وہ سسک رہی تھی رو رہی تھی اور تیور اسے تھپک رہا تھا اس کا درد اسے اندر تک چھلنی کر رہا تھا۔

”محبت کچھ نہیں لیتی محبت کے سوا اور کچھ نہیں دیتی محبت کے سوا۔۔۔۔۔ وہ یہ کہتا تھا تیور پر یہ جھوٹ ہے محبت کچھ نہیں دیتی دکھ کے سوا اور آپ کا سارا سکون لے لیتی ہے۔“ وہ مسلسل رو رہی تھی۔

”مسکان! جس نے مصیبت میں صبر کرنا سیکھ لیا اس نے زندگی کو جیت لیا۔ ہر ناکامی کے بعد کامیابی ملتی ہے پر شرط یہ ہے کہ یابوں نہ ہو جائے تم مایوس مت ہو میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔“ وہ تسلی دے رہا تھا پر اس کی حالت اسے پریشان کر رہی تھی۔

”وقت ابھی نکلا نہیں ہے ہم اسے روک سکتے ہیں۔“ وہ شاید غم بانٹ رہا تھا۔

”نہیں تیور! وقت کے پیچھے بھاگنا لا حاصل ہے اسے روکنا ہو تو آگے سے روکو اور وقت بہت آگے نکل گیا ہے میں

”وہ میری دوست کے بھائی تھے۔“ وہ جلدی میں بوکھا کر یہی جھوٹ بول پائی تھی پر شاید وہ جانتی نہیں تھی کہ سارے موجود شخص اس کا جھوٹ پکڑ چکا تھا پر پھر بھی چپ رہا تھا لیکن آنکھوں میں موجود ناگواری کو وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔

”مسکان! تم سچ کہہ رہی ہو نا۔۔۔۔۔؟“ ایک عجیب قسم کا تاثر تھا لہجے میں۔

”جی بالکل۔۔۔۔۔“ وہ پھر بولی تھی پر لہجہ صاف چٹکی کھا رہا تھا۔

”چلو گھر چلیں۔“ آگے چل دیا تھا پر کچھ عجیب تھا جس نے اس کو ٹھکنے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر یہ سلسلہ اکثر ہونے لگا تھا وہ اکثر تیور کو مسکان کے کالج میں دیکھنے لگا تھا اور اس کی شدت پسند طبیعت یہ بات برداشت نہیں کر پار ہی تھی پر وہ چپ تھا اس کے اندر ایک لاوا پک رہا تھا۔

☆

وہ گمراہ یا ہوا تھا اور مسکان کا خوشی سے چمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر عجیب سی محسوس کر رہا تھا وہ اسے بے وفا سمجھ رہا تھا اس لئے اس کے وجود سے اسے وحشت ہونے لگی تھی مسکان بھی اس کے رویے سے پریشان تھی عجیب چڑچڑ اور غصے والا ہو گیا تھا وہ پھر بھی وہ کچھ غلط نہیں سوچ پائی تھی۔

”مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ وہ کچھ جھجک کر بولی۔

”ہاں بولو میں سن رہا ہوں۔“ وہ بے تاثر لہجے میں بولا وہ بہت عجیب سا ہو گیا تھا جذبات سے عاری لگنے لگا تھا۔ محبت کی وہ شدت محسوس ہی نہیں ہوتی تھی۔

”وہ آپ۔۔۔۔۔؟“ وہ کچھ جھجکی تھی۔

”کیا میں۔۔۔۔۔؟ مسکان جلدی بولو کیا بات ہے مجھے اور کام بھی ہیں۔“ وہ جھلا گیا تھا تو چیخ پڑا۔ مسکان اس کے چیخنے پر ہراساں ہو گئی تھی۔

”وہ میں۔۔۔۔۔ وہ آپ باپ بننے والے ہیں۔“ کچھ ڈرتے جھجکتے ہوئے اس نے بولا تھا پر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا تھا۔

”تو پھر۔۔۔۔۔“ سپاٹ انداز تھا۔

”آپ کو خوشی نہیں ہوئی۔۔۔۔۔؟“ وہ حیران تھی اس کی میزبانی پر۔

”مسکان! تم ابھی چھوٹی ہو اور ان سب چیزوں کے لئے لائق پڑی ہے میں کل تمہارا ایڈمٹ ہو کر سے فکس کر دیتا ہوں! میں نہیں سنوں گا۔“ وہ بولا تھا تو لہجہ اس حد تک سنجیدہ تھا کہ وہ کچھ نہیں بول پائی تھی پھر اس کے کہنے پر عمل کرنے کے لئے ڈاکٹر کے پاس چلی گئی تھی پر اس کو اس بات سے انجان ہی رکھا تھا کہ وہ اس کی خواہش پوری نہیں کر پائی تھی اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔

☆

اس کو ڈاکٹر کے یہاں سے آئے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تھا اور اس کے بعد سے وہ بہت کمزوری لگنے لگی تھی معصوب کو وہ اس کی محبت بھی لاکھ اس سے بے وقوفی کر رہی تھی پر بھی تو اس کی محبت ہی۔ وہ آنس سے گمراہ یا تھا تاکہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاسکے پر گھر میں موجود تیور کو دیکھ کر اس کا خون کھول گیا تھا پر وہ چپ چاپ کھڑا ان کی باتیں سننے لگا تھا۔

”میں کیا کروں تیور! میں ہار رہی ہوں اکثر خود پر ہی غصہ آتا ہے۔“ وہ رو رہی تھی۔

”جب غصہ آئے تو کسی اچھے بل کو یاد کر لو غصہ کم ہو جائے گا۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا تو معصوب کا غصہ آخری حدوں کو چھونے لگا۔

”آپ کوچ جانا چاہئے تھا بھائی! آپ نے مسکان بھابی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔“ ایمن بھی افسوس کا اظہار کر گئی تھی اس پیاری سی لڑکی کا دکھ اسے بھی دکھی کر گیا تھا۔

”وہ لڑکی بہت اچھی ہے معصوب! مجھے یقین ہے وہ تمہیں معاف کر دے گی اسے تمام لو اسے روک لو وہ تمہیں جانے کی تمہاری خاطر میں جانتی ہوں محبت کس طرح کی جاسکتی ہے یہ صرف ایک عورت جانتی ہے اور وہ لڑکی تو دیسے بھی محبت کی مٹی سے گندمی ہے تمہیں معاف کر دے گی اسے تمام لو روک لو۔“ مسز چغتائی اور ایمن کی مباحثہ سے سمجھا کر چلی گئی تھیں۔ کمرے میں صرف دونوں موجود تھے احد اور معصوب پر ایک چیز اور بھی تھی اور وہ تھا گہرا سکوت اور خاموشی۔

”معصوب! تم نے اپنے آپ کو خود پرانی آگ میں جلایا ہے وہ آگ تمہارے مقدر کی نہیں تھی پر تم نے خود اپنے وجود کو اس آگ کی نظر کیا ہے پھر اس پیش سے ڈرنا کیسا.....؟ خود کو جھلسایا ہے تم نے اس آگ میں پر اپنے ساتھ اس وجود کو بھی کانٹوں میں تھمٹ لیا جو نازک دل رکھتا تھا کوئل جذبات رکھتا تھا تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنا گھر برباد کیا ہے تم ذمہ دار ہو ان سب کے۔“ احد تاسف سے اسے دیکھ کر یہ کہہ رہا تھا وہ جانتا تھا اس نے یہ 5 سال کس طرح گزارے ہیں پر اس سب کا ذمہ دار وہ خود تھا پھر یہ ماتم کیسا تھا یہ ورد کس زخم کا تھا۔

”پتا ہے معصوب! تو نے ایک پاک دامن عورت پر شک کر کے اس کے کردار پر انگلی اٹھا کر ایک عظیم گناہ کیا ہے تو نے اس لڑکی کو جیتے جی زندہ دفن کر دیا۔“ احد اسے شرمندگی کی پستیوں میں دھکیل رہا تھا وہ واقعی میں مسکان کا بھائی بنا اس کا احتساب کر رہا تھا۔

”احد! میں نے جو منظر دیکھا تھا میں اس سے یہی اخذ کر پایا تھا۔“ وہ بہت مدہم لہجے میں بولا لہجہ شکست خوردہ تھا آواز میں وہ غور نہیں تھا۔

”ضروری نہیں ہر چیز جیسی نظر آئے اس کا پس منظر بھی وہی ہو۔“ احد اس کے دکھ کو بھی سمجھ رہا تھا پر اس کی غلطی نظر انداز کرنے لائق نہیں تھی۔

”احد! اب میں کیا کروں.....؟“ وہ بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا تھا احساس زیاں بہت واضح تھا۔

”معافی مانگو اور کیا۔“ احد تپ گیا تھا اس سوال پر۔

”کیسے.....؟“ معصوبیت قابل دید تھی احد اسے خوشگلی نظروں سے گھورنے لگا۔

”وہ بھی میں ہی بتاؤں کچھ تو شرم کرو کل میری شادی ہے اور تم مجھ سے ہی مشورے مانگ رہے ہو کل وہ آئے گی اس سے معافی مانگ لینا۔“ احد نے اسے شرمندہ کرنے کے ساتھ سمجھایا بھی تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ بھی تیار ہو گیا پر اپنے کئے پر وہ شرمندہ تھا وہ جانتا تھا پہلے کی مسکان اور اب کی مسکان میں بہت فرق تھا پر اسے اپنی زندگی اسی کے سنگ جینی تھی اسے کچھ تو کرنا ہی تھا وہ اس لڑکی کو اب نہیں کھوسکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

شادی کا گھر تھا ہر جگہ افراتفری تھی جہاں زیب چغتائی کے چھوٹے بیٹے کی شادی تھی ہر طرف گہما گہمی تھی جھللاتے آہل لہر رہے تھے رنگ و بو کا سماں تھا سب خوش تھے اور بہت بے مبری سے مسکان اور اس کے ساتھ آنے والے اپنے خاندان کے چراغ کا انتظار کر رہے تھے معصوب بھی بے تابی سے نظریں ادھر ادھر دوڑا رہا تھا جس قدر شرمندہ وہ تھا یہ وہی ہانتا تھا اپنی پاک دامن پارسا بیوی پر الزام لگاتا تھا اس نے ایک گناہ کیا تھا بنا کسی ثبوت کے صرف شک کی بنیاد پر الزام تراشی کی تھی۔ وہ اس کو ڈھونڈ رہا تھا وہ اسے نظر آگئی تھی۔ پر پل ٹکر کی ساڑھی میں بالوں کا آبشار پشت پر پھیلائے وہ حسن کا ہمہ لگ رہی تھی گہری جھیل سی آنکھوں میں کاجل اپنی چھب دکھا رہا تھا۔ وہ بہت باریک بینی سے اسکا جائزہ لے رہا تھا وہ

اس کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہتی میں اس شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گی جس نے میری شخصیت کی وجہاں اڑا دیں ہیں اب میں اپنے پیروں پر کھڑی ہوں گی بس تم میرے ساتھ رہنا۔“ وہ اتنی ڈر نہیں تھی پر اس کا لہجہ بہت مضبوطی لئے ہوئے تھا اک آس کے ساتھ اس نے تیمور کو دیکھا تھا۔

”میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔“ وہ مکمل طور پر اس کے ساتھ تھا۔

”بس پھر مجھے کسی تیسرے شخص کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ عزم سے بولی تھی پھر اس نے خود کو منوا کر دکھایا تھا اپنی کمپنی کو لاہور میں شروع کیا تھا اور پھر کراچی آئی تھی جہاں اسے معصوب ملا تھا پر ایک رائل پرس کے روپ میں لیکن وہ ماضی آج بھی اس کے ساتھ تھا وہ چپ ہوئی تھی پھر احد کی طرف دیکھا تھا۔

”میرا وجود میرے اندر ختم ہو گیا تھا وہ رہا تھا جس نے مجھے زندہ ہونے کا احساس دلایا تھا وہ نہ معصوب نے تو اسے بھی مجھ سے چھیننے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔“ وہ بہت زخمی لگ رہی تھی اندر سے۔

”غلطی معصوب کی ہے پر کچھ کوتاہیاں تم سے بھی ہوئی ہیں پر میں تمہارے ساتھ ہوں تم جس درد سے گزری ہو اس کا پورا بدلہ لینے کا تمہارا حق ہے پر معاف کر دینا اللہ کو پسند ہے۔“ وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

”آپ معصوب کی وکالت کر رہے ہیں.....؟“ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تیر رہی تھی۔

”نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں تمہارے دشمنوں اور درد کو سمجھتا ہوں میں آج سے تمہارا بھائی ہوں تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔“ اس کی آنکھوں کی بے یقینی کو دیکھ کر وہ فوراً اسے یقین دلانے لگا تھا۔

”آپ کو پتا ہے شک ایک ایسا کاٹنا ہے جس کا زخم دل پر لگتا ہے۔“ اس کا انداز بہت پریکا تھا۔

”اور کوئی بھی درد بے عزتی کے درد سے بڑا نہیں ہوتا اور معصوب نے مجھے ان دونوں چیزوں کا مزہ چکھایا ہے بہت تلخی ہے اس درد میں خدایہ درد دشمن کو بھی نہ دے۔“ وہ بول رہی تھی پر آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

”اب رو نا نہیں یہ بھائی ہے تمہارے ساتھ۔“ وہ تسلی دے رہا تھا اور وہ اب اسے سنبھال گئی تھی۔

”آپ یہاں ہیں اور سب گمشدہ دو لہے کو ڈھونڈ رہے ہوں گے آپ گھر جائیں دو دن بعد شادی بھی ہے۔“ وہ کچھ شکستگی سے بولی۔

”ہاں پر تم نے آنا ہے بھابی ہونے کے ناطے نہ سہی پر ایک بہن ہونے کے ناطے ہی سہی۔“ وہ مسکرا کر بولا تھا۔ اک مان سا تھا اس پل اس کے لہجے میں۔

”وہ تو میں ویسے بھی آؤں گی آپ کی ویڈیو آرگنائز کر دوں۔“ وہ مسکرائی تھی تو اسے کچھ تسلی ہوئی تھی۔

”پر میرے بچے کو بھی ساتھ لانا ہوگا۔“ ایک تاکید کی تھی ایک پل کو وہ چپ ہوئی تھی پھر مسکرا دی تھی۔

”انشاء اللہ۔“ وہ اخلاق بھانا بخوبی جانتی تھی۔

”اچھا میں چلتا ہوں۔“ وہ آگے بڑھ گیا تھا اور مسکان واپس آسمان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

احد نے تمام حقیقت سب گھر والوں کو بتادی تھی اور سب ششدر اور ساکت کھڑے تھے۔ وجود تو معصوب کا بھی زلزلوں کے جھٹکوں میں تھا سب سے زیادہ نقصان تو اسی کا ہوا تھا وہ بھی اپنی جذباتیت اور شدت پسندی کے ہاتھوں ہی ہوا تھا اس وقت پشیمانی اس کے چہرے پر واضح تھی۔

”دنیا میں سب سے بڑا غصہ جوانی کا ہے جس میں انسان سب کچھ گنوا دیتا ہے۔“ مسز چغتائی اسے ملا متی نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر چلے گئے تھے۔

اپنی زندگی کے کتنے حسین سال گنوا چکا تھا اس کا اندازہ اسے ہو رہا تھا۔

”ارے بیٹا! آپ نے آنے میں بہت دیر کر دی۔“ مسٹر اینڈ مسز چغتائی اس کے پاس آگئے تھے ایک خاص لگاؤ والی تھی لہجے میں اور آنکھوں میں بھی اپنائیت واضح تھی۔

”آئی! وہ رہبان کی وجہ سے دیر ہو گئی یہ ضدی بہت ہے ذرا ذرا سی بات پر اکڑ جاتا ہے ابھی بھی تھوڑی سی بات نہیں مانی تو آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہو رہا تھا۔“ وہ مسکرا کر سادھی کاپلٹھیک کرتے ہوئے بولی تو مسز چغتائی نے پوتے کو گود میں اٹھالیا اور محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔

”بالکل اپنے باپ کی طرح ہے وہ بھی ایسی کی طرح ضدی ہے معصوب بھی بچپن سے ایسا ہی تھا۔“ مسز چغتائی بول رہی تھیں اور وہ حیرت کے جھٹکوں کے اثر میں تھی۔

”آئی! یہ آپ.....“ وہ بول ہی نہیں پار رہی تھی۔

”بیٹا! ہم سب سچائی جان چکے ہیں اور بہت شرمندہ ہیں معصوب کے کئے پر پشیمان ہیں اور اس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں تم بے فکر رہو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں جیسے سو تمہارا بھائی ہے ویسے ہی میں آج سے تمہارا باپ ہوں! اپنے آپ کو اکیلا مت سمجھنا میں ہوں تمہارے ساتھ تم جو بھی سزا تجویز کرو گی ہم سب تمہارے ساتھ ہوں گے۔“ مسز چغتائی اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے تو اس کی آنکھوں میں نمی چھا گئی۔

”ہاں بیٹا! آج سے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور مل کر معصوب کو سزا دیں گے۔“ مسز چغتائی بھی اسے تسلی دینے کو مسکرا کر بولی تھیں اور اسے ساتھ لگالیا تھا۔

”بھینکس آئی.....“ وہ مشکور نظروں سے دیکھنے لگی۔

”آئی نہیں ماما۔“ مسز چغتائی نے کہا۔

”اور میں آج سے تمہارا پاپا ہوں اس لئے آئی انکل کہنا چھوڑ دو۔“ مسز چغتائی پیار سے ڈپٹ کر بولے تو وہ کھل کر مسکرا دی۔

”جی پاپا.....“ مسز چغتائی نے دیکھا تھا وہ بہت معصوم اور بھولی تھی انہیں اپنے بیٹے کی پسند بہت اچھی لگی تھی اور اپنی ضد پر بھی دکھ ہوا تھا۔

”بیٹا! میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں اور ایک ریکوسٹ ہے آپ آج یہیں رکھیں گی۔“ مسز چغتائی کہتے کے ساتھ ہی رہبان کو لے گئے تھے اور وہ بھی خوشی خوشی چلا گیا تھا۔

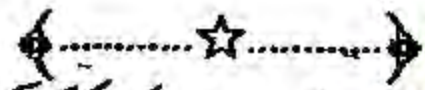
”ماما..... یہنا ممکن ہے میرے لئے۔“ وہ فوراً معذرت کر گئی۔

”بیٹا! والدین کا عہدہ دیا ہے تو کیا مان نہیں رکھو گی۔“ وہ انہیں دیکھ کر سوچنے لگی تھی آخر ہر بار قربانی ایک عورت ہی کیوں دے ہر کسی کی عزت مان وہ ہی کیوں رکھے پر پھر ہتھار ڈال کر اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

نکاح ہو چکا تھا ایمن کو واحد کے برابر میں بٹھا دیا گیا چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی دونوں ہی حسین لگ رہے تھے۔ مسٹر اینڈ مسز چغتائی نے معصوب اور مسکان کے شادی شدہ ہونے اور ایک بیٹے کے والدین ہونے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ مسکان حیران تھی اس وضاحت پر حیران تو سب مہمان بھی تھے سب جانتے تھے معصوب شادی شدہ ہے پر ایک بیٹے کا باپ بھی ہے اور مسکان اس کی بیوی ہے یہ بات حیران کن تھی۔ وہ ہر فنکشن میں تھی پر کسی خاص حوالے کے ساتھ نہیں ایک آرگنائزر کے طور پر اور آج اسے متعارف کروایا جا رہا تھا مسز معصوب چغتائی کے روپ میں ایک معتبر رشتے کے حوالے سے ایک خاص رشتے سے سب کی حیرانی دو چند تھی وہ کچھ نہیں بولی تھی چپ چاپ ایک تماشا ٹائی ٹی سارا کھیل دیکھ رہی تھی

پراس دوران اس نے مسلسل معصوب کی نظروں کو خود پر نوٹ کر کے بہت مہارت سے اگنور کیا تھا۔

ولہن رخصت ہو کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں منتقل ہو چکی تھی شادی خوش اسلوبی سے منٹ گئی تھی سب خوش تھے مسکان بھی وہیں رک گئی تھی رہبان جب سے اس کے پاس آیا ہی نہیں تھا یا تو اپنے دادا کے پاس تھا یا پھر اپنے باپ کے پاس۔ وہ بھی یہ جان کر بہت خوش تھا کہ معصوب اس کے پاپا ہیں وہ اپنی دنیا میں مگن تھا اور مسکان کو اپنے اندر محسوس ہو رہی تھی بے انتہا کی محسوس۔



وہ چیخ کر کے بیٹھی تھی جب ڈور ٹاک ہوا تھا اندر آنے والے کو دیکھ کر کچھ ساعت تک وہ کچھ بول ہی نہیں پائی تھی پھر اس کی گود میں سوئے ہوئے رہبان کو دیکھ کر کچھ کچھ سمجھ گئی تھی اور اسے اٹھانے کے لئے پیش قدمی کی تھی اور اس کی گود سے رہبان کو لیتے ہوئے اس کا ہاتھ معصوب کے ہاتھ سے بچھو ہوا تھا دھڑکنیں یکدم ہی معمول سے ہٹی تھیں پر پھر وہ دوبارہ خود کو ساٹ کر گئی تھی وہ جانتی تھی یہ کس آج بھی اس کے اندر پھیل جانے کی ہمت رکھتا ہے اپنے اندر اس کی خوشبو آج بھی اسے فضا کے ساتھ جکڑ لیتی ہے پر وہ بہت ہی بے تاثری بنی ہوئی تھی۔

”وہ یہ میرے پاس ہی سو گیا تھا تو سوچا دے جاؤں۔“ وہ وضاحت دے رہا تھا حالانکہ اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا رہبان کو بیڈ پر لٹا کر وہ اسے دیکھنے لگی تھی جیسے پوچھ رہی ہو اب کیا ہے؟ پر وہ کہہ نہیں پائی تھی۔

”مسکان! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ آخر میں وہ ساری ہمتیں جمع کر کے بولا تھا انداز گو گو کا سا تھا۔

”جی کہئے.....؟“ اس کا لہجہ نارمل سا تھا۔

”مسکان! میں تم سے.....“ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیسے معافی مانگے.....؟ وہ اس کی ناموس تھی اور اس نے اسے ہی بے عزت کیا تھا۔

”آپ پلیز! تھوڑا جلدی کہئے..... اتنی رات ہو رہی ہے اور مجھے نیند بھی آرہی ہے۔“ وہ بہت نارمل لہجے میں بات کر رہی تھی معصوب حیران تھا۔

”مسکان! تم ٹھیک تو ہونا۔“ اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا وہ اس وقت حالت امن میں تھی جس وقت اسے حالت جنگ میں ہونا چاہئے تھا۔

”جی میں الحمد للہ بالکل ٹھیک ہوں۔“ وہ اس کی باتوں کی نفی کر کے بولی تو اسے کچھ ڈھارس ہوئی۔

”مسکان! میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں میں نے جو کیا وہ ایک بہت ہی بستی کا کام تھا اگر اس دن میں غصے میں کچھ زیادہ کہہ جاتا تو تمہارا بھی نقصان کرنا اور خود کے لئے بھی زندگی بھر کا بچھتاؤا خرید لیتا میں سچ میں اپنے کئے پر بے حد شرمسار ہوں پلیز! مجھے معاف کر دو۔“ وہ اس لیے چوڑے شخص کو پہلی بار جھکتے ہوئے دیکھ رہی تھی جو بہت اکڑا اور خود سر تھا جس کی شدت پسندی انتہائی ناقابل یقین ہوئی تھی وہ آج معافی کا طلب گار تھا اپنے کئے پر پشیمان تھا جھکا ہوا تھا مسکان کے لبوں پر آپ ہی آپ مسکان رینگ گئی تھی۔

”یہ وقت بھی کتنا ظالم ہے۔“ وہ تھی سے بولی تھی پر معصوب کی نگاہ جھک گئی تھی اس چھوٹے سے جملے کے معنی بہت واضح تھے وہ شرمندگی کی گہرائی میں جا کر اٹھا اپنا آپ بہت برا لگ رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس دنیا سے فنا ہو جائے۔

”نہیں معصوب! آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ معافی کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں گنجائش ہو یا کوئی تعلق ہو اور ہمارے سچ یہ دونوں چیزیں ہی نہیں ہیں تو پھر معافی کیسی.....؟ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی کیونکہ غلطی آپ کی بھی نہیں تھی وہ وقت ہی شاید ایسا تھا اس لئے مجھے اس معافی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے

تاریک ہو گیا تھا۔

”کہاں.....؟“ وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی تھی بلاشبہ اس نے اس کے ساتھ برا کیا تھا پر وہ محبت تو کرتی تھی اس سے چاہے ہزار دفعہ بھی کرتی اس بات کی۔

”ملک چھوڑ کر وہ دینی جا رہا ہے ہمیشہ کے لئے کل وہ تم سے آخری بار ملنے آئے گا اس کے ضمیر کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے ہی سہی پر اسے معاف کر دینا دل سے نہ سہی پر زبان سے ہی یہ الفاظ ادا کر دینا اس کی روح پر پڑا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔“ وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور اس کی اڑی رنگت اس کے اندر کے چور کا واضح پتہ دے رہی تھی احد اس کے ری ایکشن پر حیران بھی تھا اور خوش بھی۔

”وہ واقعی شرمندہ ہے بس تم سے معافی مانگنے آئے گا وہ بہت شدت پسند ہے اور تم سے محبت بھی اس نے شدت سے کی ہے اس کی انتہا پسندی سے تم بھی واقف ہو جو بھی ہو اس میں کچھ غلطی تمہاری بھی ہے تمہیں اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھنا چاہئے تھا اگر تم اسے وقت پر سب بتاتیں تو شاید آج یہ سب نہ ہوتا۔“ وہ بہت باریک بینی سے دیکھ رہا تھا اس کی باتوں کا اثر ہو رہا تھا مسکان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اس نے دیکھا تھا کہ لوہا گرم ہے اس لئے چوٹ لگا گیا تھا اور اب لگ رہا تھا کہ چوٹ صحیح جگہ لگی ہے لوہا پگھل رہا تھا اس لئے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا تھا۔

”مسکان! جہاں شدید محبت ہوتی ہے وہاں وہم اور شک جیسی چیزیں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتی ہیں پر یہ آپ پر انحصار کرتا ہے کہ کسی غلط فہمی کو شک کی جگہ نہ بنانے دیں اس کا شک کرنا اس کی شدید محبت کی نشانی تھی وہ آج تک اکیلا رہا ہے کیونکہ اس نے محبت کر لی تھی کیونکہ محبت ایک بار ہوتی ہے جو اسے تم سے ہو گئی تھی پھر وہ دوبارہ محبت کیسے کرتا.....؟ اس کی محبت کی جوت مدھم ضرور پڑی تھی پر اس لوکی تپش ہمیشہ اس کے ارد گرد رہی تھی وہ ہمیشہ تم سے بڑا رہا تھا نفرت کے رشتے سے بندھ کر ہی سہی پر اس نے ہمیشہ تمہیں یاد رکھا ہے اگر ہو سکے تو اسے میرے لئے ہی معاف کر دینا اتنا تو کرو گی نا اپنے بھائی کے لئے.....؟“ وہ آخر میں پوچھنے لگا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔ احد مسکرا کر وہاں سے نکل گیا اسے یقین تھا کہ اب مسکان سچے دل سے معصوب کو معاف کر دے گی۔ مسکان بھی اکیلے میں اپنے ماضی کا احتساب کرنے لگی تھی کہ کیا صرف معصوب غلط تھا یا کوتاہی اس سے بھی ہوئی تھی اور جواب اسے مل گیا تھا جسے پا کر وہ پرسکون ہو گئی تھی اور ایک فیصلہ کر گئی تھی آخری فیصلہ.....

☆.....☆.....☆

”معصوب! تم یہاں۔“ تیمور اپنے آفس سے نکل رہا تھا جب معصوب کو پارکنگ میں دیکھ کر بولا۔

”ہاں تیمور! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“ معصوب اس سے بولا تو وہ سر ہلا گیا پھر وہ ایک ریسٹورنٹ میں چلے گئے۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ کے ایک تقریباً پرسکون اور خاموش کونے میں بیٹھے تھے جب تیمور نے مدعا جاننا چاہا تھا اور ہوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”جی کہئے.....؟“

”تیمور! وہ میں.....“ معصوب کہتے کہتے جھجک رہا تھا۔

”معصوب! آپ بے فکر ہو کر کہئے آپ کو جو بھی کہنا ہے۔“ وہ اس کی جھجک دور کرتے ہوئے خلوص سے بولا تھا۔

”تیمور! میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔“ معصوب نگاہیں جھکا کر بولا تھا آواز کافی پست تھی۔

”کس چیز کی معذرت.....؟“ تیمور تو جیسے بالکل انجان تھا معصوب حیران تھا اس کے انداز و اطوار پر۔

”میں نے جو کیا وہ قابل معافی نہیں پھر بھی اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا میں واقعی اپنے کئے پر شرمندہ ہوں میں نے

جس رخ سے تم دونوں کے پاک اور مقدس رشتے کو دیکھا ہے اس کے بعد تو میں معافی مانگنے کے قابل بھی نہیں رہا ہوں۔“

”آپ نے جو بھی کیا ہے اس میں غلطی ہماری بھی تھی نہ ہم آپ سے کچھ چھپاتے نا آپ کے دل میں شک کا بیج پیدا ہوتا۔“ وہ بہت اعلیٰ ظرفی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔

”تم خود کو ذمہ دار ٹھہرا رہے ہو۔“ معصوب حیران تھا تیمور اس کے جملے پر مسکرا دیا۔

”جی میں اپنے آپ کو بھی ذمہ دار ٹھہرا رہا ہوں کیونکہ جانتا ہوں غلطی میری اور مسکان کی طرف سے بھی ہوئی ہے اگر ہم لوگ آپ کو اعتماد میں لے کر سب بتا دیتے تو یہ سب نہیں ہوتا پر ہمارے بتانے سے پہلے ہی حالات دوسرا رخ لے گئے آپ کی غلطی اگر ہے تو غلط ہم بھی تھے۔“ معصوب اس کا ظرف دیکھ رہا تھا جو بہت سکون سے اپنی غلطی کا اعتراف کر گیا تھا اسے اس اعلیٰ بندے پر رشک آیا تھا۔

”نہیں پھر بھی تم مجھے معاف کر دینا میرے ضمیر پر پڑا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔“ معصوب کی شرمندہ آواز نے تیمور کو اس کی شکست کا پہلو دکھا دیا تھا۔

”آپ بے فکر رہیں میرے دل میں آپ کے لئے کوئی میل نہیں ہے آپ بہنوئی ہیں میری بہن کے شوہر ہیں میرے دل میں آپ کے لئے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔“ وہ مسکرا کر بولا تھا کہ ماحول پر طاری کشاف تھوڑی کم ہو۔

”شکریہ.....“ وہ مشکور ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”معصوب.....“ وہ دو قدم ہی چلا تھا جب تیمور کی آواز آئی تھی اس نے مڑ کر دیکھا تھا وہ مسکرا رہا تھا۔

”بیٹ آف لک۔“ وہ بہت دوستانہ انداز میں مسکرا کر بولا تھا۔

”وہ آج بھی تمہاری مسکان ہے میں جانتا ہوں تم اس کے پاس جا رہے ہو وہ بدلی نہیں ہے۔ اپنے اوپر خول چڑھا رکھا ہے جو شاید پگھل چکا ہے اس کے پاس جا کر اپنی محبت کی شدت کا یقین دلادو وہ مان جائے گی۔“ معصوب حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا کہ وہ یہ کیا بول رہا ہے اور پھر اسے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔

”وہ میری مسکان نہیں بدل گئی ہے وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے نہیں مانے گی۔“

”وہ میری بہن ہے جانتا ہوں اسے وہ وہی مسکان ہے نرم دل ڈرپوک سی اور وہ آج بھی تم سے اتنا ہی پیار کرتی ہے جاؤ جا کر منالو مان جائے گی یہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں آخر بھائی ہوں اس کا۔“ تیمور اس کی آنکھوں کا سوال جیسے پا گیا تھا مسکرا کر بولا تو معصوب بھی مسکرا دیا اور اپنی منزل کی طرف چل پڑا پر دل بس اب ایک ہی تمنا کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ اپنی وارڈ روم سیٹ کر رہی تھی جب ماسی نے بتایا تھا کہ مہمان آئے ہیں وہ سمجھ گئی تھی کون ہوگا اس لئے کمرے میں بیچنے کو کہہ دیا تھا وہ اپنی وارڈ روم سیٹ کر کے مڑی تھی جب اپنے مقابل معصوب کو اتنا قریب دیکھ کر بوکھلا گئی تھی پھر دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ رہبان کو احد لے گیا تھا وہ کل سے چغتائی پبلس میں تھا۔

”مسکان.....“ یہ پکار آج بھی اس کا دل دھڑکا دیتی تھی اس کا دل بے ترتیب ہوا تھا۔

”جی.....“ مسکان ساٹ لہجے میں بولی۔

”میں تم سے آج آخری بار ملنے آیا ہوں اپنی غلطی کا اعتراف کرنے آیا ہوں جو میں نے گزرے زمانے میں کی شک جس کی آگ میں خود تو جلا ہی پر تم کو بھی جھلسا دیا میں بہت برا ہوں تم سے محبت تو کرنی پر اعتبار نہیں کیا تم پر تم کو چاہا تو بے پناہ پر ایک شک کی چنگاری سے اپنا پورا آشیانہ جلا دیا۔ اسے اس شک میں اپنے بننے کو بھی قتل کرنے کے درپے ہو گیا پر ایک بار بھی تم سے دریافت نہیں کیا اپنا شک دور کرنے کی کوشش نہیں کی میں غلط تھا بہت غلط.....“ وہ کہہ رہا تھا چہرے سے

کرب واضح تھا آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی تھی ان کی جگہ ایک گہرا اضطراب تھا، مسکان کا دل جیسے بند ہونے کو تھا اس نے یہ تو نہیں چاہا تھا کہ وہ شخص جس سے وہ بے پناہ محبت کرتی ہے اس بری طرح تکلیف سے گزرے۔ وہ رکا تھا پھر رخ اس کی طرف سے موڑ کر پھر بولنا شروع ہوا تھا۔

”مسکان! میں تم سے کل بھی بے انتہا محبت کرتا تھا اور آج بھی کرتا ہوں، بلکہ شاید اب تو اس سے بھی زیادہ کرتا ہوں کیونکہ دل کے ایک کونے میں تمہاری محبت کا دیا ہمیشہ روشن تھا جسے میں نفرت کی آگ سمجھ کر کبھی دیتا رہا اور اس کی شمع ہمیشہ روشن رہی، پرچ بولوں آج سمجھ میں آیا ہے کہ نفرت کی آڑ میں ہمیشہ محبت کی نفرت تو کبھی تھی ہی نہیں، میں نے تمہارے رشتے کو غلط سمجھا اس کے لئے مجھے معاف کر دو۔ میں کل جا رہا ہوں ہمیشہ کے لئے تمہاری اور ربان کی زندگی سے، بس آج تمہارے پاس معافی مانگنے آیا ہوں مجھے معاف کر دو اپنے ہر عمل کے لئے تمہاری ہر اذیت کے لئے ربان کی ہر تشنگی کے لئے تمہارے کردار پر کچھ اچھا کرنے کے لئے مجھے معاف کر دو۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا تھا آنکھوں کی سطح نم تھی وہ معافی کا طلب گار تھا اور وہ تو دل سے اسے معاف بھی کر چکی تھی۔ جب تنہائی کی گھڑیوں میں گزرے دنوں کا حساب کیا تھا تو اپنی بھی غلطی نظر آ گئی تھی، معصوب نے اسے سپاٹ نظروں سے اپنی طرف دیکھتا پایا اور شاید کچھ اخذ کر کے باہر کی طرف بڑھا تھا جب مسکان نے اسے صدادی تھی۔

”معصوب.....“ یہ اک نام نہیں تھا امید کا دیا تھا جو روشن ہوا تھا معصوب نے مڑ کر دیکھا تھا اس کی آنکھیں سمندر بنی ہوئی تھیں جل تھل نین معصوب کو بے قرار کر گئے تھے۔

”مسکان تم روؤ نہیں پلیز..... آئی ایم سوری“۔ وہ بے قراری سے آگے بڑھا تھا اور اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا مسکان اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگی تھی کتنے دقت کے بعد یہ شانہ میسر آیا تھا یہ حفاظتی پناہ ملی تھی ورنہ ہمیشہ وجود دھوپ میں رہا تھا جلتی دھوپ میں۔

”معصوب! آپ کیوں کرتے ہیں ہمیشہ ایسا کیوں.....؟“ وہ کافی دیر رونے کے بعد اک جھٹکے سے اس سے الگ ہو کر چیخ کر بولی تھی۔

”کیا.....؟“ معصوب حیران ہوا تھا اس کا شعلہ جوالہ روپ دیکھ کر۔

”آپ ہمیشہ ایسا کرتے ہیں جو دل میں آتا ہے سمجھ لیتے ہیں دوسرے سے دریافت ہی نہیں کرتے کہ اس کے دل میں کیا ہے ہمیشہ جو اپنے دل میں آتا ہے کرتے ہیں پہلے میرے اوپر انگلی اٹھائی پھر مجھے چھوڑ گئے اور ایک بار پوچھا بھی نہیں آپ کہتے ہیں آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں پھر یہ کیسی محبت ہے جو میرے دل تک رسائی ہی نہیں پاتی.....؟ جو میرے دل سے ہی ناواقف ہے.....؟ آپ نے پہلے مجھے چھوڑا تھا اور آج معافی مانگ رہے ہیں پھر کہہ رہے ہیں کہ میں جا رہا ہوں آپ نے کیا سمجھ رکھا ہے مجھے موم کی گڑ یا مٹی کا کھلونا..... نہیں معصوب! میں بھی ایک انسان ہوں ایک جیتا جاگتا سانس لیتا وجود ہوں میری بھی کچھ خواہشات ہیں کچھ آرزوئیں ہیں کچھ چاہتیں ہیں پر آپ نے آج بھی مجھے ایک بت سمجھا ہے جس کے آگے آئے اپنے کئے پر معافی مانگی اور پھر اسے ایک کڑی جدائی کی سزا دے کر اپنی راہ کی طرف چل دیئے کبھی سوچا ہے میں کیا چاہتی ہوں میرا دل کیا کہتا ہے.....؟ میرے کیا ارمان ہیں.....؟“ وہ مسک رہی تھی۔

”نہیں یہاں تو آپ کو بس اپنی ہی ہے معافی مانگ کر ایک بار پھر غلطی کرنے جا رہے ہیں مجھے اور ربان کو ایک بار پھر اس درندہ صفت انسانوں کی دنیا میں اکیلا چھوڑ کر جا رہے ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لئے“۔ وہ مسلسل بول رہی تھی۔

”آپ نے اس بار بھی صرف اپنا فیصلہ مسلط کیا ہے کسی دوسرے سے اس کی خواہش نہیں پوچھی کہ وہ کیا چاہتا ہے آپ نے کیوں نہیں پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں.....؟ میری کیا آرزوئیں ہیں“۔ وہ بری طرح رو رہی تھی اور اس کے

سنے پر کئے، ناز ہی تھی اس سے شکوہ گزری تھی اپنا درد سنار ہی تھی اور معصوب جیسے پرسکون ہونا جا رہا تھا اس کے وجود پر تڑپا۔ بوجھ کھٹکتا جا رہا تھا اس نے اس کے کالر کو پکڑ کر جھنجھوڑا لایا تھا۔

”آپ پوچھتے تو ایک بار..... تو میں بتاتی میں کیا چاہتی ہوں.....؟ آپ کا ساتھ چاہتی ہوں آپ کی چھاؤں میں رہنا چاہتی ہوں ان پتھر لیے راستوں پر چلتے چلتے میرے پاؤں تھک گئے ہیں معصوب میں آپ کے ساتھ کہیں رک جانا چاہتی ہوں ٹھہر جانا چاہتی ہوں معصوب! میں آپ کی پہلی دلی محبت چاہتی ہوں اپنے بیٹے اور آپ کے ساتھ ایک پرسکون زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں ایک جنت بنانا چاہتی ہوں جہاں صرف ہم چار وجود ہوں میں آپ ربان اور محبت..... کسی پانچویں شخص کی جگہ ہی نہ ہو ایک ایسی دنیا بسانا چاہتی ہوں پر آپ کو کیا آپ کو تو صرف معافی چاہئے جائیں میں نے آپ کو معاف کیا معصوب! ہر چیز سے بری الزمہ کیا میں نے اپنے دل کے ہر کونے سے آپ کو آزاد کیا“۔ وہ کہتے ہوئے پیچھے کی طرف دیوار سے جا لگی تھی اور کھڑکی کی طرف آ کر رخ موڑ گئی تھی آنکھیں جیسے سمندر بنی ہوئی تھیں ٹھہرنے کو تیار ہی نہیں تھیں معصوب اس کا اقرار پا کر جیسے سرشار ہو گیا تھا۔

”مسکان.....“ وہ محبت سے پکار کر اس کی طرف بڑھا تھا اور شانوں سے تمام کر رخ اپنی طرف کر گیا تھا۔

”تم کہتی تو ایک بار میں کون سا تمہارے بنا سکون سے رہتا اپنے بیٹے اور تم کو چھوڑ کر جانے کا تصور ہی سوہان روح تھا تمہارے سکون کے لئے میرے سکون کا برباد ہونا ضروری تھا تمہارے بنا تو میرے دن ایسے گزرے ہیں کہ میں بیان ہی نہیں کر سکتا، بس اپنی پانچ سال کی زندگی کی تکالیف کو شاید ان لفظوں میں بیان کر سکتا ہوں۔

”جس دن سے جدا ہم تم سے ہوئے

اس دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا“

”مسکان! آج تم نے مجھے نئی زندگی کی نوید سنائی ہے ورنہ تم سے ایک بار پھر جدا ہو کر شاید میں مر ہی جاتا“۔ وہ بولا تھا اور مسکان اس سے لپٹ کر ایک بار پھر رددی تھی۔

”معصوب! آپ بہت برے ہیں آپ نے میرے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا تھا آپ بہت برے ہیں“۔ وہ روتے اٹے بیچ میں بولی تھی اور معصوب مسکرا دیا تھا۔

”ہاں میں واقعی بہت برا ہوں پر آج سے پراس ہے کہ ہمارے تمہارے بیچ اب محبت کے علاوہ کسی کی بھی جگہ نہیں ہوگی نہ ہی کسی شک کی اور نہ ہی کسی غلط فہمی کی اب میں اپنی محبت کو کوئی تکلیف نہیں دوں گا“۔ معصوب اس کے ماتھے پر محبت کی مہر ثبت کر کے بولا تھا تو وہ بھی اس سے الگ ہو کر مسکرا دی تھی۔

”اب کبھی مجھ پر شک مت کرئے گا ورنہ میں جیتے جی مرجاؤں گی“۔ وہ بھیگی آنکھوں سے بولی تھی۔

”مسکان.....“ اس کے الفاظ نے جیسے اس کی بنیاد ہلا دی تھی تو وہ اسے ٹوک گیا تھا۔

”آئندہ مرنے کی بات مت کرنا ورنہ میری روح تم سے پہلے ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے گی میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں اور آئندہ ہمارے بیچ کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی سمجھیں تم“۔ وہ محبت سے ہاتھ تھام کر مسکرا دیا تھا۔

”چلو گھر چلتے ہیں سب تمہیں دیکھ کر سر پر اتر ہو جائیں گے“۔ معصوب نے کہا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلانے لگی تھی اور دیکھتے دیکھتے اپنے دگر پر آ گئی تھی اب واقعی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بلاشبہ محبت ایک بہت مضبوط دیوار ہے پر جب دیوار پر دھک لگ جائے تو یہ دیوار کمزور پڑ جاتی ہے اس لئے ہمیں کسی پر بھی شک کرنے سے پہلے اس غلط فہمی کو دور لمانا چاہئے جس سے یہ شک پیدا ہوا ہو کیونکہ شک انسان کے لئے زندگی بھر کے پچھتاوے چھوڑ جاتا ہے۔

دل کی تیرہ سہری رات

وہ دونوں جیسے ہی اندر داخل ہوئے سب سے پہلے عدی کی نظر دونوں آستینیں چڑھائے دوپٹہ کمر سے باندھے دیواریں ناپتی روح پر پڑی اس نے گردن موڑ کر اپنے پیچھے آتے فیزی کو دیکھا وہ ایک دم بوکھلا گیا



تھا دونوں اکٹھے آگے بڑھے روح نے بھی دونوں کو دیکھ لیا تھا سچی رک گئی تھی اور اب خونخوار نظروں سے فیزی کو گھور رہی تھی۔

”فیزی! اب خود لا اپنا مقدمہ“۔ عدی اس کے کان میں گھس کر بولا۔

”کوئی مشورہ ہی دے دے“۔ وہ تھوک نکلے ہوئے بولا۔

”مشورہ..... وہ تیری جان بخشی کر دے یہ ہی بڑی بات ہے“۔ عدی کہتا ہوا روح کے پاس سے گزر کے اندر چلا گیا روح نے دوبارہ فیزی کو دیکھا۔

”آ..... کیا ہوا روح! یہاں کیوں کھڑی ہو.....؟“

وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

”فیزی! تمہیں آخر مجھ سے دشمنی کیا ہے.....؟ تمہیں اگر میرا اس گھر میں رہنا گوارہ نہیں ہے تو مجھے صاف صاف بتا دو میں چلی جاتی ہوں یہاں سے“۔ وہ تنک کے بولی۔

”مم..... میں نے ایسا کب کہا“۔ وہ بوکھلا کر بولا۔

”فیزی! میں ماسٹرز کے بغیر شادی نہیں کروں گی سمجھے“۔ وہ انگلی اٹھا کر تیزی سے بولی۔

”روح جان! تم ماسٹرز شادی کے بعد کر لینا میں تمہیں کونسا منع کروں گا“۔ وہ اس کے پاس آ کر بولا۔

”تمہیں آخر اتنی جلدی کیا ہے“۔ وہ جھلائی۔

”دیکھو روح ڈیر.....“ وہ روح کو کندھوں سے تھام



کے کرسیوں تک لایا اور اپنے سامنے بٹھا کر بولا۔
 ”میری طرف دیکھو روح.....“ روح نے اس کی طرف دیکھا۔ بس یہیں وہ ہار جاتی تھی۔
 ”اب اور انتظار نہیں ہوتا مجھ سے۔“ وہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔
 ”فیزی! مجھ سے چیٹنگ نہیں کرؤ۔“ روح اس کے لہجے سے گھبرا گئی فیزی اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا روح کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے پلکیں لرز رہی تھیں فیزی کے اس ہتھیار کے سامنے وہ بے بس ہو جاتی تھی وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔
 ”تم کبھی دھیان سے میری بات نہ سننا۔“ کہتی ہوئی مڑی تو اس کی کلائی فیزی کے ہاتھ میں آ گئی روح کا دل اچھل کے حلق میں آ گیا۔
 ”روح! اس انتظار کو اور طول مت دو ورنہ.....“
 اور روح اس سے ہاتھ چھڑا کے اندر کو بھاگ گئی فیزی مسکرا کر رہ گیا۔

☆.....☆

”روح بیٹا! تمہارے والدین کے بعد تمہاری ذمہ داری اب ہم پر ہے ہم نے کبھی تم میں اور باقی بچوں میں فرق نہیں کیا اب تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تو ہم اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے۔“ صبح ناشتے کی میز پر بڑے ابا نے بات شروع کی تو وہ چونک گئی اس نے اپنے سامنے بیٹھے فیزی کو دیکھا وہ ہر چیز سے بے نیاز نامتہ کرنے میں لگن تھا۔
 ”بیٹا! تم پر کوئی بوجھ نہیں ہے اپنی مرضی سے فیصلہ کرنا میں نے اور صائمہ نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری اور فرازین کی شادی کمر دی جائے تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے.....؟“ اب کے بڑے ابا نے ڈائریکٹ پوچھا تو وہ بوکھلا گئی فیزی کا منہ انڈے کی پلیٹ میں ہی چھنس گیا عدی پانی پیچے پیتے رک گیا رو بہ بڑے ابا کے لئے چائے لے کر آ رہی تھی وہ بھی چونک گئی۔

”وہ بڑے ابا میں..... وہ دراصل.....“ روح کی بوکھلاہٹ عروج پر تھی۔

”ہاں بیٹا بولو.....“
 ”وہ بڑے ابا مجھے فیزی میرا مطلب ہے فرازین سے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ ایک جملے میں بات مکمل کر کے وہ اٹھی اور اوپر بھاگ گئی فیزی انڈے کی پلیٹ سے نکلا اور بمشکل ہنسی روکتا باہر نکل گیا عدی جگ کو منہ لگائے لگائے کچن میں بھاگ گیا رو بہا بھی مسکرا دی۔
 ”پاگل.....“ بڑے ابا بڑی امی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

”روح اور فیزی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے روح ماسٹرز کے بعد شادی کرنا چاہ رہی تھی لیکن ادھر فیزی کا ایم بی اے مکمل ہوا ادھر اسے جاب ملی اور اس نے بڑے ابا سے بات کر لی روح انکار نہ کر سکی وہ چھوٹی امی کی بھانجی تھی فیزی سے چھوٹی اور عدی سے بڑی تھی فیزی اور عدی چھوٹی امی کے فرزند تھے چھوٹے ابا کی دو سال پہلے وفات ہو گئی تھی فیزی اور عدی کی ایک پھوپھی شوہر کے انتقال کے بعد سے ان کے ساتھ رہ رہی تھیں رو بہا ان کی بیٹی تھی ان تینوں سے بڑی تھی رو بہا کے ساتھ بھی ایک بہت بڑا دکھ جڑا ہوا تھا بڑی امی اور بڑے ابا کا اکلوتا سپوت زہر قان اپنی کلاس فیلونڈا کو پسند کرتا تھا بڑے ابا نے اس کا رشتہ رو بہا سے کر دیا وہ نہ مانا بڑے ابا نے عاق کر دینے کی دھمکی دے دی اپنی مرضی کے خلاف وہ رو بہا سے نکلا کر کے اور اپنا حصہ لے کر اسی رات گھر سے چلا گیا کچھ عرصے بعد انہیں پتہ چلا کہ اس نے خدا سے شادی کر لی ہے اور وہ دونوں آج کل دہلی میں ہیں تین سال ہو گئے تھے رو بہا کو اس کے نام پر بیٹھے ہوئے اب نہ اسے اپنانے کی بات کرتا تھا نہ چھوڑنے پر آمادہ ہوتا تھا بڑے ابا بہن سے منہ چھپاتے اور رو بہا بڑی امی کی سسکیوں پر پشیمان ہو جاتی تھی یہ گھران سب کے لئے جنت تھا جہاں عدی کے قہقہے فیزی اور روح کی نوک جھونک سب کو جینے کی امید دے رکھتی تھی اب روح کے ہاں کرتے ہی گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔

☆.....☆

وہ چاروں لان میں بیٹھے چائے اور پکڑوں سے انصاف کر رہے تھے۔
 ”تمہارا کیوں منہ لٹکا ہوا ہے۔“ فیزی گھونٹ بھر کے عدی سے بولا وہ گم صم پکڑے پہ پکڑہ نکل رہا تھا۔
 ”بڑے ابا سے جھاڑ پڑی ہے۔“ رو بہا نے مسکراتے ہوئے اس کے آگے سے پلیٹ ہٹائی عدی مزید غمزہ ہو گیا۔

”کیوں..... جھاڑ کیوں پڑی ہے.....؟“ فیزی حیران ہوا۔

”کالج سے شکایت آئی تھی بڑے ابا کو کہ استادوں کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہے۔“ عدی تڑپ گیا۔
 ”جھوٹ..... میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی وہ کمپیوٹر کے پروفیسر استاد ہونے کے فائدے گنوار ہے تھے کہنے لگے ڈاکٹرز کو دیکھا ہے کیسے کیسے ہوتے ہیں انجینئرز کو دیکھا ہے کیسے کیسے ہوتے ہیں لیکن پروفیسرز کو دیکھو..... میں نے کہہ دیا کہ کیسے کیسے ہوتے ہیں۔“ فیزی اور روح کا مشترکہ قہقہہ گونجا۔

”کوئی بات نہیں میرے بھائی! کبھی کبھی سچ بولنے پر ایسے ہی ڈانٹ پڑتی ہے۔“ فیزی بولا۔

”جی ساتھ والوں کے گھر سے ایک سفید گیندان کے لان میں آ کر گری اور ٹھیک چند سیکنڈ بعد گیٹ کھول کر ایک لڑکی اندر آئی کپیری پا جاوے اور انتہائی فنگ کی شرٹ پر بغیر دوپٹے کے ادھر ادھر دیکھ کر وہ سیدھی ان کی طرف آئی۔“
 ”نشیں یہاں ہماری بال آئی ہے۔“

”جی آئی تو ہے۔“ فیزی مسکراتے ہوئے بولا روح کی تیوری چڑھ گئی۔

”کہاں ہے.....؟“ لڑکی کی نظریں فیزی کے ہرے سے چپک ہی گئیں۔

”وہاں کیاری میں جائیں اٹھالیں۔“ روح چبا چبا کر بولی۔

”فیزی لڑکی دیکھ کر تمہاری رال کیوں ٹپک پڑتی ہے۔“ روح نے اسے لتاڑا۔

”دیکھو روح ڈیر! اب اگر اتنی قیامت لڑکی مجھ سے ہنس کر بات کرے گی تو میں کوئی پاگل تو نہیں ہوں ابویں اکڑ دکھاؤں۔“ وہ کہتے ہوئے کھڑا بھی ہو گیا۔
 ”ہوں میں بتاتی ہوں تمہیں۔“ وہ پکڑوں کی خانی پلیٹ اٹھا کر اس کے پیچھے بھاگی عدی اور رو بہا دونوں ہنس دیئے۔

”کزن! آپ نے کیا سوچا ہے.....؟“
 ”کس بارے میں۔“ رو بہا اس کی طرف دیکھ کر بولی۔
 ”زہر قان بھائی کے بارے میں۔“ عدی بولا تو رو بہا چپ کر گئی۔

”دیکھو رو بہا! صبر اچھی چیز ہے مگر میری ایک بات یاد رکھنا ہمیشہ دکھ ہی خوشیوں کے راستے بند نہیں کرتے کبھی کبھی صبر بھی سکھ کی راہ کی دھول بن جاتا ہے۔“ وہ کہتا ہوا اٹھ گیا اور رو بہا ایک بار پھر پریشان ہو گئی ایسے معنی خیز جملے وہ اکثر کہتا رہتا تھا تب بھی جب اس کا نکاح نہیں ہوا تھا بعض اوقات تو وہ الجھ جاتی تھی اب بھی گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔

☆.....☆

روح مائیوں بیٹھ گئی تھی شام کو جب رو بہا چائے لے کر بڑے ابا کے کمرے میں آئی تو وہ بڑی اور چھوٹی امی کے ساتھ شادی کا کھانا ڈسکس کر رہے تھے وہ وہیں بیٹھ گئی فیزی سو رہا تھا عدی کہیں باہر گیا ہوا تھا باتوں کا رخ زہر قان کی طرف مڑا تو وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔

”زہر قان کو تو اطلاع کر دیں۔“ بڑی امی بولیں۔
 ”اس نے کون سا آتا ہے۔“ بڑے ابا لا پرواہی سے بولے۔

”پر اطلاع تو ضروری ہے نا بھائی جان۔“ چھوٹی امی بھی بولیں۔

”دوں گا مگر وہ نہیں آئے گا بڑی اکڑ ہے اس میں ابھی تک اپنے آپ کو حق پر سمجھ رہا ہے۔ ماں باپ اگر اولاد کے لئے ہمیشہ برا نہیں سوچتے تو اولاد بھی ہمیشہ اپنے لئے اچھا نہیں سوچتی۔“ بڑے ابا اس سے سخت تالاں تھے۔

”وہ نہیں جھکتا تو آپ ہی جھک جائیں خواہ وہ روبا کی زندگی برباد ہو رہی ہے۔“ بڑی ای بولیں۔

”جھک تو گیا ہوں کہا تو ہے اسے کہ بچی کو طلاق دے دے مگر نہیں.....“ بڑی ای چپ کر گئیں یہ موضوع جب چھڑتا تھا تلخ کلاہی پر ہی ختم ہوتا تھا۔

آخر مہندی کا دن آپہنچا روبا دوسرے کاموں میں الجھی ہوئی تھی اس لئے بیویشن گھر پر ہی بلوائی تھی فیزی خود ہی ڈھول لے کر بیٹھ گیا۔

”غضب خدا کا جس کی شادی ہے وہ خود ہی ڈھول بجا رہا ہے۔“ ایک رشتہ دار خاتون دیکھ کر بولیں۔

”ہاں تو آئی! جب کوئی اور یہ کام نہیں کرے گا تو میں ہی کروں گا تا بعد میں حسرت نہیں رہے گی۔“ وہ بولا پھر کافی دیر تک ڈھول بجا بجا کر بے سکتے گانے گا تا رہا عدی آیا تو دونوں اور شیر ہو گئے اندر بیٹھی روبا ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی اسے پتہ تھا سب اسے سنانے کو ہو رہا ہے۔

”بہت پیار کرتے ہیں آپ کے سہینڈ تو آپ سے۔“ بیویشن بھی ہنس دی۔

”مہندی والے دن روبا تو اچھی لگ رہی تھی وہ بھی معقول سے حلقے میں بہت دجیہ لگ رہا تھا۔“

”قدسیہ کے دونوں بیٹے ہیں بہت خوبصورت۔“ کسی عورت کی بات سن کر عدی باغ باغ ہو گیا سب نے زبرقان کا پوچھا بڑی ای نے سب کو اس کی معصوفیات کا کہہ کر چپ کر دیا عدی اور فیزی دونوں نے اسے اطلاع کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہیں آیا تھا بڑی ای کی آپہن سن کر روبا خود کو قصور وار سمجھ رہی تھی بڑی ای کا بھی کوئی قصور نہیں تھا وہ بھی آخر اکلوتے بیٹے کی خوشیاں دیکھنے کی آرزو مند تھیں۔

آخر شادی کا دن آپہنچا اس دن روبا پارلر سے تیار ہو کر آئی تھی ایک تو وہ رہتی سادہ تھی دوسرے اس کے چہرے پر معصومیت بہت تھی اس دن اس پر ٹوٹ کے روپ آیا وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ فیزی کو عدی باہر سے ڈھونڈ کر لایا۔

”خدا کو مان فیزی! آج تو ڈھنگ کے کپڑے پہن لے۔“ روبا اس کا سوٹ لے کر آئی۔

”رہنے دیں وہ مجھے ایسے ہی قبول کر لے گی۔“ وہ کسی صورت بھاری بھر کم شیروانی پہننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

”فیزی! تم کیا وہ بدرنگ جینز اور گلابی شرٹ پہنو گے۔“ روبا ویسے ہی بہت تھکی ہوئی تھی ایک دم چیخ پڑی۔

آخر فیزی نے وہ شیروانی پہن لی اور جس لمحے اس کے برابر روبا کو لا کر بٹھایا گیا تو وہ سیدھا نہ رہ سکا۔

”ارے بھئی دو لمبے کی ڈائریکشن تو ٹھیک کرؤ۔“ کسی نے آواز لگائی۔

”دہن تو نظروں سے ہی پگھل جائے گی۔“ کوئی دوسری آواز آئی تھی مگر فیزی کے پاس سب کی باتوں کا جواب ایک خوبصورت سی مسکراہٹ تھی۔ جس لمحے بڑے ابا نے روبا کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ بے تحاشا روبا۔

”فیزی! یہ تو بہت ہی روبری ہے۔“ عدی بولا۔

”تو اس کی فکر میں نہ گھل میں خود ہی چپ کر والوں کا۔“ فیزی مسکرا کر بولا پھر روبا اور چھوٹی ای اسے اوپر فیزی کے کمرے میں چھوڑ گئے کمرہ روبا اور عدی نے مل کر سجایا تھا پہلے اس نے اپنا میک اپ ٹھیک کیا پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ فیزی کمرے میں داخل ہوا جیسے ہی اس کی نظر روبا پر پڑی یہ وہ روبا تو نہیں تھی جسے وہ بچپن سے دیکھتا آ رہا تھا یہ تو کوئی اور تھی پرستان کی ملکہ کسی ملک کی شہزادی۔

”روبا.....“ کہتے ہوئے وہ اس کے قریب ہوا وہ روبا کے چہرے سے نگاہیں ہٹاتا ہی بھول گیا روبا شیشا گئی۔

”روبا! تم میری ہونا صرف میری.....“ وہ اسے کندھوں سے تھام کے اپنی طرف موڑتے ہوئے بولا روبا کی پلکیں جھک گئیں۔ فیزی نے اس کی کلائی میں بریسلٹ پہنائی۔

”روبا! زندگی بھر میرا ساتھ دینا دو گی نا؟“ وہ اس کا چہرہ تھا اسے پوچھ رہا تھا اثبات میں سر ہلاتا وہ اس کے کندھے سے لگ گئی اور فیزی اسے خود میں

سمیٹا چلا گیا۔

”مثلاً کون.....؟“ اس نے پوچھا۔

”مثلاً میں.....“ بڑے مضبوط لہجے میں کہتا وہ باہر نکل گیا روبا سن رہی تھی وہ در پردہ جو کہہ کر گیا تھا وہ سمجھ گئی تھی۔

اگلے دن فیزی اور روبا کا ولیمہ تھا دونوں کے چہروں سے لگ رہا تھا کہ دونوں خوش ہیں آج چونکہ اتنا کام نہیں تھا سو روبا خود بھی تیار ہو گئی ذہ خوبصورت تھی مگر خوبصورتی ہی سب کچھ نہیں ہوا کرتی نصیب اچھے ہونے چاہئیں اسے پتہ ہی نہ چلا عدی کب اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

”میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ زبرقان بھائی ہوتے تو تمہاری تعریف ضرور کرتے کیونکہ وہ اگر ہوتے بھی تو انہوں نے تمہاری تعریف نہیں کرتی تھی۔“ وہ چپ رہی۔

”کیا سوچ رہی ہو.....؟“ وہ بولا۔

”روبا اور فیزی کے بارے میں۔“

”کزن! کبھی اپنے بارے میں بھی سوچ لیا کرؤ۔“ وہ چونک گئی۔

”میرے لئے سوچنے کو کچھ نہیں ہے۔“ وہ بولی۔

”چلو کسی اور کے بارے میں سوچ لو۔“

”کس کے بارے میں.....؟“ وہ اس کی ذومعنی باتوں سے جھلا گئی۔

”میرے بارے میں.....“ اس کی ناک کو انگلی سے چھوتا وہ اس کی طرف بڑھ گیا روبا اس کا لس ہی محسوس کرتی رہ گئی آنے والا وقت اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔

”اچھا.....“ میرا نصیب کس کی دعائیں بدلیں گی میری.....؟ میری دعاؤں نے میرا نصیب بدلنا ہوتا تو اب تک بدل چکی ہوتیں۔“ وہ تلخ ہو گئی عدی نے کپ خالی کر دیا تھا۔

”تمہیں لگتا ہے تمہاری ذات کے لئے صرف تم ہی دعائیں کرتی ہو.....؟“

”ہاں اور بالکل ٹھیک لگتا ہے۔“ وہ بولی۔

”نہیں روبا! تمہارے لئے اور بہت لوگ.....“

مگر اس کا شوہر تھا اور اسے اپنے شوہر سے محبت تھی اس دن وہ لان میں کھڑی رہی صاف کر رہی تھی فیزی آفس گیا ہوا تھا روح سو رہی تھی عدی یونیورسٹی سے آیا تو سیدھا اس کی طرف ہی آ گیا۔

”کیا کر رہی ہو کزن.....؟“ وہ بولا۔

”میرے خیال میں کھانا صاف کر رہی ہوں۔“ وہ تڑک کے بولی اس کی اکثر باتوں کا جواب وہ اب تڑخ کے ہی دیا کرتی تھی۔

”اچھا میں سمجھا نہیں پار کر رہی ہو۔“ وہ باچپ رہی۔

”ویسے کزن! ان کا انتظار کرنا چھوڑ دو وہ اب نہیں آئیں گے۔“

”کیوں.....؟“ وہ بے اختیار بول پڑی۔

”تم اچھی طرح جانتی ہو اولاد کی محبت بیوی سے زیادہ عزیز اور مضبوط ہوتی ہے۔“

”بکواس نہیں کیا کرو ہر وقت۔“ وہ دوبارہ کام میں لگ گئی عدی جلتا ہوا اس کے پاس آ بیٹھا۔

”انتظار اچھی چیز ہے روہا! لیکن اس کا انتظار جس کے لوٹ آنے کی کوئی امید بھی ہو۔“ وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اس دن اچانک روح کی طبیعت خراب ہو گئی اور گھر میں ایک بار پھر خوشیاں آ گئیں روہانے اسے اسی دن بستر پر بٹھا دیا روح پریشان تھی اسے فیزی کے رد عمل سے خوف تھا۔

”فیزی! مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔“ وہ اس کے پاس آ کر بولی۔

”ہاں بولو.....؟“ وہ ٹائی کھولتا ہوا بولا۔

”وہ فیزی دراصل.....“ روح کو شرم آ گئی۔

”بولو روح! کیا بات ہے.....؟“ فیزی اس کی طرف مڑا۔

”فیزی وہ.....“ روح سے بولا نہ گیا۔

”روح! کوئی خاص بات ہے۔“ وہ بولا تو روح نے

”ذہن کا تھکا ہوا ہے۔“ وہ بولتا تھا۔

”اب تو وہ اور کتنے ہو جائے گا اب تو بالکل نہیں آئے گا۔“ وہ آنسو چھپاتی اپنے کمرے میں چلی گئی سب کو پتہ چل گیا تھا بڑی ای پوتے کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہی تھیں۔

وہ تیس پر کھڑی تھی جب عدی کسی کام سے اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”روہا ڈیر! یوں اداس مت رہا کرو۔“ وہ باچوک گئی۔ عدی نے دونوں ہاتھ رینگ پر رکھ دیئے۔ وہ باٹھک گئی وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔

”میں تم سے چار سال بڑی ہوں عدی! مجھے آپ کی کہا کرو۔“ وہ اس کی بات سن کر فحش پڑا۔

”چار سال بڑی..... میری طرف دیکھو روہا! میں بڑا لگتا ہوں تم سے یہ چار سال والا خناس نکال دو دماغ سے۔“

”عدی! تمیز سے بات کرو منکوحہ ہوں میں اس کی۔“ اسے غصہ آ گیا۔

”کس کی وہ جو تمہیں اپنی منکوحہ مانتا ہی نہیں ہے اس کی۔“ وہ بولتی بس ہو گئی۔

”شٹ اپ عدی.....“ بھاگتے ہوئے نیچے اتر گئی عدی مسکرا کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

آہستہ آہستہ دن گزرنے لگے پھپھو کی طبیعت خراب رہنے لگی روہا بہت پریشان تھی۔

”ای! آپ کس چیز کی مینشن لیتی ہیں.....؟“ اس دن وہ ان کا سرد ہاتھ ہوئے بولی۔

”روہا! مجھے تیری فکر ہے کیا بنے گا تیرا۔“ وہ چپ رہی۔

”نہ وہ تجھے اپنا تہا ہے نہ چھوڑتا ہے یہ نہیں کیا کرے گا۔“ یہ پریشانی تو اس گھر میں سب کو تھی بڑی امی اور بڑے ابا کی بھی آئے دن جھڑپ ہونے لگی وہ بیٹے سے ملنا چاہتی تھیں مگر بڑے ابا انہیں بلانے پر راضی نہیں تھے اس دن بھی یہ بحث سن کر وہ باہر آ گئی۔

☆.....☆.....☆

پھر کئی دن گزر گئے زہرا تان نے نہ آتا تھا نہ آیا وہ کہتے ہیں تاکہ نکاح کے دو بول فریقین کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتے ہیں یہ بی روہا کے ساتھ ہوا تھا وہ جیسا بھی تھا

بڑے ابا چپ چاپ اپنے کمرے میں چلے گئے اور پھر سو گئے کبھی نہ اٹھنے کے لئے۔

☆.....☆.....☆.....

بڑے ابا کو گئے تین ماہ ہو گئے تھے اس گھر پر وہ چھتری کی طرح تھے کسی شفیق سائے کی مانند زبرقان نہیں آسکا تھا عجیب بے کیف سے دن ہو گئے گرمیاں آگئیں تھیں فیزی آفس میں مصروف رہتا روح بیزار بیزاری رہنے لگی عدی کا آخری سال تھا وہ بہت مصروف ہو گیا تھا روح بہت پریشان رہنے لگی۔

”نہ جانے زبرقان کب آئیں گے.....؟“ ایک تو یہ خوف لاحق تھا دوسری عدی کی حرکتیں..... وہ حد سے بڑھنے لگا تھا پھر شرمندہ بھی نہیں ہوتا تھا بڑی ای ہر وقت روتی رہتیں بڑے ابا کی موت کا تصور واروہ خود کو سمجھتی تھیں۔ پھر ایک سہ پہر روح ای کے ساتھ چیک اپ کے لئے گئی تھی بڑی ای کمرے میں تھیں عدی یونیورسٹی گیا ہوا تھا وہ کچن صاف کر رہی تھی جب دروازے کی گھنٹی بجی وہ دونوں ہاتھ خشک کر کے دوپٹہ اوڑھتی ہوئی باہر آگئی کوریئر والا ایک لفافہ پکڑا گیا وہ حیران ہوتی ہوئی واپس پلٹی وہیں کھڑے کھڑے لفافہ کھولا اور پھر جیسے پہاڑ آگرا وہ اس کی طلاق کے کاغذات تھے زبرقان کی ضد صرف بڑے ابا کے ساتھ تھی وہ نہ رہے تو اس نے اپنی ضد بھی ختم کر دی اپنا اور روح کا بنا زبردستی کا رشتہ ختم کر دیا وہ پھرانی آنکھوں سے کاغذ تھامے کھڑی رہ گئی پھر یکدم چکر آیا اور وہ گرتی چلی گئی اس کے پیچھے کھلے دروازے سے اندر آتے عدی نے اسے تھاما اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا مگر بچ گئی۔

اس کا دکھ کم تو نہیں تھا وہ رخصت ہوئے بغیر مطلقہ ہو گئی تھی چار دن اسپتال رہنے کے بعد وہ گھر آگئی چپ چاپ رہنے لگی تھی بڑی ای تو اور گوشہ نشین ہو گئیں وہ شاید روح کا سامنا ہی نہیں کرنا چاہتی تھیں پھپھو جیسے اور بوڑھی ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆.....

وہ چائے بنانے آئی تو عدی پیچھے ہی آگیا روح کو لگا

جیسے اس کی طلاق کی سب سے زیادہ خوشی اسے ہوئی ہے۔

”روح باڈیر! اب کیا ارادے ہیں.....؟“

”کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ وہ چائے بناتے ہوئے بولی۔

”یونہی رہو گی کیا.....؟“ وہ سلیب پر چڑھ گیا۔

”ہاں یونہی رہوں گی۔“ اس نے چائے کپ میں انڈیلی۔

”میں بات کروں ای سے.....؟“

”کس بارے میں.....؟“ وہ بولی۔

”اپنے اور تمہارے بارے میں۔“

”عدی مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔“ وہ دد ٹوک لہجے میں بولی۔

”کیوں نہیں کرنی.....؟ کیا کمی ہے مجھ میں۔“ وہ بولا۔

”کمی تم میں نہیں ہے عدی! مجھ میں ہے۔“

”کیا کمی ہے.....؟“ عدی اس سے نہ جانے کیا اگلوانا چاہ رہا تھا۔

”بڑی ہوں میں تم سے اور طلاق یافتہ بھی۔“ وہ پھٹ پڑی۔

”تو کیا ہوا میں تمہیں چاہتا ہوں۔“ عدی ہار نہیں مان رہا تھا وہ جھلا کر مڑی تو اس کی کلائی عدی کے ہاتھ میں آگئی۔

”روح باڈیر! ضروری نہیں ہے کہ ہم اپنے بارے میں جو فیصلہ کریں وہ ہمیشہ غلط ہو اور دوسرے ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں وہ ہمیشہ ٹھیک ہو بڑے ابا کا فیصلہ تم نے دیکھ لیا اب اپنا فیصلہ بھی کر کے دیکھو۔“ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆.....

کچھ دنوں بعد زبرقان کا فون آیا اتفاقاً روح نے اٹھالیا۔

”میں بڑی ای کو بلاتی ہوں۔“ وہ بولی تھی کہ زبرقان نے اسے روکا۔

”روح! مجھے غلط مت سمجھنا میں نے جو کیا گھر والوں کی مرضی سے کیا۔“

☆.....☆.....☆.....

وہ روح کو یاد کر کے رو پڑتا آفس سے چشیاں لے

”بڑے ابا بھی غلط نہیں تھے آپ بھی نہیں ہیں پھر شاید میں غلط ہوں۔“ وہ تلخ ہو گئی۔ پھر بڑی ای بیٹے سے بات کر کے مطمئن ہو گئیں۔

روح کی ڈیلوری نزدیک تھی وہ بہت کمزور ہو گئی تھی فیزی کسی کام سے اسلام آباد گیا ہوا تھا بہت بورڈ ہو گئے تھے۔ اس دن اچانک روح کی طبیعت خراب ہو گئی فیزی اسی دن آیا تھا بوکھلاتے ہوئے وہ روح کو بازوؤں میں اٹھا کر بھاگا روح اور چھوٹی ای ساتھ گئیں۔

”بس دعا کریں بے بی اور مدد دونوں بہت دیک ہیں۔“ فیزی بہت پریشان ہو گیا سب دعاؤں میں لگے ہوئے تھے روح کو خون کی ضرورت تھی عدی نے خون دیا شام تک روح کی حالت مزید خراب ہو گئی فیزی حد سے زیادہ بوکھلا گیا روح پریشان ہو گئی پوری رات روح کو ہوش نہیں آیا کمزوری بہت زیادہ تھی روح کو فیزی کو دیکھ دیکھ کر دکھ ہو رہا تھا۔

صبح عدی کا پیر تھا وہ چلا گیا چھوٹی ای گھر چلی گئیں روح نے بہت کوشش کر لی مگر فیزی نے پانی کا گھونٹ تک نہ پیادہ اپنے ہوش میں ہی نہیں تھا ہر منٹ بعد روح سے پوچھ لیتا۔

”روح! میری روح ٹھیک ہو جائے گی نا.....؟“ روح ا سے تسلیاں دیتی مگر ساری تسلیاں سارے دلا سے رائیگاں چلے گئے ایک اور مصیبت ٹوٹ پڑی۔

”سوری ہم آپ کی مسز کو نہیں بچا سکے۔“ فیزی دم بخود کھڑا رہ گیا اسے لگا وہ خالی ہاتھ ہو گیا ہے اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا وہ بے یقینی کی آخری منزل پر کھڑا تھا پھر وہ اندر کو بھاگا روح اس کے پیچھے اندر آئی وہ روح کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

”روح..... روح.....“ بس اس کے علاوہ ایک لفظ نہیں بول رہا تھا پھر روح کے مردہ وجود کو خود میں سمیٹ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دیا روح باساکت کھڑی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆.....

وہ روح کو یاد کر کے رو پڑتا آفس سے چشیاں لے

لیں تھیں ہر وقت کمرے میں پڑا رہتا بچے کو گھڑلے آئے تھے۔ ہر وقت اسے وہ خود سے لگائے روتا رہتا روح کا دل کٹ جاتا کئی دنوں بعد اس نے آفس جانا شروع کیا بچے کو رو با ہی سنبھالتی روح بانے اس کا نام روحان رکھا تھا کئی دن گزر گئے ہر فرد نارمل ہو گیا مگر فیزی نارمل نہ ہوا صبر کر لینا بڑی بات ہوتی ہے وہ فیزی کے بس میں نہ تھا صبر آ جانا بڑی عام بات ہے مگر فیزی کے بس میں وہ بھی نہیں تھا اسے صبر آ ہی نہیں رہا تھا اسے یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ روح اسے چھوڑ کر چلی گئی وہ راتوں کو سونا پاتا ہر وقت روح کا لمس محسوس ہوتا۔

عدی اسلام آباد گیا ہوا تھا اس کا ریسرچ ورک چل رہا تھا آہستہ آہستہ سب سیٹ ہو گیا اس دن چھوٹی ای نے اسے اپنے کمرے میں بلایا بڑی ای بھی وہیں تھیں اس نے روحان کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔

”روح! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے بیٹا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔“ روح نے اپنی ای کی طرف دیکھا وہ خاموش تھیں۔

”زندگی تمہاری ہے..... اعتراض ہو تو منع کر دینا۔“ وہ ٹھنک گئی۔

”کیا بات ہے چھوٹی ای.....؟“

”بیٹا! ہم چاہ رہے ہیں کہ تمہارا اور فیزی کا نکاح کر دیں۔“ روح اس رہ گئی۔

”میرا دل کتنا ہے فیزی کو دیکھ دیکھ کر۔“ چھوٹی ای رو پڑیں روح بول نہ سکی۔

”آپ جانتی ہیں اس کی اور روح کی ایک دوسرے کے لئے دیوا لگی کو اور پھر وہ مجھ سے چھوٹا ہے۔“ روح کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

”کوئی بات نہیں بیٹا! تین سال ہی تو ہیں۔“ چھوٹی ای کی آنکھوں میں عدی کی چمکدار آنکھیں گھوم گئیں۔ وہ اس وقت ماں بن کے سوچ رہی تھیں لیکن فیزی کی ماں نہیں عدی کی ماں انہیں اپنے شادی شدہ بیٹے کی فکر نہیں بیٹے کا احساس تھا۔

☆.....☆.....☆.....

وہ روح کو یاد کر کے رو پڑتا آفس سے چشیاں لے

لیں تھیں ہر وقت کمرے میں پڑا رہتا بچے کو گھڑلے آئے تھے۔ ہر وقت اسے وہ خود سے لگائے روتا رہتا روح کا دل کٹ جاتا کئی دنوں بعد اس نے آفس جانا شروع کیا بچے کو رو با ہی سنبھالتی روح بانے اس کا نام روحان رکھا تھا کئی دن گزر گئے ہر فرد نارمل ہو گیا مگر فیزی نارمل نہ ہوا صبر کر لینا بڑی بات ہوتی ہے وہ فیزی کے بس میں نہ تھا صبر آ جانا بڑی عام بات ہے مگر فیزی کے بس میں وہ بھی نہیں تھا اسے صبر آ ہی نہیں رہا تھا اسے یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ روح اسے چھوڑ کر چلی گئی وہ راتوں کو سونا پاتا ہر وقت روح کا لمس محسوس ہوتا۔

عدی اسلام آباد گیا ہوا تھا اس کا ریسرچ ورک چل رہا تھا آہستہ آہستہ سب سیٹ ہو گیا اس دن چھوٹی ای نے اسے اپنے کمرے میں بلایا بڑی ای بھی وہیں تھیں اس نے روحان کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔

”روح! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے بیٹا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔“ روح نے اپنی ای کی طرف دیکھا وہ خاموش تھیں۔

”زندگی تمہاری ہے..... اعتراض ہو تو منع کر دینا۔“ وہ ٹھنک گئی۔

”کیا بات ہے چھوٹی ای.....؟“

”بیٹا! ہم چاہ رہے ہیں کہ تمہارا اور فیزی کا نکاح کر دیں۔“ روح اس رہ گئی۔

”میرا دل کتنا ہے فیزی کو دیکھ دیکھ کر۔“ چھوٹی ای رو پڑیں روح بول نہ سکی۔

”آپ جانتی ہیں اس کی اور روح کی ایک دوسرے کے لئے دیوا لگی کو اور پھر وہ مجھ سے چھوٹا ہے۔“ روح کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

”کوئی بات نہیں بیٹا! تین سال ہی تو ہیں۔“ چھوٹی ای کی آنکھوں میں عدی کی چمکدار آنکھیں گھوم گئیں۔ وہ اس وقت ماں بن کے سوچ رہی تھیں لیکن فیزی کی ماں نہیں عدی کی ماں انہیں اپنے شادی شدہ بیٹے کی فکر نہیں بیٹے کا احساس تھا۔

”مگر چھوٹی ہی فیزی نہیں مانے گا۔“ وہ چپ نہ رہ سکی۔

”میں منالوں گی مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا، سنبھل جائے گا آہستہ آہستہ۔“ روبانے اپنی ای کی طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں بیٹی کے دوبارہ آباد ہو جانے کے خواب سجے تھے وہ اٹھ کر باہر آگئی وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فیزی نہیں مانے گا اور عدی..... وہ سوچ کر رہ گئی۔

”خدا کے لئے ای.....!“

”فیزی! اسے گئے تین ماہ ہونے کو آئے ہیں۔“ پھر اسے بڑی ای نے بھی سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔

☆.....☆

چند دنوں بعد ایسا واقعہ ہو گیا کہ اسے ماننا ہی پڑا روبانے کی بہت طبیعت خراب ہو گئی دونوں بوزمی خواتین کے لئے روحان سنبھالنا مشکل ہو گیا اس کے بعد ای نے پھر سمجھایا۔ ”فیزی! میں تیری دشمن نہیں ہوں وہ دودن بیمار ہوئی ہے تو روحان کی یہ حالت ہے ساری عمر کے لئے رخصت ہو کر چلی گئی تو کیا ہوگا؟ تو آفس کو دیکھے گا یا روحان کو سنبھالے گا؟ کبھی تو دوسری شادی کرے گا نا دوسری بیوی آ کر نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر فیزی۔“ بڑی دقتوں کے بعد وہ راضی ہوا۔

عدی ان دنوں جاب کے چکر میں الجھا ہوا تھا جس دن فیزی نے رضامندی دی اس دن اسے جاب بھی مل گئی وہ منٹائی کا ڈبہ اٹھائے گھر آیا مگر یہاں ایک اور ہی خبر اس کی منتظر تھی۔

”پرسوں روبانے اور فیزی کا نکاح ہے۔“ وہ دم بخود رہ گیا پھر غصے میں بھناتا اس کے سر پر جا چڑھا۔

”قربانی کا جذبہ ابھرا ہے یا پھر کوئی اور بات ہے۔“ وہ زہر خند لہجے میں بولا روبانے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے والہانہ جذبات دیکھ چکی تھی۔

”فیزی بھی تم سے چھوٹا ہے پھر کیسے مان

”یہ بڑی اور چھوٹی ای کا فیصلہ ہے.....“ وہ آرام سے بولی۔

”اور تم نے چپ کر کے ان کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا اتنی بچی ہوتا.....؟“ وہ تڑخ کر بولا۔

”پلیز عدی! میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ وہ جان چھڑانے والے لہجے میں بولی۔

”لیکن میں ہوں..... روبانے! تم مجھے اتنا دکھ کیوں دے رہی ہو جتنا میں ڈیزرو نہیں کرتا۔“ وہ اب بھی چپ تھی۔

”ہمیشہ دوسروں کے بارے میں سوچتی ہو میں بھی دوسروں میں ہی شامل ہوں میں پوچھ سکتا ہوں پھر میرے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں۔“ روبانے ہر طرف بڑھی۔

”ٹھیک ہے روبانے! تم دو مجھے دکھ مگر میری ایک بات یاد رکھنا میں تم سے اتنا پیار کرتا ہوں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔“ روبانے ہر نکل گئی آج عدی نے پہلی بار مکمل کر اسے کہا تھا لیکن عدی کچھ نہ کر سکا اور روبانے اور فیزی کا نکاح ہو گیا۔

☆.....☆

فیزی صبح اسے اٹھائے بغیر آفس چلا جاتا اس کے بعد وہ اٹھتی سب کے لئے ناشتہ بناتی، گھر کی صفائی کرتی اور پھر روحان میں گم ہو جاتی فیزی نے اپنی کوئی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی تھی دو بجے کے بعد فیزی گھر آتا اور روحان کو اس سے لے لیتا صرف اس سے باتیں کرتا وہ جانتی تھی فیزی اب بھی روح کو یاد کرتا ہے روبانے اسے اکثر راتوں کو روتے بھی دیکھا تھا عدی سرگودھا گیا ہوا تھا فیزی نے نکاح سے لے کر اب تک اسے مخاطب بھی نہیں کیا تھا روبانے کو اس کی نگاہیں بے تاثر لگتیں وہ جانتی تھی فیزی اس سے زیادہ مجبور تھا۔

کچھ دن بعد عدی واپس آ گیا وہ کچن میں تھی عدی پانی پینے آیا تھا۔

”بہت خوش ہو۔“ روبانے ہنک گئی۔ پھر مڑی وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

”واقعی وہ تو چہرے سے نظر آ رہا ہے۔“ عدی طنز سے بولا وہ خاموش ہی رہی۔

”پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو۔“ وہ اب بھی چپ تھی۔

”فیزی بھی بہت خوش ہوگا تمہارے ساتھ۔“ ”شاید.....“

”کیا مطلب شاید تم خوش ہو اور فیزی شاید خوش ہے۔“ تو روبانے جھنجھلا گئی۔

”تم جو مطلب نکالنا چاہتے ہو نکال لو۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی عدی کٹ کر رہ گیا۔

چند دنوں میں ہی عدی کو اس کے اور فیزی کے ازدواجی تعلقات کا علم ہو گیا اب ہر دم اسے زچ کئے رکھتا وہ بھی چپ رہتی کبھی بھڑک اٹھتی بعض اوقات رو پڑتی۔

”یا خدا! کیا یہ ہے میری زندگی کسی کی زندگی میں آن چاہی بن کر رہنا۔“ وہ شکوہ کرتی۔

”تم کسی کی زندگی میں من چاہی بن کر بھی رہ سکتی تھی۔“ آواز آئی واقعی یہ فیصلہ اس نے کیا تھا تو پھر مسئلہ کیا تھا..... مسئلہ عدی تھا۔

☆.....☆

وہ روحان کو کپڑے پہنانے کے ساتھ ساتھ اس سے باتیں بھی کر رہی تھی عدی نہ جانے کب دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

”بہت پیار ہے تمہیں اس سے.....؟“ کچھ پہر بعد بولا۔

”ہاں.....“

”اس کے باپ سے بھی.....؟“ وہ پھر بولا۔

”پتہ نہیں.....“ وہ آہستہ سے بولی۔

”کیوں.....؟“ عدی نے آنکھیں گھمائیں۔

”میں جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔“

”ہوں تو یہ قربانی اس کی وجہ سے دی ہے تم نے۔“ اس نے یو جھا۔

”ہاں تو پھر قربانی ہوئی تا پیر تو نہ ہوا۔“ روبانے کی بس ہو گئی کئی دنوں کا لاوا باہر آ گیا وہ روحان کو لٹا کر اس کی طرف آئی۔

”صاف صاف کہو عدی! کہنا کیا چاہتے ہو۔“

”جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ تم سن نہیں سکو گی۔“ عدی آرام سے بولا۔

”کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ یوں کیوں مجھے جینے نہیں دیتے۔“ وہ تڑخ اٹھی۔

”تم نے بھی تو میرے ساتھ یہ ہی کیا ہے تم نے بھی تو مجھے جیتے جی مار دیا۔“ وہ بھی پھٹ پڑا۔

”کوئی اعزاز کوئی مان کچھ رہنے دیا میرے پاس.....؟ سب کچھ توڑ دیا ذرا سی بھی لاج نہ رکھی میری محبت کی تم نے کیوں تو جین کی میرے جذباتوں کی۔“ تو روبانے اس کی طرف دیکھا۔

”فار گاؤ سک عدی! میری زندگی بہت سکون سے گزر رہی ہے مجھے گزار لینے دو۔“ عدی ایک دم بھڑک اٹھا۔

”جھوٹ بولتی ہو تم تم خوش نہیں ہو صرف ڈرامہ کرتی ہو۔“

”کر لینے دو مجھے ڈرامہ مت بچھاؤ کانٹے میری راہوں میں۔“ روبانے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے

عدی نے چند لمحوں بعد اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے روبانے سن ہو گئی۔

”تمہاری راہوں کے کانٹے اگر میری محبت ہے نا تو وہ میں ضرور بچھاؤں گا۔“ فیزی ابھی تک روح کو نہیں بھول سکا تو میں کیسے بھول جاؤں تمہیں۔“ وہ کہہ کر مڑا اور چونک گیا چونک پر فیزی کھڑا تھا۔

☆.....☆

دن بہت اداس گزر رہے تھے بڑی ای کمرے میں تھکی رہتیں پھسپھو جائے نماز سے ہی نہ اٹھتیں چھوٹی ای اپنے کاموں میں مشغول رہتیں عدی جاب کے بعد جانے کہاں جلا جاتا تھا فیزی کی انی انی دن سناگ انی نے اس

کے لئے یو جھا۔

کے اور فیزی کے نکاح کو تین ماہ ہو گئے اس کے خیال میں سب سیٹ تھا مگر فیزی سیٹ نہیں تھا اس دن اسے اندازہ ہوا کہ فیزی نے شاید ان دونوں کی باتیں سن لی تھیں وہ چائے لے کر آئی تو فیزی کم صم بیٹھا تھا وہ سونے کے لئے لیٹی تو اس نے پکارا۔

”روبا.....“ وہ حیران ہوتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ فیزی اٹھا اور ٹیرس کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس آ گیا یوں جیسے خود کو بولنے کے لئے تیار کر رہا ہو پھر بولا۔

”روبا! میری پوری زندگی تمہارے سامنے کھلی کتاب ہے اسی گھر کے آنگن میں کھیل کود کر بڑے ہوئے ہیں ہم انہی آنگن میں میری اور روح کی چاہت کی کوئیل پھولی تھی تمہیں یاد ہے ناسب تم بھی تو ہستی تھیں نہ میری اور اس کی دالہانہ محبت پر روبا! میں نے روح کے ساتھ کبھی منافقت نہیں کی اور میرا خیال ہے میں تمہارے ساتھ بھی منافقت نہیں کر سکتا میں ایسی لائف نہیں جی سکتا اور یہ شاید میری سب سے بڑی خالی ہے میں جانتا ہوں میں جو کرنے جا رہا ہوں اس سے تمہیں دکھ ہوگا تمہاری زندگی پہلے ہی خوشیوں کی بجائے دکھوں سے بھری ہوئی ہے ان میں اور اضافہ ہو جائے گا مگر میں بہت مجبور ہوں روبا! میں نے بہت کوشش کی ہے روح کو بھلانے کی مگر میں نہیں بھلا سکا اسے وہ جیسے میرے اندر اتر گئی ہے روبا میرا یہ عمل شاید میرے تمہارے اور کسی اور کے لئے بھی بہتر ہوگا میں نے محبت کی ہے اس لئے جانتا ہوں اسے محبت میں زخم کھایا ہے اس لئے اس کے درد کو بھی جانتا ہوں میں نہیں چاہتا کوئی اور بھی صرف میری وجہ سے اس کا درد ہے۔ کہہ کر اس نے چند پیر زروبا کی گود میں ڈال دیئے۔

”میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔“ کہتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

فیزی امریکا جا رہا تھا جن دنوں اسے طلاق ہوئی تھی عدی کسی کام سے سرگودھا گیا ہوا تھا بڑی اور چھوٹی ای تو ساکت رہ گئیں تھیں پھپھو تو مردہ ہو گئیں تھیں بالکل۔ بیٹی

دوسری دفعہ اجڑ گئی تھی اب بھی اس سے سب نے پوچھا مگر وہ چپ رہا دو دن بعد اس کی فلائٹ تھی چھ مہینے کے لئے جا رہا تھا چھوٹی ای سسک پڑیں۔

”ای! میں یہاں رہا تو مر جاؤں گا میرا دل پھٹ جائے گا وہ مجھے جینے نہیں دیتی ہر جگہ ہر وقت وہ میرے حواسوں پر سوار رہتی ہے وہ میرے دل سے نہیں نکلتی میں اس ماحول سے نکلوں گا تو شاید اس کی یادوں کی شدتیں کم ہو جائیں میرے بیٹے کو صرف چھ ماہ کے لئے رکھ لیں پھر لے جاؤں گا یا شاید واپس آ جاؤں روبا سے کہئے گا مجھے معاف کر دے۔“ وہ بول رہا تھا اور رو رہا تھا چھوٹی ای کٹ کر رہ گئیں پھر اسے کسی نے نہ روکا اور عدی کے واپس آنے سے پہلے وہ چلا گیا۔

”دو دن بعد عدی آیا تو چھوٹی ای نے اسے بتایا چند لمحوں کے لئے وہ سن رہا تھا روبا اس سے مزید تنفر ہو گئی تھی اس دن شام کو وہ اس کے کمرے میں آیا۔

”سب کے لئے قربانی دے کر دیکھ لی تم نے میرے لئے بھی دے لو مجھ پر بھی رحم کر دو۔“ وہ چڑ گئی۔

”عدی! میں کوئی کھلونا ہوں جسے کبھی زبرقان کی جھولی میں ڈال دیا جائے کبھی فیزی کی اور کبھی تمہاری جتنی دیر دل چاہا کھیل لیا اور پھر توڑ دیا تم اپنی ای کو مٹا بھی لو تو میں تب بھی تم سے شادی نہیں کروں گی۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی وہ عدی کے جذباتوں کو ابھی تک صرف ڈھونگ سمجھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

چند دن گزر گئے تو ایک قیامت اور آ گئی زبرقان واپس آ گیا تھا بڑی ای جیسے پھر سے جی انھیں روبا کا دل عجیب سا ہو گیا وہ اس کے لئے کھانا لے کر آئی تو بڑی ای اس سے آنے کی وجہ پوچھ رہی تھیں۔

”بس ای! ہمیں آنا تھا میں نے سو آ گیا۔“ وہ بولا روبا کو اس کی بات کا یقین نہ آیا۔

”میرا پوتا کہاں ہے.....؟“ وہ ماں کے پاس ہے۔“ بڑی ای کے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ آ گیا تھا شام کو عدی آیا تو اسے دیکھ کر

چونک گیا اس کے تیوروں سے لگ رہا تھا کہ اس کا آنا عدی کو اچھا نہیں لگا روبا کو پتہ چل گیا کہ وہ اس کے اور فیزی کے نکاح اور طلاق والے واقعے سے بھی باخبر ہے زبرقان کے واپس جانے کے کوئی امکان نہیں تھے بڑی ای نے اس کا کمرہ سیٹ کر دیا روبا اس کے سامنے کم ہی جاتی تھی وہ چاہے خاموش تھی مگر اس کا آنا روبا کو بھی پسند نہیں آیا تھا۔

لان میں وہ اکیلی بیٹھی تھی جب عدی چلا آیا۔

”یہ زبرقان بھائی کیا ہمیشہ کے لئے یہاں آ گئے ہیں؟“ وہ طنز سے کہتا اس کے پاس سے گزر گیا۔

”پتہ نہیں۔“ روبا خود عاجز تھی۔

”خدا جانے اب کیا لینے آئے ہیں۔“ وہ دونوں بھائی ہی صاف گوتے محبت میں بھی شدت پسند اور نفرت میں بھی۔

”مجھے لگتا ہے کچھ ہوگا سنو روبا! میں ای سے بات کر لوں۔“ وہ بھی ڈھیٹ تھا۔

”تمہیں آخر مجھ پر یقین کیوں نہیں آتا کیوں شک ہے تمہیں میری صداقتوں پر۔“ وہ بولا۔

”عدی! تم کنوارے ہو اور مجھ سے چھوٹے میں تم سے بڑی ہوں اور دو طلاقیں ہو چکی ہیں میری بھول جاؤ مجھے۔“ وہ اٹھنے لگی تو عدی نے اس کا بازو تھام لیا۔ چھوٹی ای نے بچن سے سارا منظر دیکھا اور ایک بار پھر سوچ میں پڑ گئیں۔ روبا ہاتھ چھڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

ایک سہ پہر تھی اسے بڑی ای نے بلایا تھا وہ گئی تو عدی بھی وہیں لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا وہ ایک طرف بیٹھ کر زبرقان شاید اپنے کمرے میں تھا بڑی ای نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر بولنا شروع ہوئیں۔

”روبا بیٹے! ہمیں پتہ ہے تمہارے ساتھ بہت زیادتیاں ہوئی ہیں تمہیں خوشیاں دیتے دیتے ہم نے تمہارا دامن دکھوں سے بھر دیا۔“ روبا نے عدی کی طرف دیکھا وہ کبھی عدی نے بات کر لی ہے اور عدی سوچ رہا تھا ابھی تو

میں نے بات کی ہی نہیں پھر بڑی ای کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔“

”روبا بیٹے! میں ایک بار پھر تجھ سے اپنے بیٹے کی خوشیاں مانگتی ہوں۔“ روبا کو لگا اس کمرے کی ہر چیز اس کے اوپر گر رہی ہے عدی اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

”کیا میں تیسری دفعہ بھی ہار جاؤں گا۔“

”قد سید کی بھی یہی خواہش ہے۔“

”کیا میں ایک بار پھر خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔“ پچھلے کئی سالوں کی محبت شدت مبر برداشت ہر چیز اس لئے ختم ہو گئی وہ ایک دم پھٹ پڑا یہ سوچے بغیر کے سامنے کون ہے؟

”ای! بڑی ای..... بھائی تو آپ نے پال لی مگر صاحبیاں ہی رہیں ناں تو نہ بن سکیں زبرقان بھائی کے ساتھ زبردستی نکاح کروا کر اسے بہو بنالیا مگر وہ بیوی نہ بن سکی آپ لوگوں نے کبھی نہیں سوچا کہ وہ ایک لڑکی ہے جس کے دل میں خواہشات ہیں انہیں ہیں بڑے ابا غلطی کر گئے اور خمیازہ بھگتتے کو وہ رہ گئی آپ لوگوں کا کیا قصور اس کی اپنی ماں نے اس کے بارے میں نہیں سوچا بڑی ای کو چھوڑیں ای آپ اسے بہو بنا سکتیں تھیں مگر آپ کیسے ایک مطلقہ اور بڑی عمر کی لڑکی کو اپنی بہو بنا لیتیں فیزی کی دنیا اندھیر ہوئی تو آپ کو روکا نظر آ گئی اب اس کی عمر بھی مسئلہ نہیں تھی اب وہ مطلقہ بھی نہیں تھی اب آپ پھر اسے اس کے لیے باندھ رہی ہیں جو ایک نظر تک ڈالنا گوارہ نہیں کرتا جس طرح چھوڑ گیا تھا وہ اسے آپ معاف کر سکتی ہیں بڑی ای! روبا نہیں۔ ای! مائیں بیٹوں کے چہرے پڑھ لیتی ہیں پھر آپ میرا کیوں نہ پڑھ سکیں یا شاید پڑھ لیا تھا مگر جان بوجھ کر خاموش رہیں کہ بیٹے کے لئے ایک بڑی عمر کی اور ددو دفعہ طلاق شدہ لڑکی کیوں لاؤں.....؟ ای! میں آج یہاں آپ سب کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے روبا سے محبت ہے تب سے جب مجھے اس کے مطلب کا بھی نہیں پتہ تھا آپ کو خدا کا واسطہ بڑی ای! بے شک اس کی شادی مجھ سے نہ کریں اس کی مرضی سے نہ کریں مگر زبرقان سے بھی نہیں کریں مت جھوٹیں اسے آگ

میں فیزی جی رہا ہے بخار و دھ کے بغیر میں بھی جی لوں گا
مگر پلیز اس کی شادی زبرقان سے نہیں کریں۔“ وہ کہتا
چلا گیا اور رو با چکرا کر بے ہوش ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک بار پھر مرتے مرتے بچی روحان کو عدی نے
سنجھالا بڑی امی اور چھوٹی امی جیسے خاموش ہو گئیں چند دن
بعد رو با کی والدہ کی ڈھچھ ہو گئی اس دن وہ بہت روئی عدی
نے اس دن کے بعد سے اس سے کچھ نہیں کہا تھا زبرقان
ابھی تک یہیں تھا۔ مہینہ گزر گیا عدی صرف ایک بار اس
کے کمرے میں آیا تھا۔

”سوری رو با! اس دن جو میں نے کہا اس پر بھی اور
جو اس سے پہلے کہتا رہا ہوں اس پر بھی تمہاری زندگی ہے
تم جیسے مرضی گزارو آئندہ کچھ نہیں کہوں گا“ فیزی بھی جی
رہا ہے نا میں بھی جی لوں گا۔“ رو با چپ کر گئی لیکن عدی
دن بدن بد اخلاق ہوتا چلا گیا کوئی بات کرتا تو چیخ کر
جواب دیتا خاص طور پر زبرقان کو۔

عجیب سے حلقے میں پھرتا رہتا چھوٹی امی ہول
جاتیں بڑی امی نے پھر اس سے کوئی بات نہیں کی۔
ایک دن چھوٹی امی آئیں رو با ڈر گئی اسے اب ڈر
لگنے لگا تھا انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔
”مجھے معاف کرو رو با! تجھے کسی سے شادی نہیں
کرنی نہ کر جیسے مرضی جی مگر مجھے معاف کر دے۔“ اس
سے آگے ان سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا رو با نے بمشکل
انہیں سنبھالا۔

☆.....☆.....☆

فیزی کو گئے چھ ماہ گزر گئے اور ایک دن وہ آ گیا سب
حیران رہ گئے وہ نارمل تھا مگر مکمل نہیں۔
”تو سنا چھ مہینے بہت ہوتے ہیں امی سے بات نہیں
کی۔“

”ای سے کیا بات کروں رو با نہیں مانتی اور ایک یہ
زبرقان آ گیا ہے۔“ عدی جھلا یا۔

”ارے ہاں یہ کیوں آیا ہے.....؟“

”رو با سے شادی کرتے۔“ فیزی حیران رہ گیا۔
”فیزی! میں کیا کروں.....؟“ وہ بولا۔

”انتظار..... جب وہ اپنا فیصلہ خود کر کے تیری طرف
آئے۔“ پھر فیزی واپس نہیں گیا۔ روحان اب اس کی ذمہ
داری تھا رو با نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں جانے کے لئے اوپر چڑھنے لگی تو
اچانک ٹھنک گئی سیڑھیوں سے نیچے زبرقان کھڑا فون پر
بات کر رہا تھا وہ رک گئی۔

”اب تم تھوڑا صبر تو کروندا! یہ کام ایسے ہی تھوڑی
ہو جائے گا۔“ رو با کی آنکھیں کھل گئیں۔

”اب وہ مجھ سے نکاح پر رضامند ہو اس کے بعد
میں جائیداد کی بات کروں یہاں سب لوگ میرے
آنے سے ویسے ہی بڑے مشکوک ہیں۔“ رو با کی
ٹانگیں لرز اٹھیں۔

”ہاں امی نے بات کی تو ہے اس سے ویسے میں نے
پتہ کر دیا ہے پورے چار کروڑ کی پراپرٹی ہے اس کی۔“
رو با کو کھڑا ہونا محال ہو گیا وہ اسے سیڑھی بتا رہا تھا وہ تھکے
قدموں سے اوپر آ گئی۔

”بھی کوئی فیصلہ خود بھی کر کے دیکھو۔“ اس کے ذہن
میں عدی کی آواز آئی۔ ایک فیصلہ بڑے ابا نے کیا تھا وہ
غلط تھا ایک بڑی امی اور چھوٹی امی نے کیا وہ بھی غلط تھا
اب شاید اسے خود کرنا تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا اسے اب
کے کھلونا نہیں بننا تھا وہ کمرے سے باہر نکل گئی ابھی اسے
عدی کو بھی منانا تھا۔

بزرگ زیادہ عقلمند ہوتے ہیں ان کی زندگی تجربوں
سے گزری ہوتی ہے وہ عموماً ہمارے بارے میں جو فیصلے
کرتے ہیں وہ ٹھیک ہوتے ہیں مگر اکثر غلط بھی ہوتے ہیں
رو با کے لئے دونوں فیصلے غلط تھے فیزی کے اپنے لئے کے
گئے دونوں فیصلے ٹھیک تھے۔ ضروری نہیں کہ دوسرے
ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں وہ ہمیشہ ٹھیک ہو اور ہم
اپنے بارے میں جو فیصلہ کریں وہ ہمیشہ غلط ہو۔

☆.....☆.....☆

ریمانور رضوان

افسانہ

میرے ساتھی.....!

مرے ساتھی
مری یہ روح میرے جسم سے پرواز کر جائے
تو لوٹ آنا
مری بے خواب راتوں کے عذابوں پر



سکتے شہر میں تم بھی
ڈرائی دیر کوڑ کنا

میرے بے نور ہونٹوں کی دعاؤں پر
تم اپنی سر پیشانی کا پتھر رکھ کر رو دینا
بس اتنی سی بات کہہ دینا
مجھے تم سے محبت ہے.....!

”حزیرہ تمہیں کینیڈا گئے دو سال ہو گئے ہیں تم تو دن میں
میری دس بار صورت نہ دیکھ لیتے تو تمہارے پیار بھرے بے
چین دل کو قرار نہ ملتا تھا۔ وہ دن بھی کتنے حسین دن تھے جب
ہم انہی گرمیوں میں ہاتھوں میں ایک دوجے کے ہاتھ تھامے
سی ویو کے کنارے لہروں کو اپنے قدموں تلے روندتے محبت

بھری باتیں کرتے نٹ کھٹ شراقتیں کرتے تھے۔
”نوٹی! کہاں ہو تم؟“ حزیرہ آج روٹیں سے
ہٹ کر جلدی آفس سے لوٹ آیا تھا اور نوٹشیں کہیں نظر
نہیں آ رہی تھی۔

”بیٹا! وہ اپنی دوست امیر کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہے۔“
حزیرہ کی ای نے بچن سے آواز لگا کر اسے آگاہ کر دیا تھا۔
”مما! ایسی کیا آفت مصیبت آ گئی تھی جو مجھے بھی
آنے کا کہہ دیا اور خود چل دی دوست کے ساتھ لوہہ۔“ حزیرہ
ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی کرتے ہوئے جھنجھلاہٹ سے بولا تھا۔
”حزیرہ بیٹا! کچھ نہیں ہوتا۔ خیر سے گئی ہے آجائے گی
تو کھانا کھالے گرم گرم مصلے والا مشرپا و تیار ہے کھائے



شازیہ مصطفیٰ عمران - - - - - قسط نمبر 11

سلسلے وار ناول

گہری عین منورہ جلی

ڈاٹ کام

www.paksociety.com



مسیح کر کے اے بلایا تھا کب سے مین روڈ پر اپنی گاڑی میں بیٹھی تھی اتنے میں وہ تیزی سے بھاگتا ہوا اپنے
 سب آئی گلاسز ناک پر سنبھالتا ہوا ہاتھ ہلانے لگا۔

ارے شماء نے قرنت ڈور کھول دیا وہ بیٹھ گیا، سلام فوراً کیا۔

”کب ہے میسج کیا ہوا ہے اتنی دیر لگائی ہے۔“ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

”گھر میں بھائی تھے پوچھنے لگے اس نام کہاں جا رہا ہے؟“

”تم نے کیا کہا؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”میں نے کہا دوست کے پاس جا رہا ہوں، آدھے ایک گھنٹے میں آ جاؤں گا۔“ اس نے بتایا۔ اریشما نے گھاڑی ریٹورنٹ کے باہر روکی اور اسے لے کر اندر چلی آئی۔ عدین جھجک بھی رہا تھا مگر اریشما نے اسے کونے کی ٹیبل پر لا کر بیٹھایا۔

”ہاں اب بتاؤ حمدان کی شادی تم لوگ کہاں کر رہے ہو؟“ وہ اس کو بھی سب بوجھنے کیلئے یہاں لائی تھی۔

”ابھی تو اسی نے نیچے والی فائرہ باجی کو کسی لڑکی کا بتانے کو کہا ہے، ابھی کہیں ہوئی نہیں ہے۔“ عدین سمجھ گیا تھا اس نے یہی سب پوچھنے کیلئے اسے یہاں بلایا ہے۔

”آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں؟“ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”میں پریشان..... نہیں تو میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ جس طرح مصباح کی تم لوگوں نے چھپ چھپا کے رشتہ پکا کر لیا یہ بھی تم لوگ مجھے نہیں بتاؤ گے۔“ وہ گڑبڑا گئی تھی۔

”خیر یہ تو چھپانے کی بات ہے ہی نہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”اچھا یہ بتاؤ کیا کھاؤ گے؟“ مینوکارڈ پر نگاہ ڈالنے لگی۔

”نہیں باجی! میں کھانا وغیرہ کھا کے آیا ہوں۔“ عدین اتنے مہنگے ترین ریسٹورانٹ کو دیکھ کر کافی مرعوب ہو گیا تھا۔

”میرے ساتھ کھاؤ آج میرا دل چاہ رہا ہے تم اور میں ایک ساتھ ڈنر کریں گے۔“ اس نے اشارے سے ویٹر کو بلایا اور دو تین چیزوں کا آرڈر دیا، عدین نہ نہ ہی کرتا رہ گیا۔

واپسی میں اسے گھر تک چھوڑنے آئی۔ دل کے ہاتھوں مجبور تھی مگر اوپر نہیں گئی۔ عدین نے بہت کہا بھی مگر اس نے ٹال دیا۔ آج گاڑی بھی وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی ورنہ جب سے اس کی گاڑی چوری ہوئی تھی ڈرائیور کے ساتھ

کچھ تو ایسا کرتا ہے حمدان کی شادی کہیں اور نہ ہو جائے۔ زویا سے بھی رابطہ منقطع تھا اسے یہ تھا زویا کی ڈیوڑھی

گھر آئی تو چچی جان اور چچا جان کو دکھ کر ٹھنک گئی۔ چچی جان تو فوراً اسے دکھ کر یار کا سمندر بن کے دن بھی قریب ہیں۔

تقصیں۔

”ارے اریثماء! زویا کا فون آیا تھا۔“

”زویا کافون“۔ من کے خوش ہو گئی۔

”ارے ارے شماء بیٹی! ہمارے پاس تو بیٹھو آؤ ادھر“۔ چچا جان نے بھی اسے پکار لیا۔
روحیل سکندر کے پاس ہی وہ آکر بیٹھ گئی۔ نگاہ تیسور کی تلاش میں دوڑا کی، آج وہ نہیں آتا تھا اس نے تشکر بھرا

ساتھ لیا اور بندہ اس سے رچ ہی ہو جاتی تھی۔

”بھائی صاحب! امید ہے آپ ہماری بات کو رد نہیں کریں گے۔“ چچی جان نے جانے کس بانٹ کا ذکر روجیل سکندر سے کیا۔ اریٹھما تو چونک گئی، ضرور کوئی ایسی بات ہے جو چچی جان اور چچا جان اتنے مسرور بھی

”کیوں نہیں مگر ہم اپنی بیٹی کی رضا مندی کو پہلے اہمیت دیں گے۔“ روحیل سکندر کی وہ اکلوتی اولاد تھی۔ وہ بھی دکھائی دے رہے تھے۔

چاہے تھے ان کی بیٹی جاننے والوں میں ہی جائے تاکہ وہ ان کی نظروں کے سامنے تو رہے گی۔
 اریثماء کی پیشانی پر لکیریں پڑ گئیں اور اندر ہی اندر بیچ و تاب کھانے لگی دانت پیسنے لگی جھکے سے اٹھ کر چلی گئی۔

فیروز یرو حیل اس کی ناگواری سمجھ گئی تھیں۔
تیمور کو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ جب سے حمدان کا اس کی سوچوں سے گزر رہا تھا اس کی ہر موج میں حمدان تھا

بجائے اس کا کم ہو گیا تھا مگر کمزوری بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ عجیب گری پڑی رہتی تھی۔ ذیشان نے کروٹ لی تو اس نے بھی موتے میں کروٹ لی اور اس کا دایاں ہاتھ ذیشان کے کشادہ سینے پر پڑا وہ تو جاگ رہا تھا، مگر وہ بے

خبر سوری تھی۔ حرم کا صبیح چہرہ اتنا کھلا گیا تھا اس کے رخساروں کی سرخی بھی ماند پڑ گئی تھی۔ پندرہ بیس دنوں میں اس کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی۔ جتنا وہ اس کا خیال رکھ رہا تھا مگر پھر بھی وہ افسردہ اور اداس رہتی تھی۔ ذیشان

نے کبھی تصور تک نہیں کیا تھا وہ دونوں اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ بھی ہو سکتے ہیں۔ ہاتھ بڑھا کے اس کے رخسار پر آہستگی سے شہادت کی انگلی رکھی۔ حرام نے اس سے نفرت بھی نہیں کی بلکہ نگاہوں میں بھی حجاب رکھ کر اس

سے مخاطب ہوتی تھی۔

”کاش یہ فاصلے تمام ہو جائیں اور تم میں ایک ہو جائیں۔“ اس نے آنکھیں بند کر لیں، دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔ جب سے حرما اس کی زندگی میں آئی تھی اسے اتنی توسلی ہو ہی گئی تھی وہ اس سے دور نہیں جاسکتی۔

حرمانے اسی وقت کروٹ دوبارہ لی اور آنکھیں پٹ سے کھولیں۔ کسی کے لمس کا شدت سے احساس ہوا، ذیشان کی نگاہوں سے تصادم ہوا وہ اٹھ کر بیٹھنے لگی۔ ذیشان نے گھسیٹ کے پہلو میں گر لیا، وہ حواس باختہ شرمائی گھبراہٹ کی

”اتنی رات کو اٹھ کر کہاں جاتا ہے۔“

حرما کا تیز تیز سانس چلنے لگا۔

”یار! تم اتنی رات کو کیا کر رہے ہو؟“ ذیشان اسے دیکھ کر حیران ہوا۔

”وہ..... وہ..... میں اوپر جا رہا تھا۔“ وہ بھی شرمندہ ہو گیا۔

”تمہیں رات میں بھی سکون نہیں ہے سوتے بھی ہو یا نہیں؟“ حرمانے ہی اس کی ڈپٹ کے کلاس لینی شروع کر دی۔

”وہ مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔“ شہران اس دن سے حرما سے دب کے اور لحاظ سے بات کرنے لگا تھا۔ ورنہ وہ کب کسی کے قابو آتا تھا یا پھر وہ اسے احترام کے درجے پر رکھے ہوئے تھا یا پھر رشتہ کا خیال کر رہا تھا۔ ورنہ شہران جیسی شخصیت جو کبھی اپنے باپ تک سے ڈری نہیں اور بھادوچ سے اتنا ڈر کے اور رک رک کے بات کر رہا تھا۔

ذیشان نے اتنی رات کو بھی دلچسپ نظروں سے حرما کا اتنا پر اعتماد انداز دیکھا جو شہران پر برہم ہو رہی تھی۔

”تم نے تہیہ کر لیا ہے سکون سے نہیں رہو گے چلو کمرے میں وقت پر سوتے نہیں ہو تو رات کو تو آرام کر لیا کرو۔“ وہ فریج سے پانی کی بوتل نکالنے لگی پیاس اتنی لگ رہی تھی وہ ڈانٹنے کے چکر میں پانی پینا ہی بھول گئی تھی۔

”وہ اوپر میری کچھ چیزیں پڑی ہیں وہ لینے جا رہا ہوں۔“ وہ منمنایا۔ ذیشان کو شہران کی حالت پر ہنسی بھی آنے لگی کیونکہ حرما کے سامنے کیسے بھکی بلی بن گیا تھا۔

”اتنی رات کو تمیں بچے تمہیں سوتے میں چیزیں نظر آرہی ہیں ڈرا کے رکھ دیا ہے مجھے۔“ وہ کچن کی لائٹ آف کر کے نکلی۔ شہران زچ ہو گیا۔ کرارہ سا جواب چاہتے ہوئے بھی اسے نہیں دے سکا۔

”چلو کمرے میں صبح جا کر لینا چیزیں۔“ حرما سے ڈپٹ کے بات کر رہی تھی جیسے وہ چھوٹا بچہ ہو۔ ذیشان نے شہران کے کان میں جانے کیا سرگوشی کی اور وہ اندر چلی گئی۔

”تم نے تو اچھا خاصا شہران کو رعب میں لے لیا ہے۔“

”جیجی دیکھ کر کے سب کو ڈرا کے رکھا ہوا ہے۔“

”ہمارے گھر کے حالات تم سے مخفی نہیں ہیں کس وجہ سے شہران ایسا ہے تم جانتی ہو؟“ ذیشان نے اسے دیکھا جو لینے جا رہی تھی۔

”حالات اتنے بھی خراب نہیں تھے کہ سر پر سوار کر لیا جائے۔“ اس نے طنز کیا۔ ذیشان لا جواب ہو کر رہ گیا۔ کچھ لمحوں پہلے جو جذبات اس پر غالب تھے اب وہ بھی ایسی ناگوار گفتگو کی وجہ سے سرد پڑ گئے۔

”شہران سے آپ سب لوگ صرف ڈرتے رہے ہیں کبھی اسے صحیح غلط بتایا ہی نہیں۔“

”تم آتو گئی ہو تو بتاتی رہنا۔“ ذیشان کے لہجے میں تخی اور خفگی آ گئی۔ ایک نگاہ اٹھائی وہ سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔

”آپ کو برا لگا؟“ وہ فکر مند ہو گئی۔

”نہیں۔“ بس اتنا کہا اور روٹ لے لی۔

حرما لب بھینچ کے رہ گئی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا اسے برا لگا ہے جب ہی پشت پھیر کے لیٹ گیا ہے جبکہ حرما کے کہنے کا مطلب اس پر طنز کرنا نہیں تھا بلکہ وہ تو خود جب اس گھر میں آ گئی ہے تو اس گھر کے سب لوگوں کو اپنا سمجھنے لگی تھی۔ پھر اس کے ابو جو اس گھر آنے کو برا سمجھتے تھے وہ یہ چھاپ مٹانا چاہتی تھی کیونکہ اس نے ان میں دنوں میں اندازہ کر لیا تھا کوئی بھی اتنا برا تو نہیں ہے جو ہر وقت ذیشان کے گھر

والوں کو برا کہتے رہتے تھے۔

لیل ماہ نے اسے اتنا سمجھایا تھا اس گھر میں آ گئی ہو تو اب گزارہ کر کے ہی رہنا کیونکہ امی کو دن رات حرما کی ہی فکر تھی۔

سوچ لیا تھا اپنی امی کی اس بات کو پورا کر کے ہی رہے گی چاہے اس کا دل یہاں لگے یا نہ لگے دکھا دے گا تبسم رکھنا ہے۔

☆.....☆.....☆

پورا دن اس نے اریشما کو نوٹ کیا تھا وہ چپ چپ سی ہے اس سے آج تو زیادہ بات چیت بھی نہیں کی تھی کئی گھنٹوں سے اپنے روم میں ہی تھی حمدان کو تشویش بھی تھی۔

”مس اریشما! آپ امی میلو کب چیک کریں گی؟“ وہ اندر آیا۔

”آج میرا موڈ نہیں ہے۔“ خفگی دکھائی۔ اسکا کی بلیو کاشن کے سوٹ میں وہ اداس سی بھی لگی وہ معمول کی طرح پورے اسٹاف سے ملتی بھی نہیں تھی۔

”اوکے۔“ وہ جانے لگا۔

”حمدان۔“ اس نے پکارا۔ اس کے قدم رُکے اور گھوم گیا۔ سمجھ گیا کچھ تو ایسی بات ضرور ہے جب ہی اس نے پکارا بھی ہے۔

ای وقت اریشما کا سیل پیپ دینے لگا کال زدیا کی تھی۔ آج بہت دنوں بعد اس نے خود سے آخر کال کر لی۔

”تو کہاں ذفع رہتی ہے؟“ وہ عادت کے مطابق تڑخ کے گویا تھی۔ اریشما حمدان کو دیکھنے لگی جو اس کا منتظر کھڑا تھا۔

”زویا! میں ابھی کچھ دیر میں کال کرتی ہوں۔“

”زیادہ دیر میرے سامنے بھرمت مارا کر کچھ دیر میں مگر تو نے کال نہیں کی تو میں پھر بات نہیں کروں گی۔“ اس نے ہمیشہ کی طرح دھمکی دی۔

”میں آفس میں ہوں۔“

”مجھے پتہ ہے تو آفس میں ہے اتنے دن میں نے کال نہیں کی تو میرے گھر بھی نہیں آ سکتی تھی کسی وقت بھی میری ڈیوری ہونے والی ہے۔“ ساتھ ہی اسے سننے کے ساتھ یہ خبر بھی دی۔

حمدان خود ہی روم سے چلا گیا۔ اریشما ایزی ہو گئی۔

”سن میں بہت پریشان ہوں۔“ اریشما نے سردی آواز میں کہا۔

”کیوں کیا ہوا حمدان کی وجہ سے۔“

”گھر آ کر بتاؤں گی ساری بات۔“ وہ بولی۔ اتنے میں پھر حمدان اندر آیا تو وہ سیل بند کر چکی تھی حمدان اس کی نیبل سے کوئی ڈاکوینٹس تلاش کر رہا تھا۔

”کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟“ اس نے حیرانگی سے استفسار کیا۔

”لیٹرز کی فائل۔“

”اوہ..... وہ میں گھر لے گئی تھی۔“ اس نے بتایا۔

”ات..... آپ ہرے ی ہیں جس سے ڈھونڈ رہا ہوں اسلام آباد کا لیٹر تھا۔“ وہ غصہ ہونے لگا۔
”پتہ ہے مجھے بھی آپ سے زیادہ مجھے فکر ہے کیا کچھ کرنا ہوتا ہے۔“ وہ بھی تنگ گئی۔
”سوری..... میں تو اس خیال سے بول رہا تھا.....“

”بس رہنے دیں آپ سب کا خیال کر سکتے ہیں جو آپ کا خیال کرتے ہیں ان کا خیال کبھی نہیں کیجیے گا۔“ لہجے میں تلخی، طنز اور خفگی سب عیاں تھا۔

”میں آپ کی اس بات پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ نیوی بلیو ڈریس میں پینٹ پر وائٹ ہاف سلیو شرٹ میں وہ ڈینٹ اور معتبر لگ رہا تھا۔

”کیوں نہیں کہہ سکتے۔“ وہ جرح کرنے لگی۔

”اس لئے کہ بے موقع آپ ہر بات کرتی ہیں۔“ وہ اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا۔

”آپ کبھی موقع جو نہیں دیتے ہیں۔“ پھر طنز کیا۔

”پلیز ایشیاء! آپ فضول بحث میں الجھ رہی ہیں۔“ وہ زچ ہو گیا۔

”فضول بحث اور ضد آپ کر رہے ہیں میری طرف آپ کو دیکھنا تک گوارا نہیں ہے۔“ وہ رو ہانسی ہو گئی۔

”کیوں آپ خود کو اتنا گرا رہی ہیں مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا اتنے معتبر شخص کی اتنی سمجھداری بی ایسی بچوں والی ضد کر رہی ہے۔“ وہ ایشیاء کو جتنا ہرٹ کرتا تھا لگتا تھا وہ اس کے اتنے ہی قریب آتی جا رہی ہے۔ اس نے اول روز سے اسے سو برا اور سمجھدار سمجھا تھا مگر وہ سو بر تو ضرور تھی لیکن لگتا تھا سمجھدار بالکل نہیں تھی جو اس معمولی سے شخص کے لئے خود کو اتنا گرا رہی تھی۔

”آپ بھی تو سو برا اور سمجھدار ہیں آپ کون سا سمجھداری کا ثبوت دے رہے ہیں۔“ وہ بھی ترکی بے ترکی بولی۔

”میں چلتا ہوں۔“ وہ بے زار ہو گیا۔

”آپ مجھ سے بھاگتے ہیں اور جتنا بھاگیں گے حمدان! میں اتنا آپ کے نزدیک سے نزدیک تر آتی جا رہی ہوں مجھے آپ کی ضد نے ضدی بنا دیا ہے۔“ وہ بھی ایک ایک لفظ جتا کے بول رہی تھی۔

”لو کیوں کو اپنے جذبات چھپا کے رکھتے چاہئیں۔“ اس نے طنز کیا۔

”لو کیا جذبات اسی پر عیاں کرتی ہیں جنہیں وہ دل میں بساتی ہیں جنہیں دل سے چاہتی ہیں۔“

”ضروری نہیں جو دل میں رہنے والے ہوں وہ مل بھی جائیں۔“ حمدان آہستگی سے گویا ہوا۔

”جذبات سچے ہوں اور لگن سچی ہو دل میں رہنے والے ایک دن اپنے دل میں بھی بسا لیتے ہیں۔“

”ایشیاء! ابھی آپ نے زندگی کی تلخیوں کو دیکھا نہیں ہے جب ہی آپ عشق میں اندھی ہو رہی ہیں۔“

”میں صرف ایک شخص سے عشق کر رہی ہوں اور میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں رہا تلخیوں کو دیکھا نہیں مگر ناپسندیدہ لوگوں کو دیکھا ہے جو ہم پر زبردستی مسلط ہو رہے ہیں۔“ اس کا ذہن تیمور کی طرف چلا گیا۔

”ٹھیک کہا میرے لئے بھی آپ ناپسندیدہ ہی ہیں۔“ حمدان نے جھٹ کہا مگر دل تو ایشیاء کو پکار رہا تھا وہ بھی تو اسے چاہنے لگا تھا مگر اپنی حیثیت سمجھتا تھا۔

”جھوٹ بولتے ہیں۔“ وہ اس کے سامنے آ گئی۔

”میں سچ بولتا ہوں جھوٹ نہیں بولتا۔“

”حمدان! آپ آنکھیں چرا کر کیوں بات کر رہے ہیں۔“ ایشیاء نے اسے بغور جانچا تھا۔

”آپ مجھے الجھانے کی کوشش کر رہی ہیں مجھے بہت کام ہے۔“ وہ تیزی سے نکل گیا۔

ایشیاء اس کی آنکھیں بھی تو نہیں پڑھ پاتی تھی وہ نگاہیں ہی اتنی چراتا تھا وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھی وہ خود حیران تھی وہ اتنی شدت پسند اور لالباہلی کیوں ہو گئی ہے۔

”حمدان! میں تمہارا راز جان کے ہی رہوں گی آخر تم اتنے روڈ اور سخت دل کیوں ہو۔“ وہ ٹنڈ حال سی چیئر پر بیٹھ گئی۔

چچی جان جواب لینے کے لئے روز ہی فون کر رہی تھیں مگر مسز وکیل انہیں ٹال ہی رہی تھیں صرف ایشیاء کی وجہ سے جبکہ روجیل سکندر کی تو پوری رضامندی تھی مگر وہ بھی ایشیاء کی رضامندی چاہ رہے تھے پھر ہی معاملات آگے بڑھائے جاتے۔

☆.....

آج لائبریری میں آئی تھی تو اسے اکیلے ہی یونیورسٹی جانا پڑا تھا واپسی پر وہ بس کے انتظار کے لئے کھڑی تھی جب وہ بالکل قریب ٹیکسی لے کے آیا وہ تو اچھل ہی گئی۔ صبح سے ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑ رہی تھی موسم ابر آلود اور ٹھنڈا ٹھنڈا ہوا رہا تھا۔

”جابل انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ ناگواری سے ڈرائیونگ سیٹ پر شہران کو بیٹھے دیکھا۔ بلیک پینٹ پر لیمن کلر کی ٹی شرٹ میں ہمیشہ کی طرح لا پرواہ سالگا۔

”آ جاؤ گھر تک چھوڑ دوں گا۔“ وہ سر نکال کے بولا۔ لیل یاہ نے نخوت سے منہ دوسری طرف کر لیا۔ شہران سے تو اسے اتنی نفرت ہو گئی تھی اس کی طرف نگاہ تک ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔

”آپ کے ساتھ گھر کبھی بھی نہیں۔“ لیل ماہ کے لب و لہجہ میں حقارت تھی۔ شہران نے اس پر کٹیلی اور خونخوار نگاہ ڈالی جو اپنے آپ کو جانے کیا جھٹکتی تھی اگر کچھ لحاظ کر رہا تھا تو صرف حرما کی وجہ سے۔

”جنہیں بھابی نے بلایا تھا مجھ سے کہا تھا لیل ماہ نظر آئے تو ساتھ لے آنا۔“

”آئی کا دماغ تو درست ہے تم جیسے لفنگے کے ساتھ جاؤں کبھی نہیں۔“ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

”دیکھو زیادہ میرے سامنے ہیر وکن بننے کی ایکٹنگ نہیں کرو اگر میں تمہارا لحاظ کر رہا ہوں تو صرف بھابی کی وجہ سے۔“ بھنا کے آگے بڑھا بازو پکڑ کے ٹھیسٹ لیا۔ لیل ماہ کے تو آگ لگ گئی۔ ایک زوردار طمانچہ شہران کے بائیں رخسار پر پڑا وہ تو دھشت زدہ سا آنکھیں پھاڑ کے دانت بیس کے رہ گیا۔

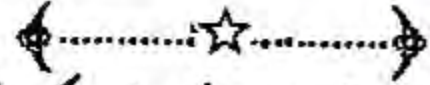
”آئندہ یہ حرکت کی تو منہ توڑ دوں گی۔“ شہادت کی انگلی اٹھا کر آنکھوں میں آگ ناگواری لئے اسے وارن کر رہی تھی۔ آس پاس کے لوگوں نے یہ نظارہ دیکھا تو رک کر حیرانگی سے دیکھنے لگے۔ شہران اپنی کھلی تضحیک اور توہین پر جوابی بدلہ لے سکتا تھا مگر وہ اسے گھورتا ہوا ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گیا۔

لیل ماہ کا پورا جسم لرز رہا تھا ہونٹوں پر لگ رہا تھا چیونٹیاں رینگ گئی ہوں ڈر بھی لگنے لگا وہ شہران کے مزاج سے کچھ تو واقف تھی حرما کو پتہ چلے گا تو وہ کیا سوچے گی۔ چادر لپیٹ کے لوگوں کے ہجوم سے نکلی۔ بس آگئی تھی وہ اس میں سوار ہو گئی۔ پورے راستے ذہن منتشر موچوں کے حوالے تھا۔ اسٹاپ آیا تو

ترس آیا تو چھوڑ دیا۔

”جان سے مار دوں گی۔“ آنکھوں سے آنسو بھل بھل نکل رہے تھے۔

”آواز نیچی رکھو آج کے لئے اتنا ہی سبق یاد رکھنا اور ہاں آئندہ مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تو میں لحاظ نہیں کرتا ہوں، صرف میرے بتانے کا مقصد یہی تھا، مظاہرہ تو دیکھ لیا ہے اگر کبھی مجھ سے پھر فضول لفظ بولے یاد رکھنا تمہارے گھر کے سامنے ہی تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں دیکھ لے ناں۔“ وہ غرا کر اسے دھمکی دے رہا تھا۔ لیل ماہ تو پسینے پسینے ہو گئی تھی۔ شہران کی سوچ اور باتوں پر اسے بہت زیادہ دکھ و غم ہو رہا تھا۔ اس کی بہن واقعی برے لوگوں میں پھنس گئی ہے۔ وہ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا اور وہ ساکت سی رہ گئی۔ آج اندازہ ہو گیا تھا شہران سب کچھ کر سکتا ہے۔



صبح کی بات پکی کرنے آنے والے تھے۔ سسرال والوں کو سنڈے کو بلایا تھا۔ حمدان کی چھٹی بھی تھی پھر سارے کام باہر کے حمدان کو ہی کرنے تھے۔ وہ رسم کرنے کے لئے مٹھائی وغیرہ لا رہے تھے۔ لڑکے کے گھوڑے میں ماں اور لڑکا اس کی بڑی بہن تھی والد کا دس سال پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا لڑکے کا نام فراز تھا۔ زیادہ لوگ تو آنے نہیں تھے اس لئے گھر میں ہی انتظام رکھا تھا۔

”امی! اریشماء باجی کو تو بلائیں گی؟“ عدین نے ان سے پوچھا۔

”نہیں وہ حمدان منع کر رہا ہے۔“

”یہ بھائی جان بھی اپنی ہی کرتے ہیں وہ بہت ناراض ہوں گی۔“ اسے غصہ بھی آیا پھر اریشماء اس سے لڑے گی بلایا بھی نہیں ناراضی دکھائی رہے گی۔

”امی! آپ پھر بھی اریشماء کو کہہ دیں وہ آتی ہی رہتی ہے اگر پتہ چلا تو ناراض ہوگی۔“ مصباح گویا ہوئی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے بلانے کی کہہ دینا گھر کے لوگ تھے زیادہ لوگ نہیں تھے اس لئے نہیں بلایا۔“ حمدان اندر آیا اور درمیان میں بی ٹوک دیا۔ مصباح جھینپ کے چپ ہو گئی۔

”حمدان! وہ بچی اتنی محبت کرتی ہے مجھے تو اپنے گھر کی لگتی ہے اچھا ہے آجائے گی تو مصباح کے پاس تو رہے گی کوئی تو بہن ہو اس کی۔“ امی کو حمدان کی ضد پر بہت افسوس بھی ہوتا تھا جو اتنا اکڑا اور روکھا ہوتا جا رہا تھا ورنہ آج سے دس سال پہلے کتنا شوخ لڑکا تھا اپنے ابو سے اس کی کتنی دوستی تھی مگر حالات نے اس میں ضرورت سے زیادہ سنجیدگی پیدا کر دی تھی۔

”میں آپ لوگوں کو جتنا کہتا ہوں اسے زیادہ اہمیت نہیں دیں جو وہ گھر کے معاملات میں بولے۔“

”حمدان! مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی ہے اگر وہ چند گھڑی آکر بیٹھ جائے گی تو کیا برا ہے۔“

”میں بالکل نہیں جانتا وہ یہاں آیا کرے آپ لوگ اگنور کریں گے تو وہ خود ہی یہاں آنا چھوڑ دے گی۔“

حمدان کی نگاہ عدین پر ٹپک گئی جو سنگل صوفے پر بیٹھا مسلسل سیل کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ اریشماء سے ہی sms پر بات کر رہا ہے۔

مصباح اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی وہ بھی جاہتی تھی اریشماء کو ضرور بلایا جائے مگر اپنے بھائی کی ضد کی وجہ سے چپ ہو گئی۔ اریشماء اسے بہت پسند تھی اتنی امیر و کبیر تھی مگر اس کے مزاج میں غرور نام کو نہیں تھا اور وہ نوٹ بھی کرتی تھی اریشماء، حمدان میں دلچسپی لیتی ہے مگر حمدان بہت محتاط طبیعت کا تھا اسے

وہ اتر گئی۔ رضویہ چورنگی کے سامنے والے ایریا میں سرسید کالج کی گلی میں آتے ہی اس نے رفتار تیز کر دی۔ 3 بجے عمو ناگیاں سنان ہی ہوتی تھیں ابھی اس نے گلی کا موڑ کاٹا ہی تھا وہ اپنے خطرناک تیوروں کے ساتھ ٹیکسی اس کے آگے روک کر کھڑا ہو گیا۔ لیل ماہ کا خوف سے چہرے کا رنگ اڑ گیا مگر خود میں پھر بھی اعتماد سموئے رکھا۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا ڈور زور سے بند کیا اس کی آنکھوں میں غصہ سے لال ڈورے واضح نظر آ رہے تھے۔

”تمہاری اتنی ہمت مجھ پر ہاتھ اٹھایا کیا کہا تھا میں نے ایسا جو تم نے میری بے عزتی کی ہے۔“ وہ تن کے اس کے دو بدو کھڑا تھا۔

”تمہاری کیسے ہمت ہوئی کہ میرا بازو پکڑا۔“ وہ بھی تن فن کرنے لگی۔

”میں تم سے سیدھے انداز میں بات کر رہا تھا بھابی نے بلایا ہے آگے سے تم کو اس کرنے لگیں۔“

”پلیز ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔“ لیل ماہ کو اس کے اتنے قریب آنے پر گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی۔ گلی سے گھر تک کا فاصلہ بہت کم تھا۔ کوئی بھی نکل سکتا تھا پھر فضول کی الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع ہو جائیں گے ویسے ہی خاندان والوں کی اب تک باتیں سن رہے تھے حرما کی شادی اس طرح جو ہوئی تھی۔

”مجھے تمہارے ساتھ جانا ہی نہیں ہے۔“ وہ آگے بڑھی۔ شہران کو تو غصہ ہر وقت ہی سوار رہتا تھا۔ اس نے کلائی پکڑ کے خود سے قریب کر لیا۔ لیل ماہ کی بار بار کی حقارت، نفرت، تذلیل اس کے تن بدن میں آگ لگا رہی تھی۔

”کیوں مجھ میں ایسا کیا ہے جو نہیں جانا تمہیں میرے ساتھ۔“ مکمل اپنے حصار میں لے لیا۔ لیل ماہ تو چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کے رہ گئی۔ دل دھک دھک کرنے لگا دھشت زدہ سی حواس باختہ رہ گئی شہران کی اتنی جرات۔

”کیا بد تمیزی ہے چھوڑو۔“ شہران کو دھکیلنے لگی۔

”اتنی اکڑ کیوں ہے تم میں اور تمہارے باپ میں؟ عزت کا جنازہ تو نکل چکا ہے ابھی بھی اکڑ نہیں گئی تم باپ بیٹی کی۔“ اس کا تمسخر اڑا کر لیل ماہ کا چہرہ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر دبایا۔

”مجھے تو لگتا ہے یہ حرکت تمہاری ہی ہوگی۔“ وہ پھنکاری اور خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ شہران ویسے ہی نڈر طبیعت کا تھا اسے کبھی کسی کا خیال ہی نہیں تھا جب ہی تو اس کا راستہ روک کر یہ حرکتیں کر رہا تھا۔

”چھوڑ دو پلیز..... میرا دم گھٹ رہا ہے۔“

”کیوں ساری بہادری ہوا ہو گئی۔“ اس نے طنزیہ انداز میں تمسخر اڑایا۔

”تم جنگلی آوارہ انسان ہو میں تم سے نہیں ڈرتی مجھے سمجھا کیا ہے منہ توڑ دیا کرتی ہوں۔“ وہ اس پر جھپٹ پڑی۔ مگر شہران نے اسے قابو کر لیا اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے شلجے میں جکڑ کے گاڑی سے اس کی پشت نکا دی نگاہیں اس کی نگاہوں میں جمادیں۔ لیل ماہ کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ نازک سراپا ڈرا سہا اسے خاصا مسرور کرنے لگا۔

”اگر ابھی میں تمہارا حشر بگاڑ دوں تو کوئی نہیں یقین کرے گا کہ میں ایسا بھی کر سکتا ہوں۔“

”تم لنگے انسان ہو تم سے سب امید ہے۔“ وہ حلق کے بل چیخی۔

”تمہارے باپ کو بہت اپنی شرافت کی پڑی رہتی ہے دیکھنا تمہارے گھر کی بنیادیں ہلا دوں گا ابھی تو بڑی بیٹی نکلی ہے اب دوسری کی باری ہے اور یاد رکھنا تمہیں بھی اسی گھر میں آنا ہے رخصت ہو کر۔“ اسے لیل ماہ کی حالت پر

حمران کو اس کی مطلق پرواہ نہیں تھی اور تیمور کا رشتہ وہ قبول کرنا نہیں چاہتی تھی۔
”زویا! تجھے نہیں پتہ میں حمران کے بغیر ایک بلی نہیں رہ سکتی۔“

”سوچ لے اگر حمران سے شادی کر بھی لی تو وہ تو تجھے خوش نہیں دے سکے گا۔“ زویا اسے سمجھانے لگی۔
”مجھے بھی حمران سے ضد ہے کچھ بھی ہو میں حمران سے ہی شادی کروں گی۔“ وہ اٹل ارادوں سے گویا ہوئی۔

”وہ جب راضی ہی نہیں ہے تمہاری طرف دیکھنا تک نہیں چاہتا ایسا شخص کیسے شادی کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔“
وہ اریشما کی باتوں سے فکر مند بھی ہو گئی۔

”میں حالات ہی ایسے کروں گی۔“ انداز پر سوچ تھا۔

”کیا مطلب تم دلن والا کردار ادا کرو گی۔“ وہ چھینرنے لگی۔

”شٹ اپ۔“ اریشما نے تکیہ اس پر اچھالا۔

”پھر ایسا کیا کرو گی؟ مجھے ”ایسا“ ذرا واضح کرو۔“ زویا معنی خیز ہو گئی۔

”بکو اس مت کرو۔“ وہ جھینپ گئی۔

”جل آج میں تجھے چند لمحوں کے لئے خوش کرتی ہوں تو ذہن سے سب کچھ نکال دے بس یہ سوچ حمران تجھ سے محبت کرتا ہے اور تیری شادی ہو گئی ہے وہ بیڈروم میں آیا تو سب سے پہلے کیا کرے گی؟“

”زویا! سدھر جاؤ ورنہ ابھی میں تمہاری حالت خراب کر دیتی اگر مجھے اس کا خیال نہیں ہوتا۔“ اریشما نے اشارہ کیا وہ جھینپ کر سمٹ گئی۔

”بہت بد تمیز ہو۔“

”ہاں میں بہت بد تمیز ہوں ابھی تمہاری کیا بکو اس تھی۔“ وہ مسکرائی۔

”میں تو تجھے خوش کر رہی تھی حمران کے ساتھ تو خوش خوش دن گزار رہی ہے۔“ وہ نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھی۔
اریشما حیا سے اٹھ گئی کیونکہ مزید زویا کے پاس رکی تو اس کی زبان چلتی ہی رہے گی۔

”اچھا مجھے یہ بتادے میں خالہ کب بن رہی ہوں۔“ اس نے موضوع ہی بدل دیا۔

”یہی مہینہ ہے میرا میاں تو انتظار کے دن کاٹ رہا ہے۔“ وہ بھی خوش ہو کر بتانے لگی۔

”چل میری وعاتیرے ساتھ ہے پیارا سامنا دے اللہ تعالیٰ۔“ وہ خوش ہو کر دعا دینے لگی۔

”منا ہو یا منی مجھے قبول ہے میرا ہی بچہ ہوگا۔“ وہ خوش ہو کر بولی۔

”ارے بچہ تو کہاں چلی؟“ زویا نے اسے روکا۔

”آج آفس کا چکر نہیں لگایا ہے میں پھر آؤں گی کیونکہ تیمور والا مسئلہ سکس کرنا ہے میں یہ رشتہ کیسے روکوں؟“

”اس کا حل ہے تو اپنی پڑھائی دوبارہ اشارت کر دے۔“ زویا نے معقول وجہ دی۔

”ہوں بات تو ٹھیک ہے مگر نہیں وہ لوگ کہیں گے پڑھائی شادی کے بعد بھی ہو سکتی ہے مجھے کچھ اور ہی سوچنا ہے۔“ وہ اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

عدین کے ایکدم سے sms آنے بند ہو گئے تھے۔ اسے یہ بھی بے چینی تھی مصباح کی مگنی کا اسے سب کچھ مدین بتا دے تاکہ وہ بھی پہنچ جائے لی۔ حمران سے تو اب ڈرنا ہی چھوڑ دیا تھا اب تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کرتی تھی۔

کوئی موقع نہیں دے رہا تھا۔
”میں اکیلی کیا کیا دیکھوں گی؟ آجائے گی تو میرا ہاتھ بھی بٹالے گی۔“

”فائزہ باجی ہوں گی تو۔“ حمران نے جھٹ کہا۔

”فائزہ کے اپنے بچے ہیں وہ کہاں اتنا دیکھ سکے گی میں کچھ نہیں سنوں گی اریشما کو بلاؤں گی۔“ امی نے ہاتھ اٹھا کر دو ٹوک انداز میں اپنا فیصلہ دے دیا۔ حمران لب بھینچ کے رہ گیا۔ عدین کے لب مسکرانے لگے۔ اسی وقت ڈور بیل بجی تھی عدین اپنا سیل سینٹرل بیل پر رکھ کر اٹھا۔ حمران نے نگاہ اٹھائی گیٹ کھول کے کھڑا تھا۔

”امی! میں نیچے جا رہا ہوں عدیل آیا ہے کچھ دیر میں آ جاؤں گا۔“ وہ اندر ہانک لگا کے گیٹ بند کر کے نکل گیا۔ سیل وہ شاید بھول گیا تھا۔ مسلسل sms آرہے تھے ساکنٹ پر ہونے کی وجہ سے سیل تھرک رہا تھا۔ حمران کی پرتجسس نگاہ اسی پر تھی ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھا تھا عدین کا سیل اٹھا لیا sms چیک کرنے لگا سارے sms اریشما کے تھے۔

”کہاں ہو بھائی؟ جواب تو دیا کرو۔“ اس نے sms پڑھا۔

دوسرا sms کھولا حمران کی نگاہیں اسکرین پر جم گئیں۔

”آخر تمہارا بھائی مجھ سے اتنا لر جک کیوں ہے کیوں کرتا ہے وہ ایسا؟“ حمران ایک ایک کر کے سارے sms پڑھ رہا تھا۔

”تم لوگ مجھے مصباح کی مگنی پر نہیں بلاؤ گے میں خود آ جاؤں گی حمران بھی کچھ نہیں بول سکے گا۔“

”ہوں.....“ حمران نے لمبی سانس بھری سیل بیل پر رکھ دیا۔ اسے اندازہ تو تھا عدین کی اور اس کی کافی دوستی ہو گئی ہے۔ عدین نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے اور اب منع کرنا بھی ٹھیک نہیں تھا جبکہ اس نے خود آنے کا کہا تھا۔

اریشما کی اتنی ضدی طبیعت سے اسے فکر بھی ہو رہی تھی اگر آگے جا کر حالات کچھ اور ہو گئے تو کیا ہوگا؟ وہ جلد از جلد اریشما سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا تھا اور بہترین حل شادی جو اسے کسی سے بھی کرنی تھی۔

☆.....☆.....☆

”تیرے پاس میرے لئے ٹائم بھی نہیں ہے ہر وقت حمران کے خیالوں میں کھوئی رہتی ہے۔“ زویا نے آج اسے آڑے ہاتھوں لے لیا۔

”فضول بکو اس مت کرو میں پہلے ہی پریشان ہوں۔“ لائٹ سی گرین پر غڈ کپڑوں میں سادہ سے سرپے میں منتھک اور پریشان سی لگ رہی تھی۔

”کیا ہوا؟“ زویا نے بمشکل اپنے وجود کو سنبھالا اور اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی۔

”وہی ہوا جس بات کا ذکر تھا چچی جان اپنے لخت جگر کا میرے لئے رشتہ لے آئی ہیں۔“

”کیا.....“ وہ تو حیران رہ گئی۔

”تیمور کو میں کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی اور حمران کے علاوہ میں کسی اور کو سوچ بھی نہیں سکتی۔“ وہ قطعیت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

”حمران کو بتایا؟“

”اسے نہیں بتایا وہ تو سن کے خوش ہو جائے گا اور مشوروں سے نوازنے لگے گا۔“ اسے اسی بات کا تو اور رونا تھا

”مصباح کے بعد بھائی جان کی باری ہے۔“

”کیا کوئی لڑکی دیکھ لی ہے؟“ اس نے قدرے توقف کے بعد جھجک کے پوچھا۔

”ہاں دیکھ تو لی ہے مگر بات آگے نہیں بڑھائی ہے۔“ امی نے بھی جھوٹ بولا۔

اریشماء کا چہرہ اتر گیا مگر خود کو نارمل ہی رکھا، اگر ذرا بھی اپنے رویے سے یہ ظاہر ہو گیا اسے ناگوار گزرا ہے یہ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

”امی! کھانا کب لگائیں گی بھوک لگ رہی ہے۔“ حمدان اندر آیا۔

وہ تینوں ہی خاموش ہو گئے مگر حمدان نے پھر بھی سن لیا۔ اریشماء نے حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی، اتنا سو پر اور وجہ یہ تھا وہ اس کی سحر انگیز شخصیت میں کھوسی جاتی تھی، مضبوط اور توانا مرد تھا اور خود ار بھی بہت تھا، اسے ایسے ہی شخص کی تلاش تھی۔

”جی ابھی لگاتی ہوں۔“ مصباح فوراً ہی اٹھ گئی۔ عدین اپنا سیل ڈھونڈنے لگا۔ حمدان نے ٹی وی آف کر دیا۔ وہ سنگل صوفے پر بیٹھی تھی، کن انکھیوں سے اسے بھی دیکھ رہی تھی۔ عدین ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

”آپ نے طے کر لیا خود کو تکلیف دیتی رہیں گی۔“ حمدان اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

”تکلیف آپ دے رہے ہیں مجھے میں نہیں۔“ ترخ کے گویا ہوئی۔

”آ جاؤ بیٹا! کھانا لگ گیا ہے۔“ امی نے اسے پکارا، وہ حمدان کو آگے جواب دینا چاہتی تھی مگر پھر خاموش ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

آنکھیں بند کیے وہ لیٹی تھی مگر بار بار دپیر کا منظر غصہ دلار ہا تھا۔ شہران کے ہاتھوں کی گرفت ابھی تک اپنے وجود پر محسوس ہو رہی تھی، کتنی بے دردی سے اس کے نازک ہاتھوں کو جکڑا تھا، بازو کو دبوچا تھا۔

”جنگلی جاہل بدتمیز۔“ کتنی ہی دفعہ وہ دل ہی دل میں اسے گالیاں دے چکی تھی۔

حرام کو بتانے کا سوچا تھا مگر نہیں، اگر اسے بتایا تو وہ ویسے ہی اتنی مشکل سے گھر میں سیٹ ہوئی ہے پھر وہ سوچے گی برے لوگوں میں پھنس گئی ہے۔ شہران کو سنائے گی، الٹا اس کے گھر میں ہی ہنگامہ ہوگا اور یہ بات پورے محلے کو پتہ چل جائے گی، کتنی سبکی ہوگی، پہلے ہی وہ لوگ کسی کو منہ دکھانے کے نہیں رہے تھے۔

”شہران! تمہیں تو اللہ پوچھے بے حس انسان۔“ دانت پیس کے رہ گئی۔ پھر اس کی دھمکی یاد آئی تو وہ کانپ کے رہ گئی۔ جو شخص سر راہ روک کے بدتمیزی کر سکتا ہے اس سے ہر بات کی اور ہر حرکت کی توقع تھی۔

”اگر ابو کو خبر ہوگئی تو کیا ہوگا.....؟“ اس کا دل ڈر کے مارے دھک دھک کرنے لگا۔

پتہ نہیں کیوں شہران نے ان لوگوں سے بیرباندہ لیا تھا، ہر وقت اسکے ابو کو برے برے الفاظ سے پکارتا تھا، اس کے ابویک اصول پسند انسان تھے اور بہت سخت گیر بھی تھے، بچپن سے گھر میں روک ٹوک اور پابندیاں ہی لیل ماہ نے اپنے گھر میں دیکھی تھیں۔

پہلے وہ شہران کو پسند کرتی تھی مگر جب سے شہران کی حرکتیں سامنے آئی تھیں لیل ماہ کا دل خراب ہو گیا تھا۔

”تم اتنے کمینے انسان ہو گے شہران احمد! یہ مجھے اندازہ نہیں تھا اجڈ، جنگلی جاہل۔“ وہ دانت پیس کے دل ہی دل میں اسے گالیاں دے رہی تھی۔ اب تو اس کے گھر جاتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا۔ آوارہ انسان سے کچھ بعید نہیں ص ب کے سامنے کوئی بھی حرکت کر دے۔

آنکھیں اس کی بھاری ہونے لگی تھیں، ملال، دکھ، رنگ سب ہی اسے تھا، اس کی بہن کے ساتھ بہت غلط ہوا ہے وہ

زویا سے گلے مل کر وہ چلی آئی تھی۔ گاڑی کا رخ حمدان کے گھر کی سمت کر دیا تھا۔ وہ حمدان کو زچ کر کے رہے گی۔ عدین نیچے ہی مل گیا، عدیل کو رخصت کر کے اوپر ہی جا رہا تھا، اریشماء گاڑی لاک کرتی نظر آ گئی۔

”ارے آپ.....“ وہ حیران ہوا۔

”ہاں میں، مجھے یہ بتاؤ کیا پرالم ہے تمہارے بھائی کو؟ مجھے بلانے پر آخر اتنی اکڑ کیوں ہے اس میں۔“ وہ سارے راستے سلگتے ہوئے دماغ کے ساتھ آئی تھی عدین کو دیکھ کر تو پھٹ پڑی۔

”اور جواب کیوں نہیں دے رہے تھے، کتنے بیچ کیے، کال کرتی ہوں تو تم کال میری کاٹ دیتے ہو۔“ اسے بہت غصہ آ رہا تھا۔

”عدیل آیا تو میں نیچے ہی آ گیا تھا سیل اد پر ہی رہ گیا۔“ وہ اسے بتانے لگا، اریشماء خاصی بھنائی ہوئی لگ رہی تھی۔

”سوری یارا! وہ معذرت خواہانہ انداز میں گویا ہوا۔

”کیا تم سوری کر رہے ہو جو کبھی اپنی غلطی نہیں مانتا ہے۔“ اسے حیرانگی کا شدید جھٹکا لگا۔

”اچھا اچھا بس دماغ نہ کھاؤ۔“ وہ جھینپ گیا۔

”تمیز سے بات کیا کرو میں تم سے بڑی ہوں۔“ وہ تیز لہجے میں اپنا رعب اور بڑے پن کا احساس دلانے لگی۔

”آئی بڑی..... قدناپ لو میں ہی بڑا ہوں۔“ وہ مذاق میں اڑانے لگا۔

”میں عمر کی بات کر رہی ہوں۔“

”کون ہے عمر؟ کب سے چکر چل رہا ہے؟“

”عدین! فضول بکواس نہیں کرو۔“ وہ چڑھ گئی۔

عدین اسے اوپر بیڑھیوں پر چڑھنے کا اشارہ کرنے لگا وہ دھپ دھپ کر کے چڑھنے لگی۔

”بھائی جان ہیں گھر میں۔“

”میں نہیں ڈرتی۔“ دروازے کے آگے کھڑی ہو گئی۔

عدین نے ہیل پر ہاتھ رکھا، دروازہ حمدان نے ہی کھولا، اریشماء پزل سی ہو گئی جبکہ اس کے چہرے پر کچھ ناگواری نظر آئی۔ بلیوڈریس پینٹ پر نیوی بلیوٹی شرٹ میں سو برسا حمدان نگاہ پھیر کے اندر چلا گیا۔

”کیا زیادہ غصہ میں ہیں؟“ سرگوشی میں عدین کو مخاطب کیا۔ مصباح اور امی اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ اریشماء کو پھر آ کر ڈھیل نہیں ہوا۔ حمدان اپنے روم میں تھا۔

”آئی! مصباح کی منگنی پر اگر آپ نے مجھے نہیں بلایا میں آپ سب سے ناراض ہو جاؤں گی۔“

”آہستہ بولنے اندر بھائی جان ہیں وہ سن لیں گے، مجھے پھر ڈانٹ پڑے گی میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔“ عدین نے اشارے سے جب کرایا۔

”بیٹا! تم فکر نہیں کرو، تمہیں ہم کیوں نہیں بلاتیں گے، اگلے اتوار کو رسم ہے تم شام سے آ جانا، مصباح کی بہن بن کے سب کرنا ہے تمہیں۔“ امی نے خوش ہو کر اسے دعوت دی۔

”میری شادی پر کیا بن کے سب کریں گی؟“ عدین نے شوخی اور معنی خیزی سے لقمہ دیا۔ امی کی خشمگیں نگاہوں نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا۔ اریشماء اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی مگر وہ حمدان کی روکھی طبیعت سے بہت پریشان تھی، پتہ نہیں کب تک وہ اگنور کرتا رہے گا۔

بیچاری بے خبری میں ماری گئی ہے۔

”ابو! کاش کچھ تو صفائی میں سنتے، اتنے غصے میں تھے کہ آپ نے کچھ نہیں سنا۔“

حماد کا جائے کون سا دوست تھا جس نے یہ فتنول بکواس کی تھی وہ تو شہران پر ہی شک کر رہی تھی جو کچھ بھی کیا ہے یہ اسی کی حرکت ہوگی اسے ہی سب خبر بھی تھی مگر اسے کیسے خبر تھی؟ ذیشان احمد نے کسی کو کب بتایا ہوگا اور پھر نہ اس کی کوئی ایسی بات ظاہر کر رہی تھی کہ حرامیں اور اس میں کچھ بات ہے؟ لیل ماہ سرہام کے رہ گئی ابجھ کے رہ گئی تھی کس نے یہ بکواس کی ہے؟

”میں بھی پتہ لگا کے رہوں گی۔“ دعا اس کے برابر میں لیٹی سو رہی تھی۔

بازو میں تکلیف ہو رہی تھی اتنی زور سے اس کا بازو جکڑا تھا لال نشان پڑ گئے تھے۔

”شہران احمد! تمہیں اللہ سمجھے۔“ آستین اوپر کر کے وہ بازو دھلانے لگی۔

”آپنی پتہ نہیں کیسے رہتی ہوں گی؟ یہ بدتمیز شخص یقیناً ان سے بھی بدتمیزی کرتا ہوگا۔“ پہلے تو وہ چلی بھی جاتی تھی مگر اب تو جاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا وہ سوچے جا رہی تھی۔

”ادنیہہ..... میں کیوں ڈروں؟ یہ تو پھر مجھے اور ڈرائے گا میں بھی اس شخص کو زچ کر کے رہوں گی، سمجھتا کیا ہے خود کو اپنی مرضی سے سب کو اپنی مرضی پر چلائے گا یہ تو میں بتاؤں گی شہران احمد تمہیں بہت شوق ہے ہیرو بننے کا۔“ اس نے دل میں جتنا اسے برا بھلا کہتا تھا کہہ دیا مگر دوپہر کی اس کی حرکت اس کے تن بدن میں آگ لگا رہی تھی۔

اٹھ کر لائٹ آف کی پردے برابر کیے اور لیٹ گئی مگر یہ کیا لائٹ چلی گئی۔ وہ کوفت سے چلتے ہوئے نکلے کو دیکھنے لگی جو رک گیا تھا۔

”اللہ سمجھے تمہیں kesc دالو۔“ وہ بڑبڑائی۔ دعا بھی فوراً اٹھ کے بیٹھ گئی۔

”پھپھو! کیا لائٹ گئی؟“

”ہاں ابھی گئی ہے۔“ لیل ماہ نے اٹھ کر پھر پردے ہٹائے دعا بھی اٹھ کے روم سے باہر چلی گئی کیونکہ اسے بہت ہی گرمی لگتی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ آنہیں رہی تھی عدین نے اتنے میسج کیے بھر کال کی ای نے بات کی جب کہیں آنے کو تیار ہوئی اسے صرف حمدان کی رکھائی اور بے مروتی پر دکھ ہو رہا تھا ذرا بھی مروت نہیں برت رہا تھا۔

اسکا کی بلیو آٹھ کلیوں کی فراک اور اس پر پرنڈ بنارس شیفون کا ٹراڈز لائٹ لائٹ سے میک اپ میں نازک موٹی سی گڑیا لگ رہی تھی۔

اریشما کی نگاہوں نے حمدان کو تلاشا جو کبھی کبھی باہر آتا جاتا نظر آ رہا تھا۔ سی گرین جارجٹ کا ایمر ایڈری کا میض دوپٹہ اور فان کلر کا ٹراڈز ریچنگ سینڈل اور جیولری لائٹ میک اپ میں خاصی پرکشش اور منفرد نظر آ رہی تھی۔

مغرب کے بعد مصباح کے سسرال والے بھی آ گئے۔ فراز کی ماں اور بڑی بہن فائزہ اور دو اور خواتین بھی آئی تھیں۔ ان سب کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا تھا۔

”آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ اریشما نے اس کے کان میں مسکرا کے کہا۔

ردا: 118 مئی 2012ء

”آپ تو سب سے زیادہ پیاری لگ رہی ہیں۔“ مصباح نے جھینپ کے اس کی بھی کھلے دل سے تعریف کی۔

”تمہارے بھائی کو فرصت ہی نہیں ذرا بھی مجھے دیکھنے کی۔“ اریشما نے جل کے سوچا، نگاہیں بار بار باہر بٹک رہی تھیں۔

”وہ لوگ آ گئے ہیں کچھ دیر میں رسم کے لئے ڈرائنگ روم میں لے آنا۔“ ای اسے ہدایت دے کر چلی گئی تھیں۔

”مجھے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے۔“ مصباح کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پھر سب کے سامنے جانے کا سوچ کر ڈھیروں شرم آ رہی تھی۔

”اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے وہ صرف تمہیں مٹھائی کھلائیں گے کھالینا۔“ اریشما نے اس کی گھبراہٹ کو کم کرنے کے لئے کہا۔

”بہت آسان ہے ناں آپ کا ٹائم آئے گا تو جب پتہ لگے گا۔“ مصباح نے اپنا آنچل اور آگے تک کر لیا۔ وہ مسکرانے لگی۔ چوکھٹ پر کھڑے حمدان نے سب سنا تھا اریشما کے مسکراتے چہرے کو بھی دلچسپ نگاہوں سے دیکھا وہ اتنی دلکش تھی ذرا سا ج سنور جاتی تو اس کا حسن دو آتشہ ہو جاتا تھا۔

”وہ وقت آئے تو مجھے بھی انتظار ہے۔“

”اوہو بڑا شوق ہے شادی کا۔“ اس نے معنی خیزی سے چھیڑا۔

”جی نہیں اب ایسی لمبی بات نہیں ہے۔“ جھینپ کے برامان گئی۔

”آپ کو برا لگا۔“

حمدان تو اریشما کے حسن میں اتنا محو تھا اسی وقت اریشما کی نگاہ انھی شاید حمدان کی نگاہوں کی تپش تھی وہ شپٹایا اور وہاں سے گزر گیا۔ اریشما کے لب مسکرا اٹھے آج حمدان نے اسے اتنی توجہ سے دیکھا دل مسرور سا ہو گیا۔

”سوری۔“

”ارے مصباح! اب میں اتنا بھی برا نہیں مانی۔“ اس نے پہلو بدلا۔ حمدان کو وہ سوچ رہی تھی کچھ لمحوں پہلے اس کی چوری پکڑی تھی۔

”اریشما! مصباح کو لے آؤ وہ لوگ رسم کے لئے بلا رہے ہیں شہر کے حالات کچھ خراب ہو رہے ہیں انہیں جلدی جانا ہے۔“ ای پریشان سی اندر آئی تھیں۔

پہلے مصباح کو رسم کے لئے ڈرائنگ روم میں چھوڑ آئی اور خود روم میں آ کر می کو کال کرنے لگی ایک تو یہاں سگنل بھی نہیں آرہے تھے وہ پریشان سی ادھر ادھر گھوم کر سگنل کا تعین کرنے لگی۔

سارے مہمان ڈرائنگ روم میں جمع تھے رونق لگی ہوئی تھی اس نے نگاہ اٹھائی عدین اندر آیا تو اریشما کا پریشان چہرہ نظر آیا۔

”کیا ہوا؟“ استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

”مئی اور ڈیڈی کو کال مل رہی تھی ادھر سگنل ہی نہیں آرہے ہیں۔“ سیل کو دوسرے ہاتھ میں دبا یا۔

”آپ ادھر آ کر کریں۔“ ساتھ والے روم کا دروازہ کھولا حمدان کا روم تھا۔

”ادھر گیلری بھی ہے یہاں ٹھیک سگنل آتے ہیں میں بھی نہیں کھڑے ہو کر کال کرتا ہوں۔“ حمدان کے روم کے اندر ہی ساتھ گیلری تھی اریشما نے صاف سقرے قرینے سے ڈیکوریٹ کے روم کا تفصیلی جائزہ لیا۔ عدین چلا گیا

تھا وہ پھر گرل کے پاس آ کر کال کرنے لگی۔

”شکر ہے می! آپ کا نمبر ملا تو“۔ اس نے می کی آواز سن کر تشکر بھر اسانس لیا۔

”میں بھی کب سے تمہیں کال کر رہی تھی تمہارا نمبر بڑی جارہا تھا۔“

”یہاں نیٹ ورک کا مسئلہ ہے آپ بتائیے ادھر کے حالات کیسے ہیں؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”ادھر ڈیفنس کلفٹن کے تو ٹھیک ہیں مگر نادور کے سائیڈ پر فائرنگ ہے اور ہاں تم آنا مت آج وہیں رک جاؤ۔“

”می! میں آ جاؤں گی آپ پریشان نہیں ہوں۔“ وہ انہیں تسلی دینے لگی۔

”میں خود کہہ رہی ہوں وہیں رکو آج۔“ انہوں نے حکم کی انداز میں ڈانٹ کے کہا۔

”جی اوکے۔“ اسی وقت روم میں حمدان کی انٹری ہوئی وہ گھبرا گئی می کو جلدی سے اللہ حافظ کہا اور سیل بند کر دیا۔

”وہ میں کال کرنے آئی تھی یہاں سگنل نہیں آ رہے تھے عدین نے کہا یہاں پر کلیر آتے ہیں۔“ نگاہ شرمندگی

سے جھکالی اور سائیڈ سے نکلنے لگی۔

”ہاں یہاں اکثر ہو جاتا ہے نیٹ ورک پر ایلیم۔“ وہ اس کی شرمندگی ختم کرنے کے لئے گویا ہوا۔

”آپ کے ڈیڈی کی کال آئی تھی شہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں آج آپ یہیں رک جائیے گا۔“ وہ سپاٹ سے

لہجے میں اسے بتانے لگا۔ اریشما نے چونک کر سنا مگر وہ اس پر نگاہ ڈالے بغیر روم سے نکل گیا اریشما کو یہاں رکنا

عجیب بھی لگ رہا تھا مگر مجبوری تھی۔

”یہ کیا آپ کی ہونے والی بہو تو نہیں ہے۔“ مصباح کی نند نے مسکرا کے معنی خیزی سے اریشما کو دیکھ کر امی سے

پوچھا وہ تو گڑ بڑا گئی مگر خود کو نارمل کیا۔

”نہیں میری سچی ہے۔“ امی نے اریشما کو ساتھ لگایا۔

”رشتے تو آسمان پر بنتے ہیں ابھی حمدان کے بارے میں سوچا نہیں ہے کیونکہ گھر کی ذمہ داریاں بہت ہیں۔“

انہوں نے مصباح کی نند کو بتایا۔

اریشما مصباح کو لے کر روم میں چلی آئی۔ دل آج اس کا حمدان کے نام پر دھڑکے جارہا تھا اس کا یوں دیکھنا

پھر رک کر بات کرنا جانے کیوں اتنی سی خوشی بھی اسے سرشار کرنے لگی۔

مہمان دس بجے چلے گئے تھے پورا گھر پھیل گیا تھا مصباح تو فوراً ہی صفائی میں لگ گئی اریشما نے بھی

ساتھ دینا چاہا۔

”آپ بیٹھے آرام سے۔“ مصباح نے رد کیا۔

”امی! چائے تو بنوائیے۔“ حمدان نائٹ سوٹ میں روم سے باہر آیا۔

”چائے..... ایسا کریں اریشما بنالے گی کیوں بنانی آتی ہے ناں؟“ مصباح نے پوچھا۔

”آں ہاں.....“ گڑ بڑا کے اثبات میں سر ہلایا۔

”رہنے دو میں خود بنالوں گا۔“ وہ کچن میں چلا گیا۔

”تمہارے بھائی کو تو ہر وقت غصہ آتا رہتا ہے۔“ اریشما سرگوشی میں بڑبڑائی مصباح مسکرائے گی۔

حمدان چائے بنا رہا تھا اریشما کو اس وقت پیاس بھی محسوس ہوئی کولر کچن میں کاؤنٹر پر رکھا تھا وہ جھجکتی ہوئی

اسکی موجودگی میں اندر آئی حمدان نے اچھٹی نگاہ ڈالی اسی وقت لائٹ چلی گئی اریشما جہاں بھی وہیں رک گئی۔

”آف یہ لائٹ بھی ابھی جانی تھی ساری صفائی پڑی ہے۔“ مصباح نے دما کی دی۔

”ارے عدین کہاں ہے؟ ایمر جنسی لائٹ بھی آن نہیں ہوئی آج تو۔“ امی بھی پریشان ہو گئیں۔

اریشما کا سانس رکا ہوا تھا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ حمدان نے اندازے سے سائیڈ پر ہاتھ مارا چونہ لہے کی لو

واضح تھی اریشما روشنی کے ہیولے میں نکلنے لگی تو حمدان سے ٹکرائی حمدان کا شانہ اس کی ناک کو سلائی دے گیا اتنی

زوردار ٹکرائی وہ چیخنی۔

”ارے کیا ہوا؟“ امی بھی گھبرا گئیں۔

حمدان حواس باختہ ہو گیا عدین اسی وقت ایمر جنسی لائٹ آن کر چکا تھا اریشما کی ناک کے اندر سے خون نکل رہا تھا۔

”اوہ مائی گاڈ یہ کیا ہو گیا؟“ وہ گڑ بڑایا۔

امی اسے ڈرائنگ روم میں لے گئیں اریشما کی نکسیر پھوٹ گئی تھی۔ روئی پانی سب ہی مصباح دوڑ کے لائی

حمدان اس کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔

”لیٹ جائیں۔“ صوفے پر کٹن رکھا۔

”اتنی زور سے لگا کیا؟“ امی کو تشویش بھی ہوئی۔

”کچھ نہیں آئی! حمدان کا شوڈر لگ گیا۔“ وہ روئی سے ناک صاف کرنے لگی۔

”ڈاکٹر کے لے جاؤ حمدان! مجھے تو فکر ہو رہی ہے۔“

”ارے آئی! ٹھیک ہو جائے گا۔“ اریشما نے رد کیا۔ حمدان پر تشویش انداز میں اٹھا۔

”اٹھئے۔“ لہجے میں فکر بھی تھی۔

”اتنی رات کو ڈاکٹر کب ملے گا؟“

”ہوسپتال تو ہے ناں۔“ وہ کی رنگ دیکھنے لگا۔

”آپ کی گاڑی کی چابی کہاں ہے؟“

”اس وقت میں بالکل نہیں جاؤں گی شہر کے حالات خراب ہیں۔“ اریشما کو ضد ہو گئی کیونکہ اس دن بھی تو اس

کے پاؤں میں موج آئی تھی وہ کب ہوسپتال لے کر گیا تھا بلکہ اسے گھر چھوڑ کے چلا گیا تھا۔

”یہاں کے خراب نہیں ہیں۔“ وہ بھی اپنے نام کا ایک ضدی آدمی تھا اس کی سنی ہی نہیں۔

امی ساتھ ہی گئی تھیں عدین کو گھر پر ہی رکنے کو کہا تھا۔

ایمر جنسی میں ڈاکٹر مل گئے تھے کوئی خطرے کی بات نہیں تھی ڈوائیاں لکھ کر دی تھیں۔

گھر آ کر امی نے تو اس کا اتنا خیال رکھا اپنے روم میں ہی بیڈ پر لٹائے رکھا۔ حمدان کو بھی اس کی فکر ہو

گئی تھی کیونکہ وہ یہاں مہمان تھی پھر اس کے می ڈیڈی اسے دیکھ کر تو پریشان ہو سکتے تھے وہ کمرے سے باہر

نہل رہا تھا۔

”تم سو جاؤ جا کر۔“ امی اس کی پریشانی بھانپ گئی تھیں۔

اریشما کی شاید آنکھ لگ گئی تھی وہ ایک نظر دیکھ کر سونے چلا گیا۔

”عدین بیٹا! دروازہ چیک کر دیتے نہیں لاک کیا یا نہیں۔“ امی نے اسے ہدایت کی وہ بھی سونے کی تیاری کر رہا

تھا ڈرائنگ روم میں نیچے کارپٹ پر وہ بستر بچھا کے سوتا تھا۔

(جاری ہے)

رات کے اس پہر فضا میں خشکی کسی حد تک بڑھ گئی تھی اور ہوا میں مزید روانی آگئی تھی لیکن اس کے اندر تو جیسے آنسوؤں کا پچھتاؤں کا اور سب سے بڑھ کر کسی کی یادوں کا لاوا سا اہل رہا تھا رات کی بھیاں تاریکی میں اپنے کمرے کی کھڑکی کے دونوں پٹ وا کئے اس پر سر نکائے ستاروں سے روشن آسمان پر نگاہیں کئے بے دریغ آنسو بہا رہی تھی دل سنائل خان کے تصور سے ہمکلام تھا۔

”نجانے وہ کہاں چلا گیا.....؟“ آنسوؤں میں مزید روانی آگئی تھی، تصور بھی تو سرا سرا اس کا اپنا تھا تو پھر الزام کیسے اس کو دے سکتی تھی وہ تو خود سے بڑھ کر اسے

سوچوں پر کب تمہارا قبضہ ہوا جدھر نظر کرتی ہوں تم ہی تم نظر آتے ہو بہت بے بس کر دیا ہے مجھے تمہاری محبت نے ایک غلطی کی خم اتنی بڑی سزا دو گے مجھے سنائل خان! کیا تمہیں میری یاد نہیں آتی ہوگی یا پھر بھول گئے مجھے؟ کہاں چلے گئے؟ تم کیا اپنی محبت کو اسی طرح عمر بھر تڑپنے کے لئے تنہا چھوڑ دو گے؟ مجھے معاف کر دو سنائل خان مجھے معاف کر دو..... پلیز واپس آ جاؤ صرف ایک بار آ جاؤ پھر میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی اپنی تمام تر غلطیوں کی تم سے معافی مانگ لوں گی۔ آنسو ایک تواتر سے اس کے گلابی گالوں پر شبنم کے قطروں کی طرح پھیلتے جا رہے تھے

رابعہ خان

ناولٹ

میرے دل کے راز

”چپکے سے میرے دل میں اترے اور پھر ہرگز رتے لے کے ساتھ ساتھ میرے جسم و جاں کا روگ بن گئے“
مجھے تو پتا بھی نہ چلا کہ میں کب اور کیسے تمہاری محبت میں گرفتار ہوئی میرے دل میں میری سانسوں میں میری

ڈاٹ کام

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

چاہتا تھا، ٹوٹ کر محبت کرنا آیا تھا، بس وہ ہی نہ سمجھ سکی اس کی دیوانگی کو یہ خیال آتے ہی اس کے نازک سے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ رینگ گئی، مگر اگلے ہی پل اس کے لب آپس میں بھینچے سے گئے۔

”دیکھو! ایسے مت ہنسا کر“۔ قریب کہیں آس پاس شرارت بھری سرگوشی ابھری۔ اس نے سختی سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں تھیں اور اپنے گلاب ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”یار! رویا مت کرو مجھے اچھا نہیں لگتا“۔ یادیں چاروں طرف سے اسے اپنے شکنجے میں لینے کو بے تاب ہو رہی تھیں اور نا چاہتے ہوئے بھی وہ ماضی کے گھنے جنگل میں گم ہوتی چلی گئی جبکہ دھرتی پہ قبضہ جمائے رات کی سیاہی دھیرے سے خاموشی کے ساتھ اپنا باقی ماندہ سفر طے کرنے لگی تھی۔

گلشن کے پوش علاقے میں خان پریس کے نام سے تعمیر کی گئی دو کمال کی کوٹھی جلیل صاحب کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھی جلیل صاحب نے دن رات محنت کر کے اس کی بنیاد ڈالی تھی جیسے عطیہ بیگم اور جلیل صاحب نے بہت محبت سے اپنے ہاتھوں سے اس کے ایک ایک حصے کو سنوارا تھا عطیہ بیگم اور جلیل صاحب کے تین بچے تھے دو بڑے بیٹے اور ایک بیٹی عثمان خان نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس شروع کیا جو بعد میں خوب چل نکلا عثمان خان کی شادی ان کی پیمپوز اور ضیہ سے ہوئی تھی ان کے بھی تین بچے تھے سب سے بڑا شامل پھر تانیہ اور سب سے چھوٹا سنائل خان جو تمام کزنز میں بے حد خوبصورت ہونے کے ساتھ بہت شرارتی بھی تھا عثمان خان سے چھوٹی صفورہ تھیں ان کی شادی ان کے ماموں زاد مہران آفندی سے ہوئی تھی ان کے چار بچے تھے سب سے بڑی ایماء پھر آصف پھر کاشف اور سب سے چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی تانیہ آفندی صفورہ اپنے چاروں بچوں اور مہران آفندی سمیت خان پریس کے برابر میں تعمیر مہران ولا

میں رہائش پذیر تھیں، صفورہ سے چھوٹے فیضان خان تھے ان کی شادی جلیل صاحب کے دوست احمد بیگ کی بیٹی رخسانہ سے ہوئی ان کے صرف دو ہی بچے تھے بڑا بیٹا احد اور بیٹی جیا عطیہ بیگم اور جلیل صاحب کے تو گویا زمین پر قدم نہیں نکلتے تھے ان کو لگتا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے زمانے بھر کی خوشیاں ان کے قدموں میں ڈھیر کر دی ہوں وہ تو خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے لیکن بعض اوقات خوشیوں کی مدت بہت محدود ہوتی ہے۔ ایک رات اچانک دل کا دورہ پڑ جانے کے باعث جلیل صاحب ایسی سفر پر روانہ ہو گئے۔ خان پریس میں تو گویا قیامت آگئی تھی۔ عطیہ بیگم برسوں کی رفاقت کے بعد اس طرح اچانک اپنے شریک سفر کے پھڑ جانے پر جہاں غل حال ہو کر رہ گئی تھیں وہیں باقی سب ہی از حد دکھی اور گم صدم سے ہو کر رہ گئے تھے۔

ایسے نازک وقت میں عثمان خان نے اس طرح سب کو سنبھالا کہ سب لوگ انہیں سراہے بنا نہ رہ سکے۔ عطیہ بیگم تو عثمان خان کے گلے لگ کر جیسے اپنے اندر کا تمام دکھ بہا دینے کو بے قرار تھیں باقی لوگوں کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا مگر انہوں نے بہت حوصلے سے سب کچھ سنبھالا تھا حالانکہ نقصان تو ان کا بھی اتنا ہی ہوا تھا کہ جتنا باقی سب کا بہت محبت کرنے والے باپ کی شفقت سے وہ بھی تو محروم ہوئے تھے مگر وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے تو وقت کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی بھی پھر سے معمول کے مطابق سیٹ ہو گئی تھی مگر عطیہ بیگم کو جلیل صاحب از حد یاد آتے تو ان کی آنکھیں جھپکنے لگتی کہ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے اس چھوٹے سے آشیانے کو اس طرح خوش باش دیکھ کر پھولے نہ مارتے۔ پر پل اور وائٹ کمرسی ٹائلز سے مزین یہ کوٹھی اس میں رہنے والے یکنوں کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھی جس کو ہر ایک آنکھ رشک کی نگاہ سے دیکھتی۔

”السلام علیکم!“ وہ با آواز بلند سلام کرتا گھر میں داخل ہوا تھا نگاہ کچن سے باہر نکلتی لوازمات سے بھری

ٹرائی گھسیٹی جیا کا طواف کرنے لگی جس نے اسے دیکھتے ہی ایسا منہ بنایا تھا گویا دانتوں تلے کڑوا بادام آگیا ہو۔

”مائی ڈیر کزن! سلام کا جواب دینا مسلمان پر واجب ہے۔“ جھک کر ٹرائی سے کباب لے کر منہ میں ڈالا تھا ساتھ میں جیا سے بھی مخاطب تھا۔

”وعلیکم السلام!“ لٹھ مار انداز میں کہہ کر گویا جان چھڑوائی گئی تھی اور قدم اندر کی سمت جانے کے لئے بڑھائے تھے مگر سائل کے یکدم سامنے آ جانے پر اسے رکنا پڑا تھا۔

”دشمنوں کی طبیعت تو ٹھیک ہے.....؟“ شاید اس کے اتنی جلدی ہار ماننے کی توقع نہ تھی اس لئے آنکھوں میں حد درجہ حیرت ہلکورے لے رہی تھی۔

”آخر تمہیں پرالیم کیا ہے.....؟ کسی طرح چین نہیں ملتا تمہیں“۔ وہ بری طرح گھور کر بولی۔

”ایسے مت دیکھو مجھے“۔ وہ ہلکا سا اس کی سائیڈ جھک کر بولا تھا۔

”کیوں.....؟“ وہ بھی اس کے اس طرح کہنے پر تنک ہی تو گئی تھی اس لئے تیز لہجے میں بولی۔

”کیونکہ تم ایسے سمجھتی ہو تو کسی خونی بلا سے کم نہیں لگتی ہو اور میں ابھی مرنا نہیں چاہتا اس لئے“۔ از حد سنجیدگی سے جواب دیا تھا مگر آنکھوں کے کوروں میں ناچتی شرارت اور لبوں کی تراش میں خوبصورت سی مسکراہٹ جیا کا خون کھول کر رہ گیا اس کی اس بے تکلی بات پر۔

”مرہم.....“ وہ کہہ کر اس کو دھکیلتی ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔ پیچھے وہ بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے آیا۔

”یہ تم کہاں میرے پیچھے آرہے ہو؟“ دروازے پر رک کر وہ گھورنے لگی۔

”ڈرائنگ روم میں“۔ بڑی معصومیت سے جواب موصول ہوا۔

”تم ڈرائنگ روم میں ہرگز نہیں آنا سمجھے“۔ وہ تنبیہ کرتے ہوئے بولی۔

”مگر میرے اندر جانے پر تمہیں کیوں اعتراض“۔ قریب سے ہی طنز میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں سے

ہے.....؟“ وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

”کیونکہ اندر میری فرینڈ بیٹھی ہے سمجھے“۔ وہ جھلا کر خونخوار ہو کر بولی تھی۔

”تو کیا ہوا اب تو میں ضرور جاؤں گا اب اتنا ڈراؤنا بھی نہیں ہوں جو خداخواستہ تمہاری فرینڈ کے بے ہوش ہونے کے چانسز ہوں خاصا ہینڈسم ہوں“۔ کہنے کے ساتھ ہی وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔ پیچھے وہ اسے ڈھیروں گالیوں سے نوازی ٹرائی سمیت اندر داخل ہوئی تھی پھر کیا تھا جتنی دیروہ بیٹھا جیا کا خون ہی جلایا تھا اور جیادارے بے بسی کے پہلو پہ پہلو بدل رہی تھی۔

”اوکے یار! اب میں چلتا ہوں آپ کو اب جیا کہنی دے گی مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے“۔ کافی دیر بعد اسے اپنا ضروری کام یاد آ گیا تھا یقیناً جیا کا تمام تر خون جلانے کے بعد اب اس کا یہاں بیٹھنا بے کار تھا ایک نظر جیا کے غصے سے گلابی ہوتے چہرے پر ڈال کر چلا گیا تھا۔

”انٹرسٹنگ یار! تمہارا کزن تو بہت کمال کی چیز ہے“۔ صائمہ جیا کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی تھی۔

”کمال نہیں بے کار چیز ہے صرف بکواس کرنی آتی ہے“۔ جیا صائمہ کو دیکھ کر گھور کر بولی تھی جانتی تھی وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اسے زچ کرنے کا اور جب گھر میں بڑے نہ ہوں تو وہ ان کی غیر موجودگی سے بھرپور فائدہ اٹھاتا تھا اور ابھی بھی یہی ہوا تھا وہ اسے جی جان سے جلا کر گیا تھا۔ صائمہ خاموش ہو گئی کیونکہ وہ ان دونوں کے مابین تعلقات کی کشیدگی سے اچھی طرح واقف تھی اسی لئے اس وقت جیا کی کیفیت کو سمجھ کر چپ ہو گئی تھی۔

”جیا! ارے کہاں ہو بھی“۔ وہ جیا کو آوازیں دیتا لاؤنج میں داخل ہوا اور وہیں پر پڑے صوفے پر دراز ہو گیا تھا ساتھ آنکھیں بھی موند لیں تھیں۔

”کیوں مڑدوں کو جگانے کی ٹھان کر آئے ہو“۔

”مگر میرے اندر جانے پر تمہیں کیوں اعتراض“۔ قریب سے ہی طنز میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں سے

فکرائی تھی، آنکھیں کھول کر اس نے سنگل صوفے کی جانب دیکھا۔

”ارے تم تو یہیں بیٹھی ہو اور میں فضول میں ہی اپنے حلق کو تکلیف دے رہا تھا۔“ وہ اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے بیٹھے لہجے میں بولا تھا۔

”چلو اب تو نظر آگئی۔“ وہ بھی اس کے انداز میں بولی تھی۔

”ہاں آ تو گئی ہو۔“ وہ اپنے اسی مٹھاس بھرے لہجے میں بولا تھا اور دوبارہ سر کو صوفے کی بیک سے ٹکا کر آنکھیں موند گیا۔

”اب بک بھی دو کیوں گلا پھاڑ کر مجھے آوازیں دے رہے تھے۔“ اس کے اس انداز سے تو جیا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

”ڈیر کزن! تمہارا زلٹ آؤٹ ہو گیا ہے۔“ وہ یوں ہی لیٹے لیٹے بولا۔

”وہاٹ.....؟ میرا زلٹ اور تم اتنی دیر سے فضول کی بکواس کر رہے تھے مگر اصل بات پھوٹنے زبان پر چھالے پڑ رہے تھے تمہاری۔“ وہ اسے کہتی ہوئی جانے لگی۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ سنی نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”پکنک پر تو جانے سے رہی ظاہری بات ہے۔“ اخبار منگواؤں گی۔“ وہ دانت پیستے ہوئے گھور کر بولی تھی وہ اس کے اس طرح کلنے پر مسکرا دیا۔

”میں اخبار لے کر آیا ہوں تم اپنا ایڈمٹ کارڈ لے آؤ۔“ وہ چیز کی پاکٹ سے رول کیا ہوا اخبار نکال کر بولا۔

”تم اخبار لے کر آئے ہو.....؟“ وہ بے یقینی کے پنڈولے میں جمہولتی اس سے پوچھ رہی تھی۔

”تمہیں کیا یہ اخبار نظر نہیں آ رہا۔“ وہ اخبار اس کے سامنے لہراتے ہوئے ذرا غصے سے بولنے لگا۔

”اوہ سوری..... میں ابھی ایڈمٹ کارڈ لے کر آتی ہوں۔“ وہ ذرا شرمندگی سے بولی اور جمٹ ایڈمٹ کارڈ لے کر آ بھی گئی۔

”لاؤ دکھاؤ.....“ وہ اس کے ہاتھ سے ایڈمٹ کارڈ لے کر اخبار سے اس کا رول نمبر ملانے لگا۔

”کیا ہوا یہ تم سر پکڑ کر کیوں بیٹھ گئے.....؟“ اسے یکدم سر پکڑ کر بیٹھے دیکھ کر جیا نے دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ بمشکل پوچھا۔

”تمہاری انگلش میں سہلی آئی ہے جیا۔“ اس نے بلا خراسے بتائی دیا چہرے پر اس وقت اس کے سنجیدگی ہی تھی مگر وہ پھر بھی مذاق ہی سمجھی اسی لئے اسے گھورنے لگی۔

”دیکھو سنی! اس طرح کا گھسا مذاق مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔“ وہ اسے وارن کرنے لگی۔

”شٹ اپ جیا! میں کیوں مذاق کرنے لگا اگر تمہیں یقین نہیں تو خود دیکھ لو۔“ وہ غصے سے کہتا اخبار اس کی جانب اچھال کر وہیں دراز ہو گیا۔

جیا نے کچھ پل اس کی سنجیدگی کو بڑے غور سے ملاحظہ کیا پھر دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اخبار میں اپنا نمبر تلاش کرنے لگی آنکھوں میں نمی الگ سے آگئی مگر اگلے پل اخبار کو منہ پر رکھ کر زور و شور سے بلند آواز کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔ آن واحد میں سب لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے حواس باہمت سے۔

”کیا ہوا جیا! اس طرح سے کیوں رو رہی ہو بیٹا.....؟“ دادو نے پیار سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ اخبار منہ سے ہٹا کر ایک نظر تمام لوگوں کے پریشان چہروں پر ڈال کر دوبارہ رونے لگی۔

”بیٹا! اس طرح سے سب کو پریشان کیوں کر رہی ہو بیٹاؤ! کیا ہوا ہے.....؟“ رضیہ بیگم نے اسے پچکارا۔

”وہ..... بڑی امی..... وہ میں.....“ اس سے آگے تو اس سے بولا ہی نہ گیا حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا نکلنے لگا تھا۔

”ارے بھی اپنی جیا فیل ہو گئی ہے اس لئے بے چاری رو رہی ہے۔“ سنی نے آخر کار سب کی مشکل آسان کی اور دوبارہ سے اپنے من پسند گنگنانے کے مشغلے سے لطف اندوز ہونے لگا۔

”وہاٹ.....؟“ تقریباً سب ہی جھٹکے میں آ گئے یہ سن کر کیونکہ بچپن سے لے کر آج تک اس نے ہر کلاس فرسٹ پوزیشن سے کلیئر کی اس کا تعلیمی ریکارڈ ہمیشہ سے شاندار رہا تو پھر اب کیا ہوا.....؟

”سنی بھائی! کہیں آپ مذاق تو نہیں کر رہے.....؟“ احد نے مشکوک انداز سے سنی کو دیکھا کیونکہ سب ہی اس کی اس عادت سے واقف تھے۔

”اف..... میری بات مذاق لگ رہی ہے تو خود جیا سے پوچھ لو ورنہ اخبار میں دیکھ لو۔“ وہ ذرا جھلا کر کہنے لگا سنجیدگی اس کے چہرے پر حد درجہ تھی۔

”میں واقعی میں فیل ہو گئی۔“ اس سے پہلے کے احد اخبار دیکھتا اس نے گھٹنوں کے اوپر رکھا سر اٹھا کر احد سے کہا تھا اور اپنی سیاہ گھنگھور آنکھوں سے آنسوؤں کو صاف کیا۔

”چلو کوئی بات نہیں کبھی ایسا ہو جاتا ہے اتنی سی بات پر اس طرح حوصلہ نہیں ہارا کرتے چندا۔“ دادو نے اسے گلے سے لگا کر تسلی دی۔

”میں نے بہت محنت کی تھی دادو! اور پھر بھی میں فیل ہو گئی۔“ وہ اپنی بڑی بڑی سیاہ گھنگھور آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لئے گلوگیر آواز میں سر اٹھا کر بولی تھی۔ سنی کا دل یکدم پگھلا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں اس کے برابر کارپٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

”جیا پلیز! رونا بند کرو اور میری بات سنو۔“ وہ بڑی اپنائیت سے بولا۔ سب ہی اس کے اس قدر بیٹھے لہجے پر چونک کر اسے دیکھنے لگے مگر وہ جیا کی جانب متوجہ تھا۔

”جیا! ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اخبار غلط ہو۔“ وہ بڑی سنجیدگی سے کہنے کے ساتھ اپنی شرارت واضح کر گیا تھا اور تھوڑا سا پیچھے کو کھسک گیا۔

”وہاٹ..... یو چیئر لائر.....“ کہنے کے ساتھ ہی وہ اس پر چھٹی مگر وہ پہلے ہی وہاں سے پرے ہو گیا پھر کیا تھا گویا پورے گھر میں بھونچال آ گیا وہ دونوں پورے گھر میں آگے پیچھے بھاگ رہے تھے باقی سب سر ہٹا کر رہے

”ارے بہتا! تمہاری کیا ہم سب ہی اسی لسٹ میں شامل ہیں۔“ کاشف نے ٹھنڈی سانس لے کر گویا جیا کے دکھ میں برابر شریک ہونے کا یقین دلایا۔

گئے جانتے تھے دونوں ڈھیٹ ہیں تو کچھ کہنا فضول ہے۔

”آپ کیا سوچ رہی ہیں بیگم صاحبہ۔“ عثمان خان نے بیڈ پر بیٹھنے کے ساتھ ساتھ ججانے کون سی سوچوں میں گم رضیہ بیگم کو مخاطب کیا جو اتنی دیر سے کسی گہری سوچ میں گم تھیں رضیہ بیگم چونک گئیں۔

”میں سوچ رہی ہوں کہ شامل آج کل چھٹیوں پر آیا ہوا ہے تو کیوں نا ایماء کی رخصتی کروالیں پھر نجانے کب شامل کو چھٹیاں ملیں نکاح کو بھی آٹھ ماہ سے اوپر ہو رہے ہیں اور پھر صفورہ بھی دو ایک بار ذکر کر چکی ہیں۔“ انہوں نے تفصیل سے اپنے شوہر کو جواب دیا اور انہیں دیکھنے لگیں۔

”تو اس میں اتنا سوچنے کی کیا ضرورت ہے اماں جان سے بات کر لو اور پھر جیسا وہ بہتر سمجھیں وہ کر لیتا۔“ انہوں نے مشورہ دیا۔

”اماں جان تو خود یہی چاہتی ہیں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے صفورہ سے بات کر کے رخصتی کی ڈیٹ فکس کر لیجئے اور ہاں شامل سے بھی اس بارے میں بات کر لیجئے گا۔“ وہ تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئے۔

”میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔“ وہ بھی مطمئن سی ہو کر کہنے لگیں اور نماز پڑھنے کے ارادے سے وضو بنانے والی روم کی طرف بڑھ گئیں۔

”شادی کی ڈیٹ کیا فکس ہوئی ایسا لگا خان پیلس میں بھونچال آ گیا۔ سب سے زیادہ حواس باختہ یک پارٹی ہوئی تھی ساتھ میں بے پناہ خوشی بھی کیونکہ یک پارٹی میں فرسٹ ٹائم شادی ہونے جا رہی تھی۔

”صرف پندرہ دن ہیں شادی میں اور میری تیاری ایکدم صفر ہے۔“ جیا نے چلنوز سے چھیلتے ہوئے اپنی مظلومیت کا رونا دیا۔

”ارے بہتا! تمہاری کیا ہم سب ہی اسی لسٹ میں شامل ہیں۔“ کاشف نے ٹھنڈی سانس لے کر گویا جیا کے دکھ میں برابر شریک ہونے کا یقین دلایا۔

”ارے بہتا! تمہاری کیا ہم سب ہی اسی لسٹ میں شامل ہیں۔“ کاشف نے ٹھنڈی سانس لے کر گویا جیا کے دکھ میں برابر شریک ہونے کا یقین دلایا۔

اسفند کو اپنی کسٹڈی میں لے لیا تھا وہ اپنے جگری دوست کی اکلوتی اولاد کو کس طرح بے آسرا چھوڑ سکتے تھے۔ اسفند چار سال کی عمر سے فیضان صاحب کی کسٹڈی میں آگیا اور دو سال پہلے اسفند کی خواہش پر اس کی منگنی جیا سے کر دی گئی تھی شادی اسفند کے مکمل طور سے بزنس میں سٹل ہونے کے بعد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

☆.....☆

صبح سے سارے گھر میں ہڑبونگ مچی ہوئی تھی تب کہیں جا کر اب سب کی تیاری آخری مراحل میں تھی خصوصاً لڑکیوں کی۔

شامل وائٹ شیروانی پروائٹ اور میردن امتزاج کا کلاہ پہنے واقعی کسی ریاست کا شہزادہ معلوم ہو رہا تھا اس کی سرخ و سفید رنگت پر اندر دنی خوشی کے باعث مزید گلابیاں بکھری نظر آرہی تھیں اور آنکھوں میں محبت کی چمک بہت خوبصورت تھی۔

بڑے سے ہال کمرے میں سہرہ بندھائی کی رسم ادا کی جا رہی تھی سبھی ہال کمرے میں موجود تھے اور خوب فقرے کس رہے تھے جانتے تھے دولہا بنا شامل اس وقت کس قدر بے بس ہے تبھی خوب تاک تاک کر نشانہ لگا رہے تھے۔

”تائی! کیمرہ تمہارے پاس ہے ناں۔“ جیانے ہار پکڑے کھڑی تانیہ سے پوچھا۔

”سوری یار! وہ تو میں ڈریسنگ پر رکھ کر بھول گئی تم یہ پکڑو میں لے کر آتی ہوں۔“ ہاروں کے ساتھ الجھتی تانیہ نے جیا کی طرف دیکھا اور ہار کا ٹوکرا اس کی جانب بڑھا کر کہنے لگی۔

”اُس او کے یار! میں جا کر لے آتی ہوں۔“ وہ جانے لگی۔ وہ اپنا لہنگا سنبھالتی تیزی سے سڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ سامنے سے آتے سنائل سے ٹکرائی۔

”لڑکی! سنبھل کر۔“ سنائل نے اسے بازو سے پکڑ کر گرنے سے بچایا۔

”تم دیکھ کر کیوں نہیں چلتے ہر وقت چھلائیں لگاتے پھرتے ہو۔“ غصے کے باعث وہ جومنہ میں آیا

الٹا سیدھا بول گئی حالانکہ غلطی اس کی اپنی تھی۔ ”اس وقت میں تمہارے ساتھ بحث نہیں کروں گا۔“ کیونکہ مابدولت کا موڈ آج بہت خوشگوار ہے۔ وہ شوخی سے کہتا اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر سائیڈ سے جانے لگا وہ بھی سر جھٹک کر اوپر جانے کو مڑی کہ آواز پر کنا پڑا۔

”اب کیا مصیبت ہے.....؟“ وہ دانت پیستی پلٹ کر پوچھنے لگی، جھنجھلاہٹ اس کے لہجے میں واضح تھی۔ ”وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری تیاری ابھی نامکمل ہے۔“ اس نے بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”وہ کیسے.....؟“ اس کی زبان پھسل گئی۔ ”وہ ایسے کہ تم جھاڑو لینا جو بھول گئی ہو۔“ اس نے مسکراہٹ روک کر سنجیدگی سے کہا۔

”وہاٹ! یو چیئر لائر۔“ وہ غصے میں کہتی اسے مارنے بڑھی لیکن پیر لہنگے میں بری طرح الجھا، نتیجتاً وہ لڑکھڑا کر گرنے لگی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتی سنائل کے مضبوط بازوؤں نے اسے اپنے حلقے میں لے کر گرنے سے بچایا۔ وہ خوف کی شدت سے آنکھیں موندے اس کے بازوؤں میں مقید تھی۔

پر پل لہنگے میں اس کا نازک سراپا مقید تھا ساتھ میچنگ جیولری پہنے کلائیوں میں ہمرنگ ڈھیروں چوڑیاں ڈالے اپنے رسمی بالوں کو پشت پر کھلا چھوڑے ماتھے پر چمکتی بندیا اور اس پر خوف کی شدت سے سرخ ہوتا چہرہ سنی تو اسے دم بخود سا دیکھتا رہ گیا۔ ایک پل لگا کہ بس اس کی دل کی دنیا میں طوفان اٹھے جس نے سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا دل اچانک ہی بڑے انوکھے انداز میں دھڑکا تھا لہو کی گردش بھی دوچند ہوئی تھی اس کے ہاتھوں کا لمس اب بھی اسے اپنے دل پر محسوس ہو رہا تھا۔

”اب کیا زندگی بھر اسی طرح کھڑے رہو گے؟“ جھنجھلاتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو سنائل کی محویت بھی ٹوٹی تھی وہ یکدم حواسوں میں لوٹا تھا۔

”کوئی شوق نہیں ہے مجھے تمہیں اس طرح پکڑ کر کھڑے ہونے کا۔“ اس نے اسے چھوڑ کر ہاتھ جھاڑے اسے تو بیماری تھی بنا سوچے سمجھے بولنے کی اب اپنے کہے الفاظوں پر بری طرح جھینپ گئی۔

”شٹ اپ.....“ وہ سر جھٹکتی آگے کو بڑھ گئی سنائل کی نظریں اس کی پشت پر بل کھاتی زلفوں پر انک کر رہ گئیں۔

”بری بات ہے سنائل بیٹا۔“ خفت سے اپنے سر پر ہلکے سے چیت رسید کرتے وہ بھی آگے بڑھ گیا۔ میرج ہال میں ان کا زبردست استقبال کیا گیا تھا نکاح تو پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے شامل کو ایماء کے برابر لے جا کر بٹھا دیا گیا اسٹیج پر ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ ایماء بلڈ ریڈ کلر کے بھاری کام والے لہنگے اور کلائی زیورات کے ساتھ ڈارک میک اپ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی شامل کی نظر بے اختیار اس کی جانب لگی رہ گئیں۔

”بعد میں دیکھ لینا بھائی! ابھی ذرا کنٹرول رکھو۔“ اس کی چوری سنائل نے پکڑی تھی اور زبان کی مچھلی بھی سنائی تھی اس کے اس طرح کہنے پر شامل تو کھلکھلا کر ہنس پڑا جبکہ ایماء کا سر مزید جھٹک گیا تھا سب ہی محظوظ ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں رخصتی کا شور مچ اٹھا ایماء نے تو رو رو کر براشر کر لیا ساتھ میں تانیہ نے بھی بھرپور طریقے سے بہن کا ساتھ دیا تھا۔

”سیلاب لانے کا ارادہ تو نہیں ہے تمہارا.....؟“ احد نے تانیہ کے قریب آ کر سنجیدگی سے پوچھا جو ایماء کے برابر میں کھڑی رو رہی تھی۔

”مطلب.....؟“ وہ نا جھسی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”مطلب یہ کہ ہم آپ کی بہن کو کڈنیپ نہیں کر کے لے جا رہے ہیں گھر ہے جب دل چاہے دیوار پھلانگ کر آ جانا اتار دینے کی کیا ضرورت ہے۔“

”رہنے دیں بس آپ کو کیا پتہ مجھے آپ کی بغیر نیند نہیں آتی اور ویسے بھی آج تک آپ کی بھی ایک دن

کے لئے بھی مجھ سے دور نہیں رہی ہیں تو رونا تو آئے گا نا۔“ اس کے آنسو میں مزید روانی آ گئی۔

”بیٹا! ایماء کہیں غیر جگہ تو نہیں جا رہی آپ کا جب دل چاہے آپ اپنی آپ کی پاس آ جانا۔“ عطیہ بیگم نے تانیہ کے آنسو صاف کئے۔

”جب دل چاہے یعنی اگر مجھے رات میں نیند نہ آئے تو میں آپ کی پاس آ جایا کروں.....؟“ تانیہ نے بہت معصومیت سے کہا اندازہ کہاں تھا کہ کیا کہہ رہی ہے۔

”اب اس کی پریشانی تو شامل بھائی سے تمہیں لینا پڑے گی۔“ سنائل نے شامل کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھا تو وہ جھینپ گیا باقی سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا وہ اپنی کہی بات پر شرمندہ ہو گئی ایماء کو مزید ہزاروں دعاؤں کے سائے تلے رخصت کیا گیا۔

☆.....☆

دونوں کا ولیمہ بھی ایک شاندار ہول میں ہوا تھا ایش گرے کمرے کے ڈنسوٹ میں شامل بہت خوبصورت لگ رہا تھا تو ایماء بھی براؤن اور گولڈن رنگ کے لہنگے میں غضب ڈھا رہی تھی سب ہی خوش تھے اسٹیج پر فوٹو سیشن ہو رہا تھا سب وہیں جمع تھے۔ سنائل پانی کا گلاس لئے ایک خالی ٹیبل پر بیٹھ کر پانی پینے لگا کہ اچانک اس کی نگاہ سامنے کے منظر پر جم کر رہ گئی۔ سامنے مریخ جیٹا کلر کے ستارے موتیوں کے کام سے مزین سوٹ زیب تن کئے گجروں سے بھی چوٹی کو آگے ڈالے چہرے پر جھولتی شرارتی موٹی سی لٹ کو ہاتھ سے کان کے پیچھے کرتے وہ تانیہ کے ساتھ کھڑی بھرپور طریقے سے ہنس رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

”یہ مجھے کیا ہو رہا ہے.....؟“ وہ اچانک ہی گلاس ٹیبل پر پینچ کر اپنے آپ سے جھنجھلا پڑا۔

”ارے یہ بچارے گلاس کی شامت کیوں آئی ہوئی ہے۔“ اسفند نے اس کے برابر والی کرسی سنبھالی۔ ”تمہیں کیوں گلاس سے اتنی ہمدردی ہے۔“ وہ سنبھل کر اسی کے انداز میں کہنے لگا تو دونوں ایک

دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑے۔ اسفند کی نظر سامنے اسٹیج کی جانب اٹھ گئی اور اسی پل جیانی نے بھی ان کی ٹیبل کی طرف دیکھا تھا۔ اسفند نے اسے دیکھ کر نگاہوں کا زاویہ بدل لیا تھا اور یہی بات جیانی کے دل میں طوفان لے آئی تھی وہ اسکا یہ بے رخی بھر انداز کافی دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کاشف کے آواز دینے پر وہ سر جھٹک کر اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔

☆.....☆

شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی واپس وہی روٹین لائف شروع ہو چکی تھی شامل اور ایماء ویسے کے بعد شمالی علاقہ جات کی طرف گھومنے کے ارادے سے کل ہی روانہ ہوئے تھے باقی سب کی بھی اپنی مصروفیات تھیں یوں بھی شادی کے چکر میں بہت سے کام کا لوڈ ہو گیا تھا۔ وہ لان میں اکیلی بیٹھی گھاس نوج رہی تھی ہوا بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی گھٹنوں پر سردھرے نجانے وہ کن سوچوں میں ڈوبی تھی کہ اچانک چونک پڑی۔ ثانیہ نے دم سے اس کے سامنے بیٹھ کر پیر پھیلانے لگے۔

”کہاں گم تھیں.....؟“ وہ اس طرح اس کے چونکنے پر ہنس کر پوچھنے لگی۔

”مجھے کہاں گم ہونا ہے۔“ جیانی نے چہرے پر آئے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسا۔

”کیا مطلب یہ اسفند بھائی کس مرض کی دوا ہیں۔“ وہ شرارت سے اسے دیکھ کر مسکرائی جیانی نے خاموش رہتا بہتر سمجھا وہ کہتی بھی تو کیا کہتی۔

”جیانی پریشان ہو۔“ ثانیہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں..... پریشان کیوں ہونے لگی۔“ وہ سامنے گئے ہار سنگھار کے پھولوں کو دیکھنے لگی۔

”زیادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے جلدی سے بتاؤ کیا بات ہے ورنہ میں ناراض بھی ہو سکتی ہوں۔“

”ثنانیہ! جب سے اسفند اس بار کینیڈا سے آئے ہیں بہت بدلے بدلے سے ہیں۔“ وہ ثانیہ سے آخر کہہ گئی تھی۔

”وہم ہوا ہوگا۔“ ثانیہ نے یہی اندازہ لگایا۔

”نہیں ثانیہ! یہ میرا وہم ہرگز نہیں ہے میں سچ کہہ رہی ہوں حالانکہ ہمارے درمیان اور لوگوں کی طرح ہرگز ڈائلاگز بازی نہیں ہوتی بلکہ منتفی کے بعد سے تو میں زیادہ سامنے بھی نہیں آتی مگر پھر بھی اسفند ایسا ہرگز نہیں کرتے تھے جس طرح آج کل ری ایکٹ کر رہے ہیں۔“

”مثلاً کس طرح کاری ایکٹ کر رہے ہیں۔“ ثانیہ نے الجھن زدہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

”جہاں میری شکل دیکھی وہاں سے واک آؤٹ کر جاتے ہیں اگر بھولے بھٹکے میری جانب نظر بھی پڑ جائے تو اس طرح ری ایکٹ کرتے ہیں جیسے خدا خواستہ گناہ کر رہے ہوں اکثر فون پر گھنٹوں باتیں کرتے ہیں لیکن جوں ہی کسی کو دیکھتے ہیں تو لائن کاٹ دیتے ہیں میں نے ہزار دفعہ یہ بات محسوس کی ہے جیسے وہ کچھ چھپا رہے ہوں۔“ جیانی نے من و عن ساری بات ثانیہ کے گوش گزار کر دی تھوڑی دیر کے لئے ایک دم خاموش چھا گئی۔

”جیانی! یہ سب تم نے محسوس کیا ہے تو یقیناً ایسا ہوگا لیکن یہ ضروری نہیں جیسا تم سوچ رہی ہو اللہ نہ کرے

وہاں کچھ ہو اور وقت سب سے بڑا استاد ہے وقت آنے پر سب معلوم ہو جائے گا تو فی الحال سب کچھ وقت کے اوپر چھوڑ دو سائنس مت پالو فضول کی جو ہوگا بہتر ہوگا اور اب مجھے جلدی سے اپنے ہاتھوں سے بنا کر چائے پلاؤ ساتھ میں کھانے کو بھی چاہئے۔“ وہ دونوں ہنستے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئیں مگر ہار سنگھار کے درخت کی آڑ میں کھڑا سانکل وہیں رک گیا وہ آج آفس سے تھوڑا جلدی آ گیا تھا مگر گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی جیانی آواز نے اس کے قدم وہیں روک لئے اس نے اس کی ساری باتیں سنیں تھیں وہ دونوں تو چلی گئیں مگر اس کے دل کی بے چینی ہوا ہونے لگی کچھ سمجھ نہ آیا تو وہ بھی سر جھٹکنا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☆.....☆

”ڈیڈی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“

”تو کہو بیٹا جی! میں سن رہا ہوں۔“ اس کی گھبراہٹ پر انہیں بھی حیرت ہوئی سب ہی ان کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

”وہ میں جیانی سے شادی نہیں کر سکتا۔“ بہت ہمت کر کے اس نے آخر کہہ ہی دیا لمحے میں پورے کمرے میں سناٹا پھیل گیا تھا سب ہی اس کی بات پر حق دق رہ گئے تھے۔

”کیا میں وجہ جاننے کی جسارت کر سکتا ہوں۔“ کافی دیر کے جامد سناٹے کے بعد فیضان صاحب کی کسی بھی احساس نے عاری آواز گونجی تھی۔

”وہ ڈیڈی! میں نے کینیڈا میں شادی کرنی ہے۔“ ان کی جانب دیکھے بغیر وہ بولا تھا۔

سب کے سب ساکت و جامد مٹی کے بت کی طرح خاموش بیٹھے رہ گئے شاید کہنے سننے کے لئے کچھ بچا ہی نہ تھا دروازے کے بیچ و بیچ کھڑی جیانی کو آسمان گھومتا محسوس ہوا تھا چائے کی ٹرے ہاتھوں سے پھسل کر زمین پر ہونے لگی تھی آواز پر سب نے دروازے کی سمت دیکھا تھا وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر تیزی سے پلٹ کر اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔

”ڈیڈی! آپ کوئی فیصلہ سنائیں اس سے پہلے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں بے شک آپ مجھ سے

لاکھ خفا سہی لیکن پلیز آپ کو ایک دفعہ میری بات سننا ہوگی اس کے بعد میں آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گا۔“ وہ فیضان خان کے گھٹنوں کے پاس ہی بیٹھ کر بڑی آس سے کہہ رہا تھا جسے فیضان خان چاہ کر بھی نہ روک سکے۔

”صرف کام کی بات ہو تو کرنا ورنہ میرا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ سرد لہجے میں بولے۔ کیونکہ اگر اسفند انہیں عزیز تھا تو بیٹی بھی دل کا ٹکڑا تھی اس کا غم بھی ان کا دل چھلنی کر رہا تھا۔

”ڈیڈی! میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں آپ کو اس طرح بھی غم سے دوچار کروں گا میں نے خود کو ہمیشہ

آپ کا بیٹا مانا ہے آپ سب لوگ مجھے بہت عزیز ہیں اور جیانی سے شادی کرنا بھی میرے دل کی خواہش تھی بہت خاص مقام تھا جیانی کے لئے میرے دل میں بہت خوش تھا کہ اب جیانی صرف اور صرف میری ہے ہم دونوں کو کوئی جدا نہیں کر سکتا مگر قسمت کا لکھا مجھے کہاں معلوم تھا۔ جب

میں یہاں سے کینیڈا گیا تو بہت خوش تھا کہ واپس جاؤں گا تو ڈیڈی اور باقی سب لوگ بہت خوش ہوں گے ڈیل فائل ہونے کا سن کر اور میری پہلی کامیابی دیکھ کر بس اسی خوشی میں میں سرشار سا ہوٹل سے نکل کر سیدھا شاپنگ مال کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں میرے بچپن کے دوست راشد کا فون آیا جو چند سال پہلے کینیڈا میں سیٹل ہو گیا تھا میں نے جیسے ہی فون ریسو کیا میرے حواس بے قابو ہو گئے ہاسپٹل سے کال تھی راشد کا بری طرح

ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا دماغ میں شدید چوٹیں آئی تھیں سارا جسم پیوں میں جکڑا ہوا تھا معنوی مشینوں کے ذریعے وہ سانس لے رہا تھا اس کی حالت دیکھ کر میرا دل دھل گیا تھا دو دن بعد اسے ہوش آیا تھا فقط چند گھنٹوں کے لئے اور وہی وقت تھا جب اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑ کر اپنی بہن سے نکاح کرنے کی التجا کی تھی راشد کے علاوہ اس کی بہن کا کوئی سہارا نہ تھا راشد کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز اس کی التجا میں مجھے فیصلہ کرنے میں صرف ایک پل لگا

رودا انجسٹ 133 مئی 2012ء

رودا انجسٹ 132 مئی 2012ء

تھا میں نے اپنی خوشی سے زیادہ ایک مرتے ہوئے انسان کی خواہش پوری کر کے اس کے آخری وقت میں خوشی دے دی اور سریرہ سے نکاح کر لیا نکاح کے فقط پانچ منٹ بعد راشد یہ دنیا چھوڑ گیا شاید اس نے اپنی بہن کو بسا دیا تو سانسوں نے بھی ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ بتائیں ڈیڈی! کیا میں نے غلط کیا.....؟ آپ نے ہی تو مجھے سکھایا ہے کہ اپنی خوشی سے زیادہ دوسروں کی خواہش کا احترام کرو تو بس میں ایک مرتے ہوئے شخص کی خواہش پر سر تسلیم خم کر گیا اس میں میرا کیا قصور ہے ڈیڈی؟ کیا آپ اگر وہاں ہوتے تو آپ بھی یہی کچھ کرتے یا نہیں کرتے.....؟“ آنسو اس کے گالوں پر لاکھ ضبط کے باوجود بہہ نکلے۔

”ڈیڈی! میں نے ایک فیصلہ کیا ہے میں آپ کو پہلے ہی بہت دکھ دے چکا ہوں لیکن اب اور نہیں..... میں ہمیشہ کے لئے کینیڈا جا رہا ہوں کبھی واپس نہ آنے کے لئے ہاں رابطہ ضرور رہے گا آپ سے کہ آپ تو میرے لئے ساری دنیا سے بڑھ کر ہیں میں آپ کو بہت مس کروں گا بلکہ آپ سب لوگ ہی مجھے بہت یاد آئیں گے جیسا کہ سامنا کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے اسے کہئے گا وہ مجھے معاف کر دے یہ اس کا بڑا پین ہوگا۔ میں کل صبح کی فلائٹ سے واپس جا رہا ہوں آپ سب لوگ بھی مجھے معاف کر دیجئے گا۔“ وہ فیضان خان کے پیروں پر سر جھکا گیا۔

”گاڈ بلیس یو مائی سن۔“ اچانک فیضان خان نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے برابر بٹھالیا۔

”تم نے جو کیا شاید ٹھیک کیا“ اللہ جو جس کی قسمت میں لکھتا ہے اسے وہی ملتا ہے میں تمہیں جانے سے ہرگز نہیں روکوں گا کہ نہ میں تمہیں جیسا کہ سامنے شرمندگی سے منہ چھپاتے دیکھ سکتا ہوں اور نہ جیسا کہ آنسو بہاتے دیکھ سکتا ہوں ہاں مگر کبھی کبھار ملے ضرور آ جایا کرتا تمہاری کمی بہت محسوس ہوگی اور ہماری بہو کو بھی ہماری طرف سے ڈھیر سارا پیار دینا اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔“ انہوں نے اسفند کو گلے سے لگالیا تو وہ ان کی

محبت ان کے ظرف کو دیکھ کر شرمندہ ہو گیا۔ سب سے ہی معافی مانگ کر ملنے کے بعد وہ صبح کی فلائٹ سے کینیڈا کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس سارے معاملے سے جیسا بے خبری تھی وہ تو اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔

رودنے کے بعد بھی جب اس کے دل کا بوجھ ہلکا نہ ہوا تو بے اختیار ہی وہ وضو کرنے واش روم میں جا کھسی اور جائے نماز پر کھڑے ہو کر عشاء کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے تو بے اختیار ہی اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ نماز پڑھنے کے دوران بھی وہ خاصی ڈسٹرب رہی تھی۔

”یا اللہ! میں نے کبھی اپنے ماں باپ کے دل کو نہیں نہیں پہنچائی ان کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی اپنا فرض جان کر ان کی ہر بات مانی ہے۔ اسفند بھی میرے ماں باپ کی پسند تھے میں نے تو صرف ماں باپ کے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا ان کی خوشی کی خاطر ان کی بات مانی تھی تو پھر یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوا.....؟ یا اللہ! میرا کیا قصور تھا جو بیچ منجھدار میں مجھے اس طرح لا کر تہا چھوڑ دیا ابھی تو میرے دل میں اس شخص کی محبت کا ایک دیا بھی روشن نہیں ہوا تھا آنکھوں میں کوئی خوبصورت پسینا نہیں تھا اس شخص کے نام کا ابھی تو میرے دل نے ٹھیک سے دھڑکنہ بھی نہیں سیکھا تھا کہ میرے دل کو ہی برباد کر ڈالا اس ایک شخص نے۔ میں کیا اس قابل نہیں تھی کہ وہ مجھے وہ مقام دیتا جو آج کسی اور کا ہے اگر میرے ساتھ ایسا کرنا تھا تو پھر منگنی کا نالک کیوں رچایا تھا.....؟ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اسفند بھی تمہیں۔“ اس نے اپنے دل کی تمام باتیں اپنے اللہ سے کی تھیں اس میں بھلے سے گلے شکوے ہی کیوں نہ تھے دل کی بھڑاس نکلے تو دل کا بوجھ بھی کچھ ہلکا ہوا تھا۔ جائے نماز تہہ کر کے رکھی اور بیڈ پر لیٹ کر سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ پورے دو دن سے وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی تھی۔ سب سے بے نیاز لائق ہی جو گرہ لگی تھی بس آنسو تھے جو ہمہ وقت اس کے

فم میں اس کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ گھر میں کیا ہو رہا ہے اسے اس بات سے کوئی مطلب نہیں تھا۔

آج پورے 5 دن کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی تھی خود کو کافی حد تک اس نے سنبھال لیا تھا وہ سیدھی لاؤنج میں چلی آئی جہاں تقریباً سب ہی موجود تھے۔ ”ارے آج تو میری بیٹی خود چل کر آئی ہے یہاں تک۔“ عطیہ بیگم نے جان نثار نظروں سے پوتی کو دیکھ کر کہا۔ وہ مسکرا کر ان کے برابر میں ہی ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

ان گزرے چند دنوں میں وہ کس قدر مرجھاسی گئی تھی چہرے پر زردیاں کھل گئی تھیں بیمار بھی تو بہت ہو گئی تھی جوبل ہمیشہ مسکراتے تھے اب وہاں خاموشی کا سپرہ تھا۔ سناٹا ایک ٹک اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا دل عجب سی اداسی کا شکار ہو گیا تھا انجانہ اضطراب اسے اپنے گھرے میں لینے لگا۔

”مجھے اس لڑکی کے دل سے غم کے کالے بادلوں کو نکال کر وہاں خوشیوں کے رنگ بکھیرنے ہیں میں تمہیں ویسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں لڑتی جھگڑتی غصہ کرتی۔“ ایک ہل لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں اور اس کے لب آپ ہی آپ مسکرا اٹھے تھے۔ وہ مطمئن سا ہو کر بیوی کی جانب متوجہ ہو گیا جبکہ باقی سب لوگ اپنی اپنی باتوں میں مگن تھے جیسا بھی خود کو کپڑ کر چکی تھی۔

”نو..... نیور ماما! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔“ وہ توڑتے سے اکل گئی۔

”لیکن کیوں بیٹا.....؟ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔“ رخسانہ بیگم نے بیٹی کو زدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پلیز ماما! ایک تماشائی کافی ہے میں اب مزید تماشائنا نہیں چاہتی اس لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔“ آخر میں اس کی آواز بھگ سی گئی۔

”تماشا کیسا بیٹا.....؟ سناٹل سے تمہاری شادی

کوئی تماشائ نہیں ہے تمہیں انکار کس بنیاد پر کر لے گی جلدی ہے کیا خرابی ہے سناٹل میں۔“

”مما پلیز! میں سناٹل سے شادی نہیں کروں گی بلکہ اب میں کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی اور اگر آپ لوگوں نے مجھے پریشان کیا تو میں کچھ کر بیٹھوں گی۔“ وہ منہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”جی بیٹا! خاموش ہو جاؤ مجھے تکلیف ہو رہی ہے تمہیں اس طرح دیکھ کر چلوٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی اب خوش۔“ وہ اسے پیار سے پکارتے ہوئے مسکرا کر بولی تھیں۔ ”مما.....“ وہ ان کے گلے لگ گئی تو وہ دھیرے دھیرے اس کا سر سہلانے لگیں۔

”کیا میں انکار کی وجہ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔“ وہ گلاب کے کچ کے پاس گھڑی بجانے کہاں گم تھی کہ ساعتوں میں سناٹل کی غصہ سے بھر پور آواز گونجی تھی وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

”میری مرضی۔“ وہ کندھے اچکا کر بولی اور سائیڈ سے ہو کر جانے لگی کہ کلائی سناٹل کی آہنی گرفت میں قید ہو کر رہ گئی۔

”یہ تو کوئی جواب نہ ہوا میرے سوال کا.....؟“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھنے لگا۔ ”ہاتھ چھوڑو میرا۔“ وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے ہاتھ چھڑانے لگی۔

”پہلے میرے سوال کا جواب دو۔“ وہ بھی جیسے ضد پراڑ گیا تھا۔

”یہ اچانک تم کیوں مجھ سے اتنی ہمدردی کرنے لگے.....؟“ وہ الٹا اس سے سوال کر بیٹھی۔

”ہمدردی نہیں ڈیر کزن! محبت کہو..... محبت کرنے لگا ہوں میں تم سے۔“ وہ جذب سے بولا تھا۔

”جسٹ شٹ اپ سناٹل خان! بہت ہو گیا میں تو پہلے ہی سب کی نظروں میں تماشائ بن چکی ہوں اب مزید تم کیوں میرا تماشائ لگوانا چاہتے ہو کیا ثابت کرنا چاہتے

ہو تم سب کے سامنے کہ تم بہت اعلیٰ ظرف ہو جس نے ایک ٹھکرائی ہوئی لڑکی کو قبول کر لیا مجھ پر احسان کرنا چاہتے ہو.....؟ جاؤ سائل خان! مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے تمہاری اس نام نہاد ہمدردی کی سمجھئے۔ وہ ایک تو اتر سے بہت آنسوؤں کے درمیان پھٹ پڑی تھی سائل تو دم بخود سا اسے دیکھ رہا تھا دفعتاً اس کے وجود نے حرکت کی تھی۔

”شٹ اپ جیا! کوئی حق نہیں تمہیں میری محبت کو ہمدردی کا نام دے کر توہین کرنے کا سمجھیں تم؟ تم نے مجھے اتنا گھٹیا سوچ کا مالک سمجھ رکھا ہے جو تمہیں ناچ کر کرنے کے لئے تم سے شادی پر راضی ہو گیا نہیں جیا فیضان! میرے دل نے تو تم سے بہت گہری سچی اور پاکیزہ محبت کی ہے تمہیں دل کے من مندر میں بہت اونچے سنگھار سن پر بٹھا رکھا تھا تم تو میری پہلی محبت تھیں میرے اولین جذباتوں کی مالک بن گئیں لیکن تم نے تو مجھے میری نظروں میں گرا دیا مجھے خود سے نظر ملانے کے قابل بھی نہ چھوڑا۔“ وہ جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر جانے لگا مگر پھر پلٹا تھا۔

”اور ہاں جیا فیضان! آج کے بعد تم مجھے اپنے سامنے نہیں دیکھو گی۔“ کہہ کر وہ رکنا نہیں تھا لے لے ڈگ بھرتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا جبکہ وہ گم صم ساکت و جامدی کھڑی بہتی آنکھوں سے سر جھٹک کر رہ گئی مگر نجاب نے کیوں دل نہ معلوم سی بے قراری میں گھر گیا تھا۔

وہ تو پتھر کے بت کی مانند ساکت تھی اسے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ واقعی میں اتنا بڑا فیصلہ کر لے گا وہ تو اس کی باتوں کو اس کا جذباتی پن سمجھتی تھی وہ ایسا کوئی قدم اٹھائے گا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا گھر میں سب کو جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا سائل خان نجاب نے کہاں چلا گیا تھا صرف اتنا ضرور بتا دیا تھا کہ وہ یہ ملک چھوڑ کر جا رہا ہے کبھی نہ واپس آنے کے لئے۔ ہر ایک کی آنکھیں اداس تھیں سب کو ہی افسوس تھا کیونکہ وہ گھر بھر کا لاڈ لا بھی تو بہت تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں

بند ہو کر بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی

نجر کی اذان کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تو وہ ماضی سے حال میں واپس لوٹ آئی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے بھیکے چہرے کو صاف کیا اور کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے۔

”تین سال پورے تین سال سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں سائل خان! اب تو لگتا ہے کہ جیسے تمہاری محبت میں جان سے ہی گزرتا پڑے گا روح تو یوں بھی گھائل ہے کیا معلوم موت ہمارے ملن کا سبب بن جائے موت تمہیں میرے رو برو لے آئے۔“ پھٹکی سی مسکراہٹ سمیت وہ وضو بنانے کی غرض سے واش روم میں جا چکی۔ نجاب نے کتنے وقت تک وہ اپنے رب کے آگے ہاتھوں کو پھیلائے اپنی محبت کے لوٹ آنے کی التجائیں کر رہی تھی۔ بند آنکھوں کے ساتھ کپکپاتے لبوں اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ سائل کے لوٹ آنے کی ہزاروں دعائیں کی تھیں۔

”صبح بخیر بھابی۔“ وہ کچن میں مصالحو بھونپی ایماء کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

”میڈم! بارہ بج رہے ہیں۔“ ایماء نے برز کی آنج دھیمی کر کے اس کی جانب مسکرا کر دیکھا تھا۔

”کیا لوگھی ناشتے میں.....؟“ وہ دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی پوچھنے لگی۔

”صرف ایک کپ چائے۔“ وہ وہیں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کسلمندی سے بولی۔

”کوئی خاص بات ہے کیا.....؟ یہ گھر میں غیر معمولی افراط فری کیوں مچی ہے۔“ اس نے جمائی روکتے ہوئے پوچھا۔

”آصف بھائی کا پرپوزل ہماری غائبی جی کے لئے آنے والا ہے۔“ ایماء نے چائے کا کپ اٹھا کر آگے رکھا اور وہی بیٹھ گئی۔

”وباٹ..... اتنا بڑا دھماکہ کر دیا آصف بھائی نے اور مجھے خبر بھی نہیں۔“ وہ منہ پھلا کر بولی۔

”جناب کو فرصت ملے تب ناویسے صبح ہی ای کا فون آیا تھا اس لئے کبھی کو صبح ہی معلوم ہوا ہے چلو خیر سے یہ تانیہ صاحبہ بھی کسی پار تو لگیں۔“ اس نے کپ خالی کر کے ہاتھ جھاڑے اور پھر دونوں ایک دوسرے پر ہاتھ مار کر ہنس پڑیں۔

وقت تو جیسے پر لگا کر اڑ گیا تھا ایک سال مزید بیت گیا۔ اس ایک سال میں آصف کی تانیہ سے ملنے کی ہو چکی تھی تانیہ کو بھی احد کے لئے مانگا جا چکا تھا سب ہی بہت خوش تھے۔ ایماء اور سائل ایک بہت ہی کیوٹ سے بیٹے حمزہ کے ماما پاپا بن چکے تھے سب ہی اپنے آپ میں مگن بہت خوش تھے مگر ایک وہ تھی جسے کسی پل چین نہ تھا ہر پل ہر لمحہ نگاہیں بھٹک بھٹک کر دروازے پر جاتیں اور مایوس پلٹ آتیں مگر جس کو دیکھنے کے لئے وہ آنکھیں بے قرار نہیں دھونجوانے کہاں دنیا کی بھیڑ میں گم ہو گیا تھا۔

موسم آج بہت حسین ہو رہا تھا صبح سے کالے کالے بادل ٹکڑوں کی صورت میں آسمان پر چھائے ہوئے تھے۔ سورج نجاب نے کس کو نے میں جا چھپا تھا دھیمی دھیمی ہوا چل رہی تھی وہ لان میں پودوں کو پائپ سے پانی دے رہی تھی ساتھ ساتھ سامنے چیر پر گود میں حمزہ کو لئے بیٹھی ایماء سے باتیں بھی کر رہی تھی کہ مین گیٹ کی تیل چیخ پڑی۔

”میں دیکھتی ہوں بھابی.....“ وہ پائپ گھاس پر ڈال کر کمرے دوپٹہ کھول کر شانوں پر ڈالتی دروازے کی سمت بڑھی تھی کیونکہ تیل متواتر بج رہی تھی۔

”آ رہی ہوں بھئی۔“ وہ بولتی ہوئی آئی اور گیٹ کھول دیا مگر گیٹ کھولتے ہی اسے لگا کہ جیسے زمین و آسمان ساکت ہو گئے ہوں کائنات کی ہر چیز پر سکوت چھا گیا ہو اس کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی اور پھر غمی نے گھر کر لیا تھا۔ بے شک دروازے کے بیچ و بیچ بلیک

پینٹ اور اسکن کلر کی شرٹ پہنے ایک گندھے پر بڑا سا بیگ لٹکائے دوسرے ہاتھ سے اپنے گھنے بالوں کو ماتھے سے پیچھے ہٹاتے ہوئے سائل خان کھڑا تھا۔

”کیا دروازے پر ہی کھڑا رکھنے کا ارادہ ہے۔“ وہ بہت خوش لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

”کون ہے جیا.....؟“ ایماء حمزہ کو گود میں اٹھائے گیٹ پر چلی آئی تھی۔ اس کے بے جان وجود میں ایک دم حرکت ہوئی تھی وہ بنا کچھ بولے منہ پر ہاتھ رکھے تیزی سے اندر کی طرف بھاگی تھی۔

”ارے..... ارے.....“ وہ اسے بھاگتے دیکھ کر گھبرا سی گئی پھر دروازے کی طرف جو پلٹی تو جیسے اس کی آنکھوں کو بھی یقین نہ آیا تھا کہ سامنے سائل خان کھڑا ہے۔

”نانو..... ماما! دیکھیں کون آیا ہے شامل! جلدی آئے۔“ ایماء بے اختیار چلائی اندر کی جانب بھاگی تھی پیچھے وہ بھی اندر کی طرف بیگ لئے بڑھا تھا۔

”کیا ہوا لڑکی! کون آ گیا.....؟“ عطیہ بیگم نے ایماء کو دیکھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی ان کی نگاہ دروازہ دھکیل کر اندر آتے سائل پر پڑی تو وہ بھی لمحے بھر کو گم صم سی ہو گئیں۔

”اسلام علیکم دادو۔“ وہ آ کر ان کے آگے جھک گیا مگر وہ تو بالکل گم صم اسے دیکھ رہی تھی شاید اس کے آنے کا یقین کر رہی تھی ایسا ہی حال کچن سے نکلتی رضیہ بیگم کا بھی تھا۔

”خفا ہیں.....؟“ وہ انہیں خاموش دیکھ کر ان کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگا۔

”خفا ہونے کہاں دیتا ہے تو مجھے۔“ وہ اسے اپنی آغوش میں بھرتے ہوئے بولیں لمحے میں سب لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے ہنستے چہرے اور آنسو بہانی آنکھوں کے ساتھ کبھی اس کے لوٹ آنے پر بے حد خوش تھے کہ اس کی نظر سیڑھیوں پر کھڑی تانیہ پر جا پڑی جو ریٹنگ تھا سے بلا درلغ آنسو بہا رہی تھی۔ وہ رضیہ بیگم کے پہلو سے نکل کر سیڑھیوں پر کھڑی تانیہ کی سمت بڑھا تھا۔

”کیا بہت زیادہ ناراض ہو.....؟“ وہ اس کے

آنسو صاف کرتے پوچھنے لگا تو وہ جھٹ سے اس کے گلے لگ گئی تھی۔

”بہت برے ہو تم بھائی! اتنا رلایا ہے ہم سب کو برسوں کے ر کے آنسو آج بہہ نکلے تھے۔“ وہ اس کے معصوم سے شکوے پر ہنس پڑا تھا۔

سب سے مل کر فریش ہونے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا پھر کچھ سوچ کر جیا کے کمرے کی طرف آ گیا وہ جب سے آیا تھا اس نے اسے کہیں نہیں دیکھا تھا سب لوگ رات گئے تک باتیں کر کے اپنے اپنے کمروں میں گئے تھے تو وہ بھی اپنے کمرے میں فریش ہونے کی غرض سے جا رہا تھا کہ جیا کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جیا کے روم کا دروازہ ہلکا سا کھلا تھا وہ ٹاک کرتا اندر کمرے میں آ گیا وہ بیڈ کے کنارے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ اپنے تئیں قدموں سے چلتا ہوا آ کر اس کے پاس نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

”افسردہ ہو میرے لوٹ آنے سے.....؟“ وہ اس کے بھیکے چہرے پر نگاہ جمائے پوچھ رہا تھا۔

”نہیں.....“ وہ اسی طرح سر جھکائے رہی سرفی میں ضرور ہلا تھا۔

”تو پھر رونے کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں.....؟“ اس کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ رقصاں تھی۔

”شرمندہ ہوں بلکہ بہت شرمندہ ہوں تم سے۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”شرمندہ ہو سکتی ہو مگر خوش نہیں ہو سکتی ہو۔“ وہ شرارت سے بولا تھا۔

”آئی ایم سوری! ریلی ویری سوری سنائل۔“ وہ بھیگی آواز اور جھکے سر کے ساتھ آخر کہہ گئی۔

”یار! اب سوری بول کر تم تکلف کی دیوار تو مت قائم کرو۔“ وہ اس کی شرمندگی کو زائل کرنا چاہتا تھا۔

”سنائل! میں واقعی بہت شرمندہ ہوں تم سے اور معافی بھی مانگنا چاہتی ہوں جانتے ہو تے عرصے میں نے گھٹ گھٹ کر زندگی کو جیا ہے اس دن میں نے تم سے جو کچھ کہا وہ

نجانے میرا غصہ تھا یا ٹھکرائے جانے کی اذیت کہ میں تم سے بتا کچھ سوچے سمجھے وہ سب کہہ گئی لیکن میں یہ نہیں جانتی تھی کہ تم اس طرح کا کوئی انتہائی قدم اٹھاؤ گے کیونکہ اس کی بھی ایک وجہ تھی کہ میرا اور تمہارا رشتہ ہمیشہ لڑائی جھگڑے تک ہی محدود رہا اور پھر اچانک تم نے جو کچھ کہا تو مجھے تمہارے اوپر غصہ تو آتا تھا۔“ وہ رک کر جھجک کر کہہ گئی تھی کہ کہہ دینا ہی بہتر ہے دل میں موجود غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔

”جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ جیا! مگر لڑنے کا ہمیں ایک فائدہ ضرور ہوا۔“ وہ بازوؤں کو سینے پر لپیٹتے ہوئے شرارت سے گویا ہوا۔

”ہائے.....؟“ یہ لڑنے کا فائدہ کب سے ہونے لگا.....؟“ جیا نے آنکھیں پھاڑ کر سنائل کو دیکھا۔

”ارے بھئی دیکھو لڑنے کے چکر میں ہم ایک دوسرے کو ہی سوچتے تھے کسی اور کو سوچنے کا موقع ہی نہ ملا۔“ وہ لبوں پر جاندار سی مسکراہٹ لئے جیا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

”جیا! کیا میری ایک بات مانو گی.....؟“ وہ یکدم سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگا۔

”چلو مان لوں گی بھئی۔“ وہ بے ساختہ کہہ اٹھی پھر یکدم چپ ہو گئی۔

”ٹھیک ہے تو پھر اب جلدی سے شادی کے لئے بڑوں تک راضی نامہ پہنچا دینا کل ہی آپ کے لئے

میرا پروزل آنے والا ہے اور اب انکار نہ ہو۔“ وہ اس کی سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولا۔

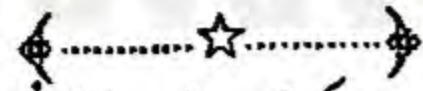
”اور سنو.....“ وہ جاتے جاتے دروازے سے واپس پلٹا تھا جیا نے اس کو دیکھا تھا۔

”اب ہمارا رشتہ لڑائی پر نہیں محبت صرف اور صرف محبت پر مبنی ہو گا۔“ کہتے کے ساتھ ہی وہ مسکراتا ہوا پلٹ گیا

تھا جیا کے لبوں پر بھی بہت عرصے بعد زندگی سے بھرپور مسکراہٹ جاگئی تھی۔ ان کے اتنے خوبصورت ملن پر تاروں کے جھرمٹ میں گہرا چاند بھی دل سے مسکرایا تھا۔

☆.....☆.....☆

میں اس پر چیخا تھا۔



”ہنی واپس آؤ، مونا نہیں ہے تم نے۔“ اس کی پکار پڑی نے توجہ نہیں دی تھی۔ وال کلاک پر ایک نظر ڈالتی وہ کرے سے باہر نکلتی تھی مگر پھر رک کر شیٹ کودیکھا تھا جو اسٹیرس کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔
”اتنی رات ہو چکی ہے اور تم جاگ رہی ہو۔“ شیٹ نے حیرت سے درمیانی اسٹیپ پر موجود ہنی کو دیکھا تھا۔
”جاچو! آپ وہیں رکھیں، میں جمپ لگاؤں گی۔“ ہنی یقیناً اس وقت کھیل کے موڈ میں تھی۔
”ہرگز نہیں، گر جاؤ گی تم۔۔۔۔۔“ وہ اسے روکنے کے لیے آگے بڑھا تھا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی وہ خبردار نہیں تھا مگر سرعت سے ہنی کو سنبھال چکا تھا لیکن اسی دوران ہنی کا سر اس شدت سے اس کی ناک سے ٹکرایا تھا کہ درد کی تیز لہر دوڑا گئی تھی۔

اسے دیکھتے ہوئے سارہ کا دل اچھل کر قحط میں آیا تھا جبکہ وہ ناک سے بہتا خون روکتے ہوئے تیزی سے بیڑھیاں چڑھتا چلا گیا تھا۔
”انہیں چوٹ لگ گئی ہے۔“ ہنی نے سہی نظروں سے سارہ کو دیکھا تھا جو فوراً ہی اس کا ہاتھ پکڑے سرعت سے

نائلہ طارق

قسط نمبر 19۔

سلسلے وار ناول

سائنس سرکے اور سائنس

”قسم سے سفید جھوٹ بول کر گئی ہے وہ۔“ شاہ رخ نے بدک کر شیٹ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا مگر وہ کچھ بھی کہنے کے بجائے اس کے ہاتھ سے سیل فون لے چکا تھا اور چند لمحوں بعد واپس اسے تھامنا ناگوار نظروں سے اسے گھورتا عاطف کی طرف بڑھ گیا تھا۔
”ساری پکچر اڑا دیں، کتنی مشکل سے جمع کی تھیں۔“ سیل چیک کرتے ہوئے شاہ رخ جھلائے انداز۔

ڈاٹ کام

www.paksociety.com

اور پریٹ کے کمرے کی طرف گئی تھی۔

نٹو پیر سے بہتے خون کو صاف کرتے ہوئے اس نے چونک کر کمرے میں داخل ہوتی سارہ کو دیکھا تھا۔

”یہ خون اس طرح نہیں رکے گا تم بیٹھ جاؤ پھر میں.....“ پریشان ہو کر بولتی وہ یکدم ہی اس وقت اپنی جگہ ساکت ہوئی تھی جب شیٹ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب آنے سے روکا تھا۔

”تم جاؤ یہاں سے..... میری پرواہ کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں سختی کے علاوہ بھی کچھ تھا جس نے سارہ کے چہرے کا رنگ بدل دیا تھا۔

”مجھے نہیں تو پھر کسے پرواہ کرنی چاہیے تمہاری بتاؤ مجھے؟“ وہ نہیں جانتی تھی کہ یکدم اسے کیا ہوا تھا اسے تو شاید اس چیز کا بھی ہوش نہیں تھا کہ وہ شیٹ کا گریبان اپنی ٹھیںوں میں جکڑ چکی ہے۔

”میری آنکھوں نے دیکھا ہے تمہارے اس خون کو پانی کی طرح بہتے ہوئے میرے علاوہ کس نے دیکھا ہے اس خون کو مٹی میں ملتے ہوئے اس کی ایک ایک بوند کتنی قیمتی ہے میرے لیے یہ تم بھی کبھی نہیں جان سکتے..... کوئی نہیں جان سکتا تمہیں کوئی حق نہیں مجھ سے یہ کہنے کا کہ مجھے تمہاری پرواہ نہیں کرنی چاہیے سنا تم نے۔“ غم و غصے سے لرزتی آواز کے ساتھ وہ غرائی تھی۔

”اس کے باوجود تم نے کیا کیا ہے میرے ساتھ جانتی ہو تم؟“ اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹا تا وہ دو قدم پیچھے ہوا تھا اور اگلے ہی پل ڈرینگ پر رکھا گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔

”یہ حشر کیا ہے تم نے..... یہ سلوک کیا ہے تم نے میرے دل میری بروخ کے ساتھ۔“ بکھری کرچیوں کی سمت اشارہ کرتے ہوئے وہ خون رنگ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا جو ساکت نظروں سے اسے ہی تک رہی تھی۔

”اگر تمہیں میری پرواہ ہوتی تو یہ سب نہیں کرتیں میرے ساتھ میرا ہاتھ جھٹکنے کے بجائے صرف ایک آخری موقع مجھے دیتیں اس کے بعد بھی اگر میں ازالہ نہ کرتا نہ دیتا تمہیں وہ مقام جس کی تم مستحق تھیں تو پھر جو چاہے سلوک کرتیں ساری دنیا کے سامنے میں تمہاری گالیاں اور لعنت ملامت کی کالک اپنے چہرے پر ہمیشہ کے لیے سجا لیتا مگر.....“ شدت ضبط سے لرزتے لہجے میں وہ بولتا بس ایک پل کے لیے رکا تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ میں اتنی زیادتیوں کے بعد ایک موقع کا بھی حق دار نہیں تھا مگر میرے سامنے تم تھیں سارہ! تم نے کہا تھا کہ ساری دنیا ایک طرف اور دوسری طرف صرف میں تو اللہ کے بعد تم میرے ساتھ ہو گی مگر مجھے یہ یقین دے کر تم خود بے یقین ہو گئیں ہاتھ چھڑا کر دنیا کی طرف ہو گئیں مگر تم نے شاید یہ ٹھیک ہی کیا۔ ہمیشہ میری وجہ سے زندگی تم پر تنگ ہوئی تم بھی کب تک میرے لئے آزمائشوں سے گزرتیں کب تک میرے نام کا عذاب تم بھگتیں۔

ایسا تھا ہی کیا میرے پاس جو تمہاری قربانیوں کا تمہاری وفاؤں کا بدل ہوتا..... یہاں تک کہ میری کچڑ میں تھری ذات بھی تمہیں تھوڑا سا غر نہیں دے سکتی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرا بے وقعت وجود کبھی تمہیں دنیا کے سامنے معتبر نہیں ہونے دے گا میں یہ سب کچھ بھول گیا۔ تمہاری طلب نے مجھے خود غرض بنا دیا اور اسی بھول اسی خود غرضی کی سزا ملی ہے مجھے۔“ سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹا گیا تھا۔

”محبت کبھی خود غرض نہیں ہوتی شیٹ! تم تو ہمیشہ میرے لیے صرف اور صرف سراپا محبت رہے ہو۔“ غم لہجے میں بولتی وہ دو قدم اس کی طرف بڑھی تھی۔

”میں نہیں جانتا کسی محبت کو جو تم کہہ رہی ہو یہ الفاظ میرے لیے اسی وقت اجنبی ہو گئے تھے جب پہلی بار مجھے تمہاری آنکھوں میں اپنا چہرہ نظر نہیں آیا تھا جب تمہارے لہجے میں میرے لیے اجنبیت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔“ خون

آلودہ ٹشو پیر ایک طرف پھینکتے ہوئے وہ ایک پل کوڑکا تھا۔

”آخر میں کیوں تمہارے سامنے یہ سب کہہ رہا ہوں؟ میں مزید یہ الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتا کہ میرا ظرف کتنا تنگ ہو رہا ہے میں نہیں چاہتا کہ تم اپنے کسی بھی جج کے لیے بار بار مجھ سے معذرت کرو مگر میں نہیں سمجھا سکتا اپنے دل کو جو تمہارے لیے آج بھی خود غرض ہے۔“

”مت سمجھاؤ اپنے دل کو مت کرو یہ جبر خود پر اور مجھ پر میں نے تمہارے ساتھ جو غلط کیا ہے اس کی شکایت کرو مجھے برا کہو مگر دوبارہ کبھی مجھ سے یہ سب مت کہنا کہ تمہاری پرواہ کرنی چھوڑ دوں۔“ اترے چہرے کے ساتھ وہ بھگی نظروں سے اسے دیکھتی بولی تھی۔

”مجھے خود سے الگ کرنے کے بعد تم خود اپنے اس حق سے دستبردار ہو چکی ہو۔“ وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

”میں اپنے تن سے گردن الگ کر سکتی ہوں مگر تمہیں خود سے نہیں۔“ وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

”نہ کرو اتنے عظیم اعتراف تمہارے جج مجھے یقین دے چکے ہیں کہ تمہیں کتنی پرواہ ہے میری اگر ایسا ہی تھا تو روکتیں مجھے اس کام سے جو تمہیں میرے لیے کبھی پسند نہیں آ سکتا تھا مگر میں انتظار ہی کرتا رہ گیا کہ تم میرے پاس آؤ گی اپنی ناراضگی کا اظہار کر کے مجھ پر حکم صادر کرو گی کہ نہیں شیٹ! تم یہ کام ہرگز نہیں کرو گے بے جان چیزوں کی پبلیٹی کے لیے مت کرنا اپنی نمائش مت بیچنا اپنی مسکراہٹ اپنے چہرے کو کسی بھی قیمت پر کیونکہ یہ سب میرا ہے تمہیں ایسا کرنے کا حق ہے نہ اجازت مگر..... مگر.....“ اس کے مدھم شعلہ بار لہجے پر وہ سن کھڑی بس ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”یہ پرواہ کی ہے تم نے میری؟ جس سڑک سے تم نے مجھے ہٹایا تھا آج پھر وہیں پہنچا دیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ آج میں سڑک پر پڑی سڑخ شدہ چیز نہیں ہوں بلکہ کئی سڑکوں پر تکی ہوئی چیز بن گیا ہوں اور بظاہر قابل استعمال بھی۔“ اس کے تلخ طنز یہ لہجے پر سارہ کا دل کسی ٹھی میں جکڑا تھا۔

”شیٹ! اللہ کے لیے مجھے پر یہ الزام لگا کر مجھے میری نظروں میں مت گراؤ یہ جج ہے کہ میں خوش نہیں تھی مگر باقی سب راضی برضا تھے خوش تھے میں تمہیں روک کر تمہارے آگے بڑھنے کے راستے بند نہیں کرنا چاہتی تھی.....“

”تم نے مجھے خود سے دور کر تو دیا ہے مزید آگے بڑھا کر آخر کہاں پہنچا کر مجھے غرق کر دینا چاہتی ہو تم۔“ وہ اس کی بات کا ثنا جس طرح درشت لہجے میں بولا تھا سارہ کی آواز حلق میں گھٹ گئی تھی دوسری جانب اس کے سفید پڑتے چہرے سے اپنی سلکتی نگاہیں ہٹا تا وہ مٹی کی طرف پہلی بار متوجہ ہوا تھا جو سب سے انداز میں گھٹی گھٹی سسکیاں بھرتی کبھی شیٹ کو اور کبھی سارہ کو دیکھ رہی تھی۔ سرعت سے آگے بڑھ کر شیٹ نے زہنی کو اٹھایا تھا اور اسے سینے سے لگائے ٹیس کی طرف نکل گیا تھا اور وہ جو ساکت کھڑی تھی تھکے تھکے قدموں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا ہاتھ اور دامن بالکل خالی خالی محسوس ہو رہے تھے وہ کس طرح اپنی سالوں کی ریاضت کو اکارت ہوتے دیکھ سکتی تھی کس طرح اسے خوابوں کو چھنا چور ہوتے دیکھ سکتی تھی جسے ابھی حاصل بھی نہیں کیا اسے کیسے کھونے کا حوصلہ رکھ سکتی تھی۔ مگر سامنا تو کرنا تھا اپنی متاع کو بچانے کے لیے کبھی کبھی کمان سے نکلے تیراگر پلٹ کر واپس آ جائیں تو یہ کوئی اجنبی کی بات نہیں ہے توجہ طلب چیز یہ ہے کہ کس طرح ان کا خیر مقدم کیا جائے وہ جانتی تھی کہ اسے خیر مقدم کرنے کا ہنر آتا جا رہا تھا۔

طرف ہو گئی تھی۔ اس دوران زینب اور مومو بھی عاطف کی آمد سے باخبر ہو گئی تھیں۔

”سر! آج آپ بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں بائی واوے“۔ مومو کے سنجیدہ انداز پر سارہ ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا اٹھی تھی۔

”بہت شکریہ مگر آج ٹیسٹ ہر حال میں ہوگا“۔ عاطف نے بھی اسی سنجیدگی سے کہا تھا۔

”پھر تو آپ ابھی زینب کو اسٹڈی سے نکال دیں اس کی بالکل بھی تیاری نہیں ہے“۔ مومو کے مشورے پر عاطف نے بمشکل مسکراہٹ چھپاتے ہوئے زینب کے شرمندہ چہرے پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔

”آپ تیاری کر کے کون سا تیر مار لیتی ہیں؟ کم از کم زینب کے ٹیسٹ تو تم سے بہتر ہوتے ہیں“۔ عاطف کے کہنے پر سارہ نے مسکراتی نظروں سے زینب کو دیکھا تھا جسے اب تک یقین نہیں آیا تھا کہ عاطف نے اس کی تعریف کی ہے۔

”ایسا کرتے ہیں ٹیسٹ منڈے تک ملتوی کرتے ہیں“۔ عاطف نے مومو کو پرسکون کیا تھا۔

”اور زینب! اگر کل آپ جلدی آ سکتی ہیں تو سارہ اور مومو آپ کی تیاری میں مدد کریں گی کافی پروڈیکٹس آپ نے مس کر دیئے ہیں“۔ عاطف نے براہ راست زینب کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

”یہ بالکل آئے گی ویسے بھی کل کا ہی تو دن ہے آپ بھی گھر میں ہوں گے ضرورت ہوئی تو آپ مدد کے لیے ہوں گے“۔ زینب سے پہلے ہی مومو نے کہا تھا۔

”ٹھیک ہے تو پھر ابھی سے تیاری شروع کر دو اور سارہ تم ذرا آؤ“۔ دروازے کا رخ کرتے ہوئے اس نے خاموش کھڑی سارہ کو مخاطب کیا تھا دوسری جانب وہ کچھ حیران ہوتی عاطف کے کمرے کے ہی ٹیرس پر اس کی تقلید میں آگئی تھی۔

”بیٹھو“۔ عاطف کے اشارے پر وہ اس کے سامنے ہی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

”اب جلدی سے بتا دو کیا براہم ہے؟ تمہارے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ تم ٹھیک نہیں ہو“۔ عاطف نے بغور اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ایسا شاید اس لیے آپ کو محسوس ہوا ہے کہ میری طبیعت کچھ بہتر نہیں ہے“۔

”یہ بہانے میں سننا نہیں چاہتا جو حقیقت ہے وہ بتاؤ“۔ عاطف کے قطعی لہجے پر وہ خاموشی سے نیل کی سطح پر نظر جمائے ساکت بیٹھی تھی۔ ایک بار پھر عاطف کا دہرایا گیا سوال بھی اس کی خاموشی کو نہیں توڑ سکا تھا۔

”اگر تم کچھ نہیں بتاؤ گی تو مجبوراً مجھے شیٹ کو یہاں بلانا پڑے گا“۔

”آپ اسے یہاں کیوں بلائیں گے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”کیونکہ مجھے لگ رہا ہے کہ تم اس کی وجہ سے ڈسٹرب ہو“۔

”آپ کا اندازہ غلط ہے“۔ وہ بولی تھی۔

”ٹھیک ہے تم کہتی ہو تو میں مان لیتا ہوں ویسے بھی اسے کسی ذاتی معاملے میں تم مجھے کیوں انوا لو کرو گی“۔ عاطف کے کچھ شکایتی لہجے پر اس نے کچھ کہنے کے لیے لب گھولے تھے مگر پھر خاموشی کے ساتھ جانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔



دیک اینڈ تھا اس لیے گھر کے بچے بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے مشغلوں میں مگن تھے سب لڑکیوں نے

نیل میں جکڑے ریٹھی بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

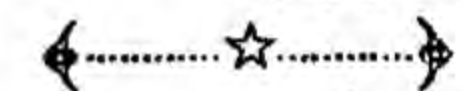
”اچھا ہوا تم اٹھ گئی ہو جلدی آ جاؤ کھانے پر شمس تمہارا انتظار کر رہے ہیں تمہیں دیکھ لیں گے تو تسلی ہو جائے گی ورنہ پوچھ رہے تھے بار بار“۔

”مجھے بھوک نہیں ہے آپ سب کھانا شروع کر دیں زینب آنے والی ہے اسے لینے گیٹ تک جا رہی ہوں“۔ سلیپر زینب نے ہنسنے والے وہ دم آواز میں بولی تھی۔

”میں کسی کو بھیج دیتی ہوں گیٹ کی طرف تم کہاں جا رہی ہو صبح سے تمہاری طبیعت سست ہو رہی ہے اب تم کھانا بھی نہیں کھانا چاہتیں“۔ سدرہ نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

”جب بھوک لگے گی تو کھالوں گی اب کلاس ختم ہونے کے بعد ہی آؤں گی“۔ وہ بولی تھی۔

”مگر اتنی جلدی ابھی تو عاطف بھی گھر نہیں آیا ہے“۔ سدرہ کچھ پریشان ہوئی تھیں اس کے پراسرار سے تاثرات پر کیونکہ وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر کمرے سے نکل گئی تھی۔



گیٹ پر سارہ سے ملتے ہوئے زینب بھی اس کے سے ہوئے چہرے اور پھٹکی سی مسکراہٹ پر چونک گئی تھی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ پہلا سوال زینب نے ہی کیا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں بس طبیعت میں کچھ بھاری پن محسوس ہو رہا ہے“۔ وہ ٹالنے والے انداز میں اسے مطمئن کر گئی تھی۔

”اچھا ہوا آج میں نے تمہیں جلدی بلا لیا“ تین چار دن جو مس ہو گئے ہیں تمہارے کور ہو جائیں گے ہماری بھی پریکٹس ہو جائے گی“۔ مومو کے پورشن کی جانب بڑھتے ہوئے وہ بولی تھی۔

”سارہ! اتنے دن ہو گئے مجھے یہاں آتے ہوئے مگر ایک بار بھی تم نے مجھے شیٹ سے نہیں ملوایا“۔ زینب کی ایک دم ہی شکایت پر اس نے گہری سانس لی تھی۔

”تم نے دیکھا ہوا تو ہے اسے“۔ وہ بولی تھی۔

”بس ایک بار دور سے جھلک نظر آئی تھی اب وہ سامنے آئیں گے بھی تو میں نہیں پہچان سکوں گی“۔

”یاد رکھنے کیلئے ایک جھلک ہی کافی ہوتی ہے مگر تمہارا دھیان اپنے منگیتر کی طرف سے ہٹے تو کسی کو پہچانو“۔ سارہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

”میرے سامنے اس کا ذکر مت کیا کرو“۔ زینب کے ناگوار لہجے پر سارہ حیران نہیں ہوئی تھی مگر بغور اس کے چہرے کے تاثرات کو ضرور دیکھا تھا۔

”یہ اتفاق ہی ہے کہ جب تم آئی ہو وہ ارد گرد تھا ہی نہیں کہ تمہیں اس کا دیدار کرواتا“ دیسے پبلک پراپرٹی تک رسائی حاصل کرنا کسی کیلئے بھی مشکل نہیں ہے“۔ اس کے تلخ لہجے پر زینب دنگ ہوئی تھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”اس بارے میں بعد میں سوال کرنا“۔ سارہ کے سنجیدہ انداز پر وہ مزید کچھ نہیں پوچھ سکی تھی۔

اسٹڈی میں داخل ہوتے عاطف نے چونک کر اسے دیکھا تھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ کسی گہری سوچ میں مگ بیٹھی تھی جبکہ مومو اور زینب اس وقت کمپیوٹر اسکرین کے سامنے پریکٹس میں مصروف تھیں۔ پہلی نظر سارہ کی ہی اس پر پڑی تھی جو دلیمر پر زکا جا چکی نظروں سے اسے ہی دیکھتا اب قریب آ رہا تھا جبکہ سارہ اس کی چیئر سے اٹھ کر ایک

”اتنی ساری مٹھائی..... جیو عاشر بھائی“۔ بڑا سا پیکٹ کھولتے ہوئے شاہ رخ نے نعرہ لگایا تھا جس کے بعد یہ ہوا تھا کہ گراؤنڈ میں موجود سب ہی لڑکے کھیل چھوڑ کر شہد کی مکھیوں کی طرح شاہ کی طرف جھپٹے تھے اور مٹھائی پر چھینا چھینی کر کے کامیاب ہوتے سارہ کا شکریہ بھی ادا کرتے گئے تھے جو حق دق کھڑی تھی۔

”شاہ رخ! سوئٹس شیٹ کو بھی پسند ہے“۔ اس سے پہلے کہ بچا ہوا آخری بیس بھی شاہ رخ ہڑپ لیتا سارہ نے التجائی لہجے میں اسے روکا تھا۔ ایک پل کو شاہ رخ نے حیرانگی سے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل مسکراتے ہوئے وہ بیس سارہ کے حوالے کر دیا تھا۔

”جاؤ کیا یاد کرو گی“۔ وہ احسان کرنے والے انداز میں بولا تھا تب ہی موموسمیت باقی لڑکیاں قریب آ پہنچی تھیں۔

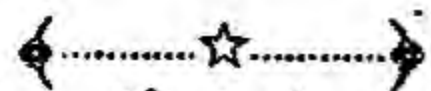
”ہمارے لیے کچھ نہیں بچایا..... اپنے گروپ کا پہلا حق تھا“۔ سب لڑکیوں کے ساتھ مومو نے بھی احتجاج کیا تھا جس پر اس نے مسکراتے ہوئے دوسرا اشارہ ان کے حوالے کر دیا تھا۔

”اس میں شاید نمکو وغیرہ ہیں“۔ وہ بولی تھی اور ان سب کے واپس پلٹ جانے کے بعد وہ خود بھی پلٹ کر اس کی سمت بڑھ گئی تھی جو باؤنڈری کے کنارے بیٹھا اپنا سیل فون چیک کر رہا تھا۔

”یہ تمہارے لیے“۔ بس اتنا ہی بچ سکا ہے۔“ مٹھائی کا بیس اس کی طرف بڑھائے وہ بولی تھی جبکہ وہ تنے چہرے کے ساتھ اٹھ کر اس کے مقابل ہوا تھا۔

”مجھے تمہاری اس عنایت کی ضرورت نہیں، تم جانتی ہو یہ میرے حلق سے نہیں اترے گا“۔ اس کی ہنسی آواز پر سارہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

”اسے تم ضرور کھاؤ تاکہ اس شخص کے دل کو بھی تسلی پہنچ جائے جو تمہاری فرمائشیں پوری کرنے کیلئے تیار رہتا ہے“۔ اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے سے اپنی سلگتی نظریں ہٹاتا وہ سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ واپس پلٹتے ہوئے اس نے قریب سے گزرتے ایک بچے کو مٹھائی کا بیس دیا تھا اور تیز قدموں کے ساتھ اپنے پورشن کی سمت بڑھتی چلی گئی تھی۔



غائب دماغی کے ساتھ وہ TV اسکرین پر بدلتے منظر پر نظر جمائے بیٹھی تھی جب قدموں کی چاپ نے اسے چونکا یا تھا۔ اسکرین کی تیز روشنی میں وہ بخوبی اسے دیکھ سکتی تھی جس نے خاموشی کے ساتھ وہ شاپر زینٹرل ٹیبل پر رکھے تھے جنہیں دیکھتے ہوئے وہ اس کی آمد کا مقصد سمجھ گئی تھی۔

”چیز وہی قابل قبول ہوتی ہے جو محبت و خلوص کے ساتھ پیش کی جائے، بہتر ہے کہ یہ سب لے جاؤ کیونکہ تمہاری یہ عنایتیں بھی میرے حلق سے نہیں اتر سکیں گی“۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ ناگوار لہجے میں بولی تھی۔

”عاشر کے جیسا محبت و خلوص کا دریا میرے پاس نہیں ہو سکتا“ میں کہاں مقابلہ کر سکتا ہوں اس کا“۔ اس کے تلخ لہجے پر سارہ کے تیور مزید بگڑے تھے۔

”وہ بڑے ہیں تم سے“ کم از کم ان کا ذکر ہی عزت کے ساتھ کرو“۔

”تم اسے جتنی عزت دیتی ہو کافی ہے اس کے لیے زیادہ عزت بھی کسی کو اس نہیں آتی“۔ جیہتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ اسی تلخی سے بولا تھا۔

”اور میں نے یہ کوئی عنایت نہیں کی ہے تمہاری فرمائشیں چیزوں کا جو حشر ہوا تھا میں نے تو بس اس کا جرمانہ

اپنی الگ محفل جمائی تھی یہ چہل پہل اسے بیزاری کر رہی تھی مگر موموز بردستی اسے کمریے سے نکال کر باہر لے آئی تھی لیکن ان سب میں کھل مل نہیں سکی تھی بظاہر ان سب کے ساتھ بیٹھی وہ بالکل الگ تھلگ تھی۔

دوسری جانب مین گیٹ کے قریب ہی اس وقت شیٹ اپنے کزن کے ہمراہ کار کا بونٹ کھولے کچھ درست کرنے میں مگن تھا جب کان کے پردے پھاڑ دینے والی اپنے نام کی پکار پر وہ چونک کر گیٹ کی طرف پلٹا تھا جہاں موجود شان کی طرف سارہ کا متوجہ ہونا بھی لازمی تھا۔ کان پکڑ کے شان نے معذرت طلب نظروں سے شیٹ کو دیکھا تھا اور پھر دوبارہ سارہ کو جلدی گیٹ کی طرف آنے کا اشارہ دیا تھا۔ شیٹ کی چھٹی حس نے بھی ایک اشارہ دیا تھا جو وہ سارہ سے پہلے خود گیٹ کی سمت بڑھ گیا تھا۔

”کنٹرول رکھئے گا“۔ شان کی مسکراتی آواز پر وہ بڑھتی ناگواری کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل گیا تھا۔ کار سے برآمد ہوتے اس مقناطیسی شخصیت رکھنے والے بندے کو دیکھتے ہوئے اس کے اعصاب مزید تن گئے تھے مگر پھر بھی زبردستی چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے اس نے عاشر سے مصافحہ کیا تھا۔

”مجھے بہت خوشی ہوتی ہے جب ڈرائیونگ کے دوران جہاں نظر اٹھاؤ تمہارا چہرہ نظر آتا ہے“۔ عاشر نے گرجوٹی کے ساتھ کہا تھا جو ابابوہ بس مسکرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے عاشر کے ساتھ ہی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جس کے چہرے کا رنگ باہر آتے ہی اڑ چکا تھا۔

”آپ یہاں کیوں رکے ہیں۔ اندر کیوں نہیں آئے؟“ بمشکل مسکراتے ہوئے وہ بول سکی تھی۔

”رات کا وقت دیکھو کیا ہو رہا ہے ای کا تمہیں معلوم ہے ذرا دیر ہو گئی تو کالز آنی شروع ہو جائیں گی ابھی تو میں بس تمہیں یہ دینے کے لیے آیا تھا“۔ بولتے ہوئے عاشر نے دو شاپرزا اسے تھمائے تھے۔

”عشنا کی فرمائش پر میں تم دونوں کی فیورٹ شاپ سے سوئٹس وغیرہ لینے گیا تھا اور ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ تمہیں بھول جاتا“۔

”یہ ضروری تو نہیں تھا آپ نے میرے لیے اتنی زحمت اٹھائی“۔ اپنی پشت پر جیہتی نظروں کو مسلسل محسوس کرتے ہوئے سارہ کی آواز حلق میں اٹکنے لگی تھی۔

”یہ کیا بول رہی ہو تم؟ ہر بار فرمائش کر کے یہ سب منگواتی ہو آج خود لے آیا ہوں تو تم فارمل ہو رہی ہو“۔ عاشر نے کچھ ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

”میں نے ویسے ہی کہہ دیا آپ ناراض مت ہوں“۔ وہ گڑ بڑا کر بولی تھی۔

”ٹھیک ہے نہیں ہوتا ناراض اب اللہ حافظ کہہ دو جلدی سے“۔

”اللہ حافظ“۔ اس کی عجلت پر وہ مسکرائی تھی۔

”اللہ حافظ“۔ اس کے سر کو دھیرے سے تھپتھا کر وہ وہیں جم کر کھڑے شیٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا اور الوداعی کلمات کا تبادلہ کرتا ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا جبکہ جھکے سر کے ہی ساتھ وہ سرعت سے پلٹ کر گیٹ کے اندر چلی گئی تھی۔

”سارہ! کون آیا تھا؟“ گراؤنڈ کی باؤنڈری پھلانگتے شاہ رخ نے اس کا راستہ روکا تھا۔

”بس..... بس کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں چھوٹے بھائی کو دیکھ رہا ہوں اور اتنے دلکش موڈ میں وہ آپ کے عاشر بھائی کی آمد کے بعد ہی دکھائی دیتے ہیں“۔ سارہ کے اترے چہرے پر ہنستے ہوئے وہ اس کے ہاتھ سے شاپر بھی لے چکا تھا۔

گیت کی سمت دیکھ رہا تھا۔
 ”دل کے دروازے کھول کے رکھو میرے بھائی“ آنے والی اسی دروازے سے تمہاری زندگی میں آئے گی۔“ شاہ رخ نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔
 ”گھر کے اندر داخل ہونے دو دل کے دروازے کھلے ہوئے ہی ہیں۔“ شان نے کوفت سے اسے دیکھا تھا۔
 ”تو کس کا انتظار ہے جا کر کھول دو مین گیت۔“ شاہ رخ نے کہا تھا۔
 ”یار! دماغ خراب نہ کر ڈیپلے ہی سارے کام چھوڑ کر سارہ کے حکم کی تعمیل میں کھڑا ہوں ان کی دوست آرہی ہیں انہیں گیت سے اپنی کسٹڈی میں ساتھ لے کر آنا ہے پتہ نہیں کب آئیں گی مادام؟“ رستہ واضح پر نظر ڈالتے ہوئے شان بیزاری سے بولا تھا۔
 ”تم جا کر اپنا کام کر دو باقی مجھ پر چھوڑ دو۔“ شاہ رخ کے ایثار کا جذبہ بیدار ہونا یقینی تھا۔
 ”تاکہ بعد میں سارہ میری گردن پکڑ لے اپنی مہربانیاں سنبھال کر رکھو ورنہ بالوں کا تمہاری باگیں سنبھالنے والی کو۔“ شان اسے گھورتا دیکھتا تھا۔
 ”بہت افسوس کی بات ہے ایک غیر لڑکی کے لیے تم اپنے بھائی کو بھروسے کے لائق نہیں سمجھتے۔“ شاہ رخ جذباتی ہوا تھا۔
 ”بالکل ایسا ہی ہے اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔“ شان نے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی تھی۔
 ”میں بھی دیکھتا ہوں تم مجھ سے پہلے کس طرح گیت تک پہنچتے ہو۔“ شان کو دھمکاتے ہوئے وہ چونک کر باہر آتے شیٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا اور اگلے ہی پل دل پر ہاتھ رکھے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ارمانی کی ٹی شرٹ کو دیکھتا رہ گیا تھا جو مومن نے اسے گفٹ کی تھی۔ دوسری جانب شیٹ کے بغیر ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالتا آگے بڑھ گیا تھا۔
 ”چھوٹے بھائی! تم کانپ کیوں نہ گئے اس شرٹ کو ہاتھ لگاتے ہوئے کیا تمہیں پتہ نہیں کہ یہ میرے لیے کتنی قیمتی ہے میں نے ابھی تک بچ بچھی نہیں کیا تھا اسے۔“ شاہ رخ کی دلگیر آواز پر وہ رک کر پلٹا تھا۔
 ”اس لیے کہ تم ناشکرے انسان ہو۔“ وہ اطمینان سے بولا تھا۔
 ”مجھے ابھی اور اسی وقت اپنی شرٹ واپس چاہیے۔“ شاہ رخ بگڑ کر لگا رہ گیا تھا۔
 ”سوچ لو میں نے تو صرف تمہاری ارمانی کی شرٹ پہن رکھی ہے مگر تم اس وقت میرے ذاتی وار سک کا کلیکشن سر سے ہیر تک سجاے کھڑے ہو۔“ شیٹ کے سنجیدہ لہجے میں چھپی دھمکی پر شان نے بے ساختہ ہنستے ہوئے شاہ رخ کو دیکھا تھا جو خونخوار نظروں سے دوڑ جاتے شیٹ کو گھور رہا تھا۔
 کرسی پر آرام سے نیم دراز ہونے والے انداز میں اس نے پیر نیمل پر رکھے تھے اور سیل فون سے کنٹیکٹ ایئر پیس لگا کر آنکھیں بند لی تھیں۔ آج صبح سے ہی ہلکی ہلکی بارش ہوتی رہی تھی مگر اس وقت نرم سنبھری دھوپ ہوا کے جھوکوں کے ساتھ بہت پرسکون کر رہی تھی یہ دھوپ اس کے لیے آئیڈیل تھی اور وہ افق بھی ورنہ سرج سے اس کی دشمنی ابتدا سے ہی تھی اسے یاد نہیں تھا کہ وہ آخری بار کب اس طرح اطمینان کے ساتھ دھوپ سے ملاقات کر رہا تھا مگر چند لمحوں بعد ہی اسے احساس ہوا تھا کہ سورج کو اس کا یہ اطمینان پسند نہیں آیا ہے لہذا احتیاطاً ساتھ لائے گلاسز جو اس نے گریبان پر سجا رکھے تھے نکال کر آنکھوں پر نکائے تھے اور سینے پر ہاتھ لپیٹ کر دو بارون I am alive کے نمبر سننے شروع کر دیئے تھے۔

ادا کیا ہے۔“ بات ختم کر کے وہ جانے کے لیے آگے بڑھا تھا جب سارہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔
 ”یہ سب کچھ تم مجھے اپنے دل سے نکالنا چاہتے ہو یا اپنے گھر سے؟“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ چبا چبا کر بولی تھی۔
 ”اس کا فیصلہ تم خود کرو۔“ سرد لہجے میں وہ بولا تھا۔
 ”اس کے بعد تم کیسے زندہ رہو گے؟“ تم آنکھوں سے اس کی پشت کو دیکھتی وہ بول اٹھی تھی جبکہ وہ رک کر پلٹا تھا۔
 ”اب بھی کہاں زندہ چھوڑا ہے تم نے۔“ سرد لہجے میں وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ناول سے بیگیا چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ اسٹڈی میں داخل ہوئے تھے جہاں سدرہ صفائی میں مصروف تھیں۔
 ”آج آپ خوب سوئے ہیں سب حیران تھے ورنہ آپ تو چھٹی کے دن بھی جلدی بیدار ہو جاتے ہیں۔“ ہاتھوں میں موجود اخبارات اور دوسرے پیپرز کا ڈھیر اٹھائے سدرہ ان کی طرف آئی تھیں۔
 ”میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے سامنے یہاں کی صفائی کرنا کوئی اہم فائل ادھر سے ادھر نہ ہو گئی ہو۔“
 ”سب کچھ اپنی جگہ پر موجود ہے اور آپ کا انتظار کرتی تو یقیناً شام ہو جاتی اب آپ جلدی سے باہر جائیں سارہ خاص طور پر ناشتے میں آپ کے لیے کوئی اسپیشل چیز بنا رہی ہے۔“ پیپرز کا ڈھیر ایک طرف رکھتے ہوئے وہ بتاتی تھیں۔
 ”تم نے سارہ سے پوچھا تھا کہ کیا اسے شیٹ نے کچھ کہا ہے؟“ انہوں نے یکدم سوال کیا تھا۔
 ”آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ وہ شیٹ کی وجہ سے ڈسٹرب نظر آرہی ہے۔“ سدرہ نے پوچھا تھا۔
 ”کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوئی ہے ورنہ وہ اس طرح خاموش اور کم صدم نہیں رہتی ہے رات میں عاطف نے بھی مجھ سے پوچھا تھا سارہ کے بارے میں بتا رہا تھا کہ وہ اسے بھی کچھ نہیں بتا رہی میں نے اسے منع کر دیا تھا کہ وہ سارہ کے بعد اب شیٹ سے بھی کوئی سوال نہ کر بیٹھے میں نہیں چاہتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات دوبارہ ناراضگیوں کا سبب بن جائے۔“ وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔
 ”میں نے سارہ کے سامنے شیٹ کا نام تو نہیں لیا مگر اس سے کئی بار پوچھنے کی کوشش کی ہے مگر وہ بس طبیعت کا کہہ کر ٹالتی رہی ہے لیکن آج تو وہ کافی بہتر اور نارمل دکھائی دے رہی ہے۔“
 ”تمہیں اور مجھے مطمئن کرنے کے لیے۔“ شمس درمیان میں بولے تھے۔
 ”تم کوئی بات اس کے دل سے نکال کر اس کی زبان تک نہیں لاسکتی ہو کیسی بہن ہو تم اس کی۔“ وہ کچھ جھنجھلائے انداز میں بولے تھے۔

”دل کی بات زبان تک لانے میں وہ شیٹ کی طرح ہی چور ہے آپ کی طرح میں بھی اس معاملے میں بہت مجبور ہوں۔“ سدرہ کے سنجیدہ لہجے پر وہ گہری سانس لیتے اسٹڈی سے نکل گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

برآمدے میں آتے ہوئے اس نے حیرت سے شان کو دیکھا تھا جو گزرتے شانہ نکائے ایک تک سامنے میں

کپنی جو پروڈکٹ اس کے توسط سے مارکیٹ میں لائی ہے اس کی پروموشن کے لیے اسے لوگوں کے درمیان جا کر انہیں کپنی اور اس کی پروڈکٹ کے متعلق انفارمیشن دینی ہوتی ہے۔ وہ تفصیلاً بولی تھی۔

”یہ سب تمہیں شیٹ نے کیسے بتا دیا ناراضگی کے باوجود؟“ زینب نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

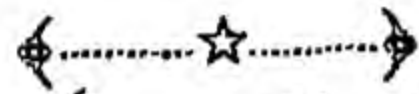
”اس نے کچھ نہیں بتایا مگر مجھے معلوم ہے۔“ اس نے زینب کو گھورا تھا۔

”اگر وہ اس چکا چوند میں گم ہو گئے تو؟“ زینب نے کہا تھا۔

”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا مجھے اس پر بھروسہ ہے۔“ وہ بولی تھی۔

”اچھا مجھے وہ میگزینز تو دکھاؤ تم نے تو کر لی ہوں گی ہزار بار آنکھیں ٹھنڈی۔“ زینب کو یاد آیا تھا۔

”شہر بھر کے میگزینز اور specific ویب سائٹ میں advertisement ہو چکی ہے دیکھ لینا اپنے گھر جا کر اور تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے ان میگزینز کو کھول کر اب تک نہ دیکھا ہے نہ دیکھوں گی۔“ وہ خشکیں لہجے میں بولی تھی۔



کمرے میں داخل ہوتے ہوئے عاطف نے حیرت سے بیڈ کی سمت دیکھا تھا جہاں مومو اور سارہ تین گھنٹے لگاتار پریکٹس کے بعد شاید تھک کر گہری نیند سوئی نظر آ رہی تھیں۔ اگلے قدموں وہ واپس کمرے سے نکل جانا چاہتا تھا جب یکدم ہی رک کر اسے اسٹڈی کے کھلے دروازے کی سمت متوجہ ہونا پڑا تھا جہاں سے مسلسل کسی کے سیل فون پر آنے والی کال کی تیز ٹون گونجتی جا رہی تھی۔

چند لمحوں تک وہ رکا تھا مگر پھر اسٹڈی کی جانب بڑھ گیا تھا۔ حیرت کے ساتھ عاطف نے اسے دیکھا تھا جو کمپیوٹر کی روشن اسکرین کی طرف متوجہ نہیں تھی اس کی نظریں اپنے بیک پر جمی تھیں جس میں موجود سیل فون ایک بار پھر چیخ رہا تھا جبکہ اس کے سفید پڑتے چہرے پر خوف کے کچھ ایسے تاثرات عاطف کو نظر آئے تھے جیسے بیک میں سیل فون کی آواز نہیں بلکہ سانپ کی پھنکاریں ابھر رہی ہیں۔ ایک بار پھر سنا پھیل گیا تھا۔ اسٹک کی مخصوص آواز پر وہ کرنٹ کھا کر اپنی جگہ سے اٹھی جبکہ اس کے چہرے پر پھیلی وحشت نے عاطف کو مزید حیران پریشان کیا تھا۔

”آپ کو کبھی کچھ دیر بیک لینا چاہیے۔“ عاطف نے کہا تھا جبکہ وہ بس وحشت زدہ نظروں سے اسے تک رہی تھی اور بالکل بھی نارمل نہیں لگ رہی تھی۔

”زینب! آپ کی طبیعت بہتر ہے؟“ اس کی سادگت نظروں اور وجود نے عاطف کو صحیح معنوں میں پریشان کیا تھا ورنہ زینب نے تو کبھی چند منٹ بھی اس سے نظریں نہیں ملائی تھیں۔ ابھی عاطف اسی شش دہچ میں تھا کہ ر کے یا واپس پلٹ جائے کہ زینب کے بیک میں رکھا سیل دوبارہ چیخنے لگا تھا لیکن اس بار زینب نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ مگر تیزی سے سیل نکال کر اسے مکمل آف کر دیا تھا۔ بغور عاطف نے اس کے بے انتہا زرد ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”کس کی کال تھی جسے آپ ریسیو نہیں کرنا چاہتی تھیں؟“ عاطف کے لہجے میں کب ناگواری ڈہرائی تھی وہ بھی نہیں جان سکا تھا دوسری جانب اب وہ ہر جھکائے ساکت تھی۔

”سوری..... مجھے اتنا پرسٹل موال نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔“ سرد لہجے میں بول کر وہ اس پر سے نظر ہٹاتا جانے کے لیے پلٹ گیا تھا۔

”سب کہتے ہیں وہ میرا معیتر ہے۔“ لرزتی آواز پر عاطف کے قدم ر کے تھے۔

”مگر میرے لیے وہ ایک بھیا تک حقیقت ہے۔“ سر اٹھا کر اس نے عاطف کو دیکھا تھا جس کی دنگ نظریں اس

”لو بھئی..... جو کبھی نہ ہوا وہ آخر کار ہو گیا۔ ہمارے سورج کبھی کو بھی سن باتھ کا بخار ہو گیا وہاں ہیون کے ساحل کا منظر بنائے بیٹھے ہیں۔“ قریب آتی مومو نے ان دونوں کو ارد گرد سے غافل شیٹ کی طرف متوجہ کیا تھا۔

”واہ..... اس سے زیادہ گھٹیا تبصرہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔“ شان نے خشکیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”تم پر ہو سکتا ہے ابھی کروں ٹاپ کلاس تبصرہ۔“ ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے وہ شاہ رخ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”تمہاری زبان کیوں گنگ ہو گئی ہے؟“ مومو نے حیرت سے اسے دیکھا تھا مگر وہ سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

”بس ایک میری شکل دیکھ کر ہی اڑ جاتی ہیں تمہارے چہرے کی ہوائیاں۔“ وہ کھا جانے والے انداز میں برسی تھی۔

”دل بھر کے ٹانگ کر لو مگر کینڈل لائٹ ڈنر پر تو تمہیں لے کر ہی جاؤں گی وہ بھی گردن سے پکڑ کے سمجھے۔“ وہ دھاڑی تھی۔

”کچھ نہیں بولے گا وہ اس وقت جل کر کباب ہو رہا ہے ڈسٹرب نہ کرو۔“ شان کے مسکراتے لہجے پر مومو نے حیران سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ایک بار چھوٹے بھائی کو غور سے دیکھ لو سب سمجھ آ جائے گا۔“ شان کے اشارے پر اس نے پلٹ کر غور سے ایک ہی پوزیشن میں موجود شیٹ کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس نے بگڑے تیوروں کے ساتھ شاہ رخ کو گھورا تھا۔

”تم ڈوب کر مر کیوں نہیں جاتے؟“ بری طرح کلس کر وہ غرائی تھی۔

”یہ میرے ہی دیے گئے گفٹ تم سے پہلے استعمال کر لیتے ہیں اور دلیری دیکھو سینہ تان کے گھومتے ہیں۔“ مومو نے ایک بار پھر شیٹ کو گھورا تھا۔

”تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ چھوٹے بھائی کو تمہاری چوائس پسند آ جاتی ہے ورنہ وہ کسی ایسی ویسی چیز پر نظر بھی نہیں ڈالتے۔“ شان نے کہا تھا تب ہی وہاں بجلت میں سارہ آئی تھی۔

”شان! تم سے ایک کام نہ ہوا زینب آچکی ہے گیٹ پر۔“ شان کو گھر کتے ہوئے وہ کی نہیں تھی۔

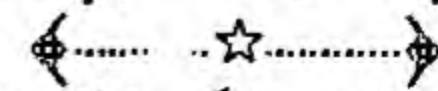
”تم رک جاؤ میں جا رہا ہوں۔“ شاہ رخ سرعت سے اٹھا تھا مگر اگلے ہی پل گڑبڑا کر پلٹتے ہوئے گلاس ڈور کی طرف گیا تھا کہ مومو نے آستینیں چڑھائی تھیں۔

”یہ ایک اور ہیں مہارانی! پورا پروڈکٹ کول چاہیے گھر میں آنے کے لیے۔“ سر جھٹکتے ہوئے مومو بڑبڑاتی تھی۔

جیسے جیسے سارہ کے ساتھ وہ آگے بڑھتی گئی تھی اس کی آنکھیں ایک جانب مرکوز پوری کھلنے لگی تھیں۔ فرق کرنا مشکل تھا کہ سنہری کرنیں آسمان سے اتر رہی تھیں یا اس شخص کے وجود سے پھوٹ کر ارد گرد پھیل رہی تھیں۔

”اُدھر مت دیکھو جتن۔“ سارہ کی مدھم آواز نے اس کی محویت کو توڑا تھا۔

”کون ہے یہ؟“ زینب کے دنگ لہجے پر وہ بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔



”وہ مجھے پہلے کیوں دکھائی نہیں دیے کیا ایسے معر کے کرنے کے بعد لوگ زمین پر کم دکھائی دیتے ہیں جو تم کہہ رہی ہو کہ وہ نایاب ہو گئے ہیں۔“ اس کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے زینب نے ناراضی سے کہا تھا۔

”ایسا ہی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اب اسے مختلف اینٹس، ذیل اور ان فائلر گید رنگز میں شرکت کرنی پڑتی ہے

کی شفاف آنکھوں سے پھسلے قطروں پر ٹھہر گئی تھیں۔

”اور اس حقیقت کی افیت کو تم تباہ جھیل رہی ہو۔“ سارہ کی ابھرتی غصیلی آواز پر نرنب نے دھندلائی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو عاطف کے عقب سے نکل کر اس کے قریب آگئی تھی۔

”کیا میں مر چکی تھی؟“ نرنب پر وہ غرائی تھی۔

”چلو میرے ساتھ۔“ نرنب کا بیک اٹھاتی وہ اس کا ہاتھ پکڑے اسٹڈی سے نکل گئی تھی جبکہ عاطف ششدر تھا۔

☆.....☆.....☆

”مجھے اس سے خوف آتا ہے شدید خوف نہ میرا دل راضی تھا نہ میری روح پر سکون تھی مگر پھر بھی سب کی خوشی کی خاطر میں نے اس رشتے کو قبول کرنے کی کوشش کی تھی مگر.....“ دزدیدہ لہجے میں بولتے ہوئے وہ ایک پل کور کی تھی۔

”مگنی کے کچھ ہی دنوں بعد اس کی اصلیت مجھ پر کھلنے لگی جب اس نے فون کے ذریعے میرا خون پینا شروع کر دیا۔ ہر کوئی مجھے دل و دماغ اور سوچ کے تنگ نظر ہونے کا طعنہ دیتا ہے کہ میں معیض سے فون پر بات کرنے سے بھی گھبراتی ہوں۔ میں کسی کو کیا بتاؤں کہ اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے ہی میں نے کتنی بار آدمی رات کو بھی اس کی کالز

مجبوراً ریسو کی ہیں اس کی اخلاق سے بھگی ہوئی گفتگو کو برداشت کیا ہے وہ نفسانی خواہشوں کا غلام ہو کر پرست انسان ہے جو مجھے بھی گناہوں کی دلدل میں کھینچنا چاہتا ہے میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اس سچ کو ثابت کرنے کا کہ رات کے آخری پہر میں کس طرح اس کی آواز اس کے گھٹا لفظ نشے کی زیادتی سے لڑکھڑا رہے ہوتے ہیں۔“ بے تحاشہ بہتے

آنسوؤں کے ساتھ وہ آج پہلی بار سارہ کے سامنے کھلی تھی جو سنانے میں رہ گئی تھی۔

”تم جانتی ہو کہ معیض کا خاندان بھابی کے میکے سے تعلق رکھتا ہے اگر میں نے گھر میں معیض کی شرمناک حرکتوں کا ذکر کیا تو بھابی ایک ہنگامہ اٹھا دیں گی پہلے ہی وہ مجھے طعنہ دیتی رہتی ہیں کہ ان کی وجہ سے میری شادی اتنے اونچے خاندان میں ہوگی مگر میں پھر بھی خوش نہیں ہوں۔“

”زبان کھول کر تم یہ سب طعنے ان کے ہی منہ پر مار دو انہیں بھی تو معلوم ہو کہ وہ اونچا خاندان کس قدر واہیات ہے۔“ سارہ نے شدید ناگواری سے کہا تھا۔

”کس قدر بد فطرت شخص ہے وہ صرف مگنی ہوئی ہے تو یہ حال ہے خدا نخواستہ نکاح ہو جاتا تو کیا جلوے دکھاتا وہ محرم نامحرم کو تو چھوڑ دے تو شاید انسانیت کے معنی بھی معلوم نہیں ہے تم مجھے اس کا نمبر دو میں اس کا دیکھنا کیا حشر کرتی ہوں۔“ سارہ غصیلے انداز میں بولی تھی۔

”نہیں..... میں تمہیں اس غلیظ انسان سے رابطہ بھی نہیں کرنے دوں گی وہ اس قابل نہیں ہے کہ کوئی شریف عزت دار عورت اس سے کلام کر سکے۔“ نرنب نے دہل کر کہا تھا جبکہ سارہ نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“ اس کی خاموشی پر نرنب نے پوچھا تھا۔

”سوچ رہی ہوں کہ تمہاری بزدلی نے جن حالوں میں تمہیں پہنچایا ہے اس سے کیسے نجات دلاؤں اگر تم پہلے مجھے بتا دیتیں تو اس طرح گھٹ نہ رہی ہوتیں مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ اتنا سب کچھ تم نے کس طرح چھپایا ہے مجھ سے۔“ وہ ایک بار پھر غصے میں بھڑکی تھی۔

”اب رونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے بس اتنا یاد رکھو کہ اب کسی بھی صورت میں خود کو اس شخص کی تسکین کا سامان نہ بننے دو اپنا نمبر چنچ کر دو نمبر صرف میرے پاس ہونا چاہیے اس شخص سے ہر قسم کا رابطہ ختم کرو کیونکہ ترنوالہ وہ چھوڑے گا نہیں تم سے رابطہ کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر وہ تمہاری بھابی کے ذریعے تمہیں فورس کرے گا اور تمہیں اسی دن

مردانگی کے نام پر۔“

کا انتظار اب کرنا ہے کیونکہ اسی دن تم نے سب کے سامنے اس شخص کی حقیقت کھول دی ہے اور ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ اس کے بعد ہونے والے ہنگامے میں میں تمہارے ساتھ نہ ہوں۔ تمہیں ہمت کرنی پڑے گی اپنے لیے اپنی زندگی کو برباد ہونے سے بچانے کے لیے تم اپنی جگہ ثابت قدم رہو اللہ کبھی تمہیں اندھیروں میں نہیں جانے دے گا اتنا یقین رکھو کہ جب تک تم نہیں چاہو گی کوئی تمہاری زندگی کا فیصلہ تم پر زبردستی نہیں تھوپے گا تم سمجھ رہی ہو؟“ سارہ نے اسے سمجھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ہاں..... مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں تم سے بھی سب کچھ چھپاتی رہی۔“ نرنب نے کہا تھا۔

”اب بالکل پریشان نہ ہو ذہن پر کوئی دباؤ نہ رکھو لڑکی ہو تو اس کا کیا مطلب ہے گھر والوں کی تسلی کے لیے اپنی عزت وافر لگا دو گی خوش رہو اپنی روح کو برقرار رکھو آزاد چھوڑ دو اور بس تھوڑا انتظار کرو اس شخص سے مکمل نجات میں تمہیں دلا کر رہوں گی کیونکہ اس شخص کو تلافی کا موقع دینا ایک بے وقوفانہ حرکت ہوگی اور تمہارا۔“ لیے صورتحال پہلے سے زیادہ خطرناک بھی۔ تم متفق ہو مجھ سے؟“ سارہ نے پوچھا تھا۔

”بالکل تمہارا ایک ایک لفظ میرے دل کا ترجمان ہے۔“ نرنب نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

”چلو اب میں چائے لے کر آتی ہوں اطمینان کے ساتھ بیٹھو زین تمہیں لینے کے لیے آنے والا ہوگا اور کل ٹیٹ کے لیے بالکل فریش آنا اور نہ مار کھاؤ گی مجھ سے بھی اور عاطف سے بھی۔“ اس کے دھمکانے والے انداز پر نرنب مسکرائی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات پانی گزر چکی تھی جب وہ محفل برخواست کرتا اپنے پورشن کی طرف آیا تھا۔ ابھی وہ گرل بند ہی کر رہا تھا جب سیل فون پر آنے والی کال مریضو کرتے ہوئے اس کی رگوں میں خون کھولنے لگا تھا۔

”نگت ہے شرافت کی زبان تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔“ وہ ناگوار لہجے میں بولا تھا۔

”تم تو میری آواز سننے ہی بھڑک اٹھتے ہو دیار! اور مجھے دیکھو تمہاری تڑپ نے مجھے کس قدر بے چین کر رکھا ہے۔“ رضی کا انداز خوش تھا۔

”ترس آتا ہے مجھے تم سے زیادہ تمہارے ماں باپ پر جنہیں خود نہیں معلوم ہوگا کہ ان کی اولاد جانور سے بھی بدتر زندگی گزار رہی ہے ابھی بھی وقت ہے سدھر جاؤ ورنہ دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔“ ٹیٹ نے بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میری فکر مت کرو دوست کیونکہ تم اب میری ضد بن گئے ہو۔“ رضی نے ڈھٹائی ن حد کی تھی۔

”دوست مت پکارو مجھے اپنی غلیظ زبان سے دنیا سے پہلے میں خود پر اہانت بھیج دینا اگر تم جیسا شخص میرا دوست ہوتا۔“ وہ بھڑکنے والے انداز میں بولا تھا۔

”میں پھر کہوں گا میری آفر پر غور کرو چاروں کی زندگی سے انجوائے کرو۔“

”چار دن کی زندگی گزرنے دو چھڑی گوشت سے انگ ہوگی تب شروع ہوگی تمہاری انجوائے منٹ سیاہ دھبہ ہو تم مردانگی کے نام پر۔“

”تو پھر کب آرہے ہو؟ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“ رضی نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

”وہا کرو کہ میرا تمہارا آتنا سامنا نہ ہو ورنہ میں چاہوں تو اسی وقت تم پر دھاوا بول دوں پھر نکلیں گے تمہارے ارمان تارچہ سیل میں لود پوری ہوں گی حشر تمیں۔“ اس کے خونخوار لہجے پر رضی کی مکروہ غمی گونجی تھی۔

”صرف تمہاری عزت دار فیملی کا لحاظ ہے مجھے ورنہ یہ تم بھی جانتے ہو کہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں دو منٹ میں تمہارا منہ کالا کرنا ساری دنیا کے سامنے اب بھی اگر تم باز نہیں آئے تو یاور کھانا میں اپنی اوقات پر آگیا تو مجھ سے زیادہ برا آدمی تمہیں اس دنیا میں کہیں نہیں ملے گا۔“

”میں بھی تمہاری اوقات دنیا کے سامنے لا کر رہوں گا تم دیکھنا اب میں کیا کرتا ہوں مجھ پر ہاتھ اٹھا کر تم نے اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کی ہے۔“ اس بار رضی سانب کی طرح پھنکار اٹھا تھا۔

”تم جیسے ایسا ریل پر ہاتھ اٹھانا اگر غلطی ہے تو یہ غلطی میں بار بار کروں گا جاؤ جو کرنا ہے کرو پمفلٹ تقسیم کرو لاؤڈ اسپیکر لے کر سڑکوں پر نکل جاؤ ایک ایک بندے کو پکڑ کے میری حقیقت بتاؤ محنت تمہاری رائیگاں نہیں جائے گی مکمل پاگل ہونے کا شوق نیکیت میں خود تمہیں دلوؤں کا یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔“ شیٹ نے اطمینان کے ساتھ مشورہ دیا تھا۔

”بالکل میرے بھی کچھ ہی خیالات ہیں تمہارے بارے میں۔“ رضی کے کسی گھٹیا جملے پر وہ جواباً بولا تھا جس کے بعد رضی خود ہی لائن ڈسکنیکٹ کر گیا تھا۔

”یا اللہ! اس شیطان کو راہ راست پر لے آ ورنہ یہ تو اپنے لیے جہنم کی آگ دہکا چکا ہے۔“ گرلز کالاک لگاتے ہوئے وہ زیر لب بولا تھا اور پھر پلٹتے ہوئے چونک اٹھا تھا۔ تاریکی میں وہ اسے گلاس ڈور کے پاس نظر آ رہی تھی اور یقیناً شیٹ کی گفتگو بھی سن چکی تھی۔

”کس سے بات کر رہے تھے تم؟“ گلاس ڈور کالاک لگاتے ہوئے اسے سارہ کا سوال سنائی دے گیا تھا جسے مکمل نظر انداز کرتا وہ ایک نگاہ بھی اس پر ڈالے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا۔

”بھائی! آپ کے کزن شریف تشریف لائے ہیں۔“ لاؤنج میں اس وقت وہ شمس کے ساتھ ہی موجود تھیں جب شان نے آکر اطلاع دی تھی۔

”کون.....؟“ شمس نے پوچھا تھا۔

”ان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔“ سدرہ کی گود سے شیری کو اٹھاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”کہاں ہے وہ؟“ شمس نے پوچھا تھا۔

”باہر کے ہوئے ہیں چھوٹے بھائی کے پاس انہیں دیکھتے ہی چھوٹے بھائی کا موڈ اتنا خوشگوار ہو گیا ہے کہ میری تو نظریں ہی ان کے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔“ شان کے شرارتی لہجے پر شمس نے مسکراتے ہوئے سدرہ کو دیکھا تھا جو مسکراہٹ چھپائے شان کو گھور کر رہ گئی تھیں۔

”عشنا کے رشتے کے لیے کل کچھ لوگ آ رہے ہیں پھپھو نے فون پر مجھے آنے کی تاکید کی تھی میرا جانا تو مشکل ہو گا مگر سارہ کو جانا پڑے گا عشا سے ہی لینے آیا ہوگا۔“ سدرہ نے شمس کو بتایا تھا۔

”جلدی آ جانا ورنہ میں بور ہو جاؤں گی۔“ اس کے ہمراہ باہر آتی مومو نے تاکید کی تھی۔ یاد ڈری کے پاس ہی شیٹ کے ہمراہ کھڑے عاطف نے اشارے سے اپنی طرف بلایا تھا جو وہ سیدھی اس کی طرف گئی تھی۔

”کل کی کلاس کا کیا ہوگا خبردار جو کل غائب ہوئیں تم۔“ عاطف نے مصنوعی سختی سے کہا تھا۔

”جانا ضروری ہے اور فکر نہ کریں میں کہیں غائب نہیں ہونے والی کل آپ کی اسٹڈی میں ہی نظر آؤں گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”ٹھیک ہے اب جاؤ جلدی تمہارے کزن باہر انتظار کر رہے ہیں۔“ عاطف نے کہا تھا جس پر اللہ حافظ کہتے

ہوئے سارہ نے ایک الوداعی نظر اس پر بھی ڈالی تھی جو لا تعلق نظر آنے کی کوشش میں دوسری طرف متوجہ تھا۔

”کوئی بات نہیں اسے اس طرح مت گھورو وہ کہہ تو رہی تھی کہ جانا ضروری ہے آجائے گی کل تک۔“ عاطف نے مسکراتی نظروں سے اس کے چہرے کے تنے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”جانا ضروری تھا یا نہیں اس کا مجھے معلوم نہیں مگر اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ چاند پر بھی جانے کے لیے اس شخص کو انکار نہیں کر سکتی جو گیت کے باہر موجود ہے۔“ شیٹ کے شدید ناگوار لہجے پر عاطف نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر الجھ کر اس جانب جہاں سارہ مومو کا ہاتھ پکڑے اب گیت کے قریب پہنچ چکی تھی۔

گیت کے اندر داخل ہوتے شاہ رخ نے ایک نظر مومو پر ڈالی تھی جو باؤنڈری پر بیٹھی اب اس کی طرف ہی متوجہ تھی۔ سرعت سے وہ اس پر سے نظر ہٹاتا قدموں کی رفتار تیز کر گیا تھا مگر مومو بھی کسی چھلاوے کی طرح اس کے ہم قدم ہو چکی تھی۔

”بن جاؤ میرا سایہ تاکہ دونوں سب کی نظروں میں آ جائیں کون بھگتے گا تمہارے بھائیوں کو ان کے ساتھ میرے بھی بھائی مل گئے تو پہنچ جاؤں گا میں برزخ میں۔“ چور نظروں سے ارد گرد دیکھتے ہوئے وہ اسے گھر کر رہا تھا جسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

”سنو میں فائیو اشار کے علاوہ کسی اور ہوٹل میں قدم بھی نہیں رکھوں گی۔“ وہ ان سنی کے ڈھٹائی سے بولی تھی۔

”فائیو اشار میں ایک روم بھی ریزرو کروالوں اگر آپ کا حکم ہو تو؟“ شاہ رخ نے ایک خشکیں نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

”سچ کہہ رہے ہو؟“ مومو کی خوشگوار حیرانی پر شاہ رخ نے ایک نگاہ پھر اس کے کھلے ہوئے چہرے پر ڈالی تھی اور اگلے ہی پل ہنسی چھپانے کے لیے سر جھکائے چلتا رہا تھا جبکہ مومو خود بھی بمشکل ہنسی رد کرتی ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی مگر کوئی متوجہ نظر نہیں آیا تھا۔

”ڈیٹ کے نام پر باہر کھانا کھلانے پر تو جان جاری ہے تمہاری اور بات کر رہے ہو ہوٹل میں روم لینے کی۔“ مومو نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”چیلنج مت کرو اگر عمل کر لیا میں نے تو اس ڈیٹ کے بعد تم ڈیٹ کے نام سے ہی بے ہوش ہو جاؤ گی۔“ شاہ رخ نے کہا تھا۔

”دیکھتے ہیں کون بے ہوش ہوتا ہے میں یا تم۔“ وہ نخوت سے کچھ اتر کر بولی تھی مگر یکدم چونک کر برابر سے گزرے شان کو دیکھا تھا۔

”ابھی جا کر بڑے بھائی کو بتاتا ہوں کیا پلاننگ چل رہی ہے۔“ شان نے دھمکایا تھا اور اگلے ہی پل مومو سے بچتے ہوئے بھاگا تھا۔ اس کے پیچھے ہی برآمدے میں آتے ہوئے مومو نے رک کر ایک طرف رکھاوا پیرا اٹھایا تھا۔

”کیا کر رہی ہو بخش دو اسے یہ اعلان کروے گا۔“ شاہ رخ نے التجائی انداز میں مومو سے واپس لینا چاہا تھا۔

”یہ کیا اعلان کروائے گا میں اس کے اعلان مسجدوں میں کروادوں گی۔“ شاہ رخ سے واپس چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے خونخوار نظروں سے شان کو گھورا تھا جو گلاس ڈور کے عقب سے جھانک رہا تھا۔

”ارے جاؤ شکل دیکھو اپنی اور فائیو اشار میں ڈنر کے خواب دیکھ رہی ہو۔“ شان نے مزید اسے جلایا تھا۔

”صیسنے رک ڈرا.....“ تلملا کر شاہ رخ کو پیچھے دھکیلتی وہ سر پٹ بھاگتے شان کے پیچھے بھاگی تھی۔

کمرے میں آتے ہوئے سدہ نے کچھ چومک کر انہیں دیکھا تھا جو بیڈ کراؤن سے پشت لگائے ٹی وی کی طرف متوجہ تھے وہ حیران نہ ہوئیں اگر ٹی وی آن ہوتا۔

”آپ کس سوچ میں گم ہیں؟“ سدہ نے پوچھا تھا۔

”میں سوچ رہا تھا کہ اب ہمارے گھر میں بھی وہ خوشی کا موقع آ جانا چاہیے تم سمجھ رہی ہو میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔“ وہ سنجیدہ مہم سے لہجے میں بولے تھے۔

”میں بالکل سمجھ رہی ہوں۔“ سدہ مسکراتے ہوئے بیڈ کے کنارے بیٹھی تھیں۔

”تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟“ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے۔

”میرا خیال بھی آپ کی سوچ کی طرح اچھا ہی ہے مگر فی الحال تو اس کے لیے انتظار کرنا پڑے گا“ شیث کی خطرناک قسم کی ناراضگی ڈھکی چھپی نہیں ہے مجھے نہیں لگتا کہ ابھی ان حالات میں کسی نئی تبدیلی کی امید رکھنا ٹھیک ہو گا۔“ اس بار وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی تھیں۔

”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نئی تبدیلی کا سن کر اس کی ناراضگی کا اختتام ہو جائے۔“ وہ بولے تھے۔

”آپ بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟“ سدہ نے مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے بات کرو مجھے پورا یقین ہے کہ اس معاملے سے اپنی ناراضی کو دور ہی رکھے گا وہ۔“ شمس بولے تھے۔

”ٹھیک ہے آپ کہتے ہیں تو میں موقع دیکھ کر شیث سے بات کرتی ہوں ویسے یہ اچانک اس وقت آپ نے کیسے سوچا اس بارے میں؟“

”تم نے عشنا کا ذکر کیا تھا اس کے رشتے وغیرہ کے بارے میں تو بس اسی وقت سارہ کو دیکھ کر مجھے بھی یہ خیال آ گیا ویسے بھی جب اُسے اسی گھر میں رہنا ہے تو بہتر ہے کہ اب اس کا منصب بھی اس گھر میں قائم ہو جانا چاہیے تم جانتی ہو اس شادی کی سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوگی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

”آپ جانتے ہیں یہ میری حسرت تھی کہ سارہ کے بارے میں کبھی آپ کے یہ جلسے سن سکوں۔“ وہ بولی تھیں۔

”سدہ! جتنی محبت تم اپنی بہن سے کرتی ہو اتنی محبت کا دعویٰ تو میں نہیں کر سکتا مگر شاید مجھے اس کی قدر تم سے زیادہ ہے کیونکہ اسے میرے بھائی کی بہت قدر ہے۔“ وہ گہری سنجیدگی سے بولے تھے۔

☆.....☆.....☆

باؤنڈری کے پاس ہی وہ عاطف کے ساتھ باتیں کرتا گراؤنڈ میں بھی نظر ڈالتا جا رہا تھا جہاں شاہ رخ نے تہیہ کر رکھا تھا نہ کھیلے گا نہ کھیلنے دے گا۔ کچھ دیر پہلے ہی اس کے ساتھ کھیلنے اپنے کزنز سے کسی بات پر آن بن ہو گئی تھی۔

”تم نے بال میرے حوالے نہیں کی تو اب اٹھا کر گراؤنڈ سے باہر پھینک دوں گا۔“ ایک لڑکے نے فائل دھمکی دی تھی۔

”شاہی! کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟“ شیث نے آواز لگا کر متوجہ کیا تھا۔

”خوامخواہ تنگ کر رہا ہے چھوٹے بھائی! اسے آ کر باہر نکالیں۔“ شان نے جھنجھلا کر شکایت کی تھی مگر اگلے ہی پل کراہ اٹھا تھا جب شاہ رخ اس کی گردن بازو میں دبا گیا تھا دوسری جانب شیث پلک جھپکتے ہی گراؤنڈ کے اندر تھا۔

”تم نے مجھے مارا تو قسم سے اس کی گردن توڑ دوں گا۔“ شان کی گردن اسی طرح دہائے وہ شیث کو خبردار کر رہا تھا جس نے ایک ہی جھکے میں شان کو اس کے شکنجے سے نکالا تھا اور سرعت سے اس کا بازو پکڑے باؤنڈری کی طرف لے گیا تھا۔

”نکلو باہر اب دو بارہ ان سب کو تم تنگ کر کے دیکھو بیٹا ہوں پھر تمہیں۔“ اسے باؤنڈری کے باہر دھکیل کر شیث نے سختی سے کہا تھا اور واپس خطر کھڑے عاطف کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”ہنس لو بیٹا ہنس لو۔ ایک سال بڑے ہیں وہ مجھ سے اس لیے لحاظ کر جاتا ہوں ورنہ ہاتھ تو لگائے کوئی۔“ کارل جھپکتے ہوئے اس نے بڑے بھرم سے ان سب کو جتایا تھا جو اس پر ہنس رہے تھے۔

گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی زینب کا سارا اعتماد بھک سے اڑ چکا تھا حالانکہ اس نے کل ہی سارہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ اسے گیٹ تک لینے نہ آئے مگر اب تنہا اتنے سارے اجنبی چہروں کی رونق کے درمیان سے گزرنا محال لگ رہا تھا دوسری جانب قاری کھڑے شاہ رخ کی نظر گیٹ تک گئی تھی اور اگلے لمحے وہ تیر کی طرح زینب کے مقابل پہنچا تھا جو اس طرح راستہ روکے جانے پر بری طرح گھبرا اٹھی تھی۔

”سارہ نے مجھے آپ کو لینے بھیجا ہے آئیے۔“ بڑی روانی سے بولتے ہوئے شاہ رخ نے اس کے ہاتھوں سے وہ چیز لی تھی جسے دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس میں کھانے کی کوئی قسم ہوگی۔

”میں خود چلی جاؤں گی یہ مجھے داپس دیں۔“ فقی چہرے کے ساتھ زینب نے اس سے بڑا سا بھاری بھر کم ہاٹ پاٹ لینا چاہا تھا۔

”یہ چاہیے تو میرے پیچھے آ جائیں۔“ رکے بغیر بولتا وہ باؤنڈری کی طرف گیا تھا۔

”یہ سارہ کے لیے ہے یہ مجھے واپس دیں۔“ ہر اسساں ہو کر وہ پھر اس سے التجا کر رہی تھی جو باؤنڈری پر آرام سے بیٹھا ہاٹ پاٹ کھول چکا تھا۔ چلی کباب کی مہک نے گراؤنڈ میں موجود لڑکوں کو بھی دعوت دے ڈالی تھی۔

”تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری ایک اسٹوڈنٹ غنڈوں میں پھنس چکی ہے۔“ شیث کی اچانک اطلاع پر عاطف حیران ہو کر پلٹا تھا۔ ان سب کو ہاٹ پاٹ پر ٹوٹا دیکھ کر اس وقت زینب کا چہرہ بالکل رونے والا ہو چکا تھا جب اس کی نظر قریب آتے عاطف پر پڑی تھی۔

”سر! مجھے میرا ہاٹ پاٹ واپس دلوا میں ان سب نے زبردستی لیا ہے۔“ وہ روہانے لہجے میں عاطف سے مخاطب ہوئی تھی جو دھڑکی شرمندہ ہو گیا تھا۔

”بدتمیزی کی انتہا کر دی ہے تم سب نے مل کر اُدھر دو۔“ سختی سے ان سب پر برستے ہوئے اس نے شاہ رخ سے ہاٹ پاٹ لینا تھا۔

”سب واپس رکھو ابھی اور اسی وقت۔“ عاطف کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے سب نے ناچاہتے ہوئے بھی ہاتھ میں پکڑے کباب واپس ہاٹ پاٹ میں رکھے تھے۔

”کسی کے منہ سے نوالہ چھیننا غلط حرکت ہے۔“ شاہ رخ منمنایا تھا۔

”اور تم جو کسی کی چیز چھین لائے ہو اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ عاطف نے اسے گھر کا تھا۔

”تم بھی واپس رکھو۔“ عاطف نے شان کو گھورا تھا جس نے عاطف کی ہدایت پر اب تک عمل نہیں کیا تھا مگر اب..... کباب ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے اس نے رک کر عاطف کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل ہاتھ واپس کھینچ کر سالم کباب منہ میں رکھ لیا تھا اس کے ساتھ ہی سب کے اونچے نیچے بھیانے قبیلوں پر زینب کے ہوش اڑے تھے جبکہ

”مجھے نہیں چاہیے۔“ کافی کا دوسرا گسارہ نے اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا تھا جب وہ نظر ملائے بغیر سر دلچے میں بولا تھا۔

”میں تنہا کافی نہیں پیوں گا اس لیے خاموشی سے مگ اٹھا لو۔“ سنجیدہ لہجے میں عاطف نے جیسے تنبیہ بھی کی تھی اور پھر خاموش کھڑی سارہ کو دیکھا تھا۔

”تم ذرا بیٹھو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“ عاطف کے کہنے پر وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

”تم نے مجھے بتایا نہیں کہ زینب کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ میں تو اب تک حیران ہوں کہ وہ اپنے منگیتر سے خوفزدہ کیوں نظر آ رہی تھی۔“ عاطف کے استفسار پر وہ حیران ضرور ہوئی تھی کہ اسے تو قیاس نہیں تھا کہ عاطف اس بارے میں کوئی سوال کرے گا بہر حال ڈھکے چھپے لفظوں میں وہ زینب کے حوالے سے سارا معاملہ بیان کر گئی تھی۔

”یہ تو بہت غلط ہوا ہے اس کے ساتھ خاموش رہ کر وہ مزید اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہے۔“ عاطف نے کہا تھا۔ ”یہی تو میں سمجھاتی رہی ہوں اسے مگر اتنا تو آپ بھی محسوس کر چکے ہوں گے کہ وہ کسی قسم کی دلیری کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔“ سارہ نے کہا تھا۔

”حالانکہ اسے کرنا چاہیے وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی جو ہوا ہے۔“ عاطف کے سنجیدہ لہجے پر وہ یکدم ہی کچھ چونکی تھی۔

”آپ کو لگتا ہے کہ مجھے اس کے لیے کچھ کرنا چاہیے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

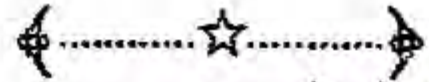
”تم کیا کر سکتی ہو؟“ عاطف نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”بس دیکھتے جائیں کچھ نہ کچھ تو اب کرنا ہی پڑے گا۔“ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ وہ کچھ اس طرح بولی تھی کہ شیت بھی چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا جو اب وہاں سے جا رہی تھی۔

”کیا ہوا ہے اسے؟“ عاطف نے حیرانگی کے ساتھ شیت سے پوچھا تھا۔

”پتا نہیں مگر تمہاری ہمدردی کتنی مہنگی پڑے گی تمہیں یہ معلوم ہے مجھے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ عاطف نے ابھی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو خاموشی کے ساتھ کافی کے سپ لینا شروع کر چکا تھا۔



عقب سے آتی سدرہ کی پکار پر وہ رک کر پلٹا تھا۔

”اگر اس وقت تمہیں کوئی ضروری کام نہیں ہے تو مجھے بات کرنی ہے تم سے۔“ سدرہ کے سنجیدہ سوالیہ لہجے پر وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

”آپ سے زیادہ ضروری اور اہم کوئی کام نہیں ہو سکتا اس لیے اطمینان سے آپ اپنی بات کہہ سکتی ہیں۔“ جواباً وہ بھی اسی سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

”چلو پھر اوپر تمہارے کمرے میں ہی بات کرتی ہوں۔“ سدرہ نے کہا تھا اور پھر اس کی تقلید میں ہی کمرے تک آئی تھیں۔

کرسی پر براجمان ہو کر اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا جو بیڈ کے کنارے بیٹھیں مسکراتی نظروں سے اس کے روشن چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

عاطف کو اپنی ہنسی زینب سے چھپانے کیلئے چند لمحوں کیلئے رخ موڑنا پڑا تھا۔

”میں ان سب کی طرف سے معذرت کرتا ہوں جو بچا ہے اس پر صبر کر لو۔“ عاطف نے سنجیدہ ہوتے ہوئے ہاٹ پاٹ زینب کے حوالے کیا تھا۔

”میں اتنی محنت سے سارہ کے لیے بنا کر لائی تھی۔“ ہاٹ پاٹ کی حالت دیکھ کر زینب صدمے کے ساتھ بولی تھی۔

”عاطف! کس کے لیے آئے تھے یہ کباب؟“ عقب سے ابھرتی آواز پر عاطف نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا جو کچھ فاصلے پر باؤنڈری کے کنارے بیٹھا تصدیق مانگ رہا تھا۔

”سن تو چکے ہو سارہ کے لیے۔“ عاطف نے مسکراتے لہجے میں کہا تھا جبکہ وہ سرعت سے اٹھ کر قریب آیا تھا۔

”یہ مجھے دے کر شکر یہ کاموقع دیں گی آپ؟“ بہت سنجیدگی کے ساتھ شیت نے حیران کھڑی زینب سے ہاٹ پاٹ واپس لیا تھا۔

”تم سب واپس آ جاؤ جو کباب بچے ہیں سب کھا کر ختم کر دو۔“ شیت نے اشارے سے سب لڑکوں کو واپس بلایا تھا۔

”یہ کیا حرکت کی ہے تم نے؟“ عاطف نے ہنستے ہوئے پوچھا تھا جبکہ وہ اسی سنجیدگی کے ساتھ حق دق کھڑی زینب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”بہت شکریہ۔“ زینب سے مخاطب ہوتا وہ واپس اپنی جگہ پر جانے کے لیے مڑا تھا مگر اگلے ہی بل بس ایک لمحے کے لیے اس پر نظر ساکت ہوئی تھی جو سپاٹ چہرے کے ساتھ کچھ ہی فاصلے پر رکھی ہوئی تھی۔

”مجھ سے کوئی شکایت مت کرنا جو ہے سب تمہارے سامنے ہے۔“ عاطف نے مسکراتی نظروں سے اس کے بگڑتے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”شکایت تو آپ سے ہی ہے آپ کی موجودگی میں اتنا سب کیسے ہو گیا میری دوست کا نہ کسی سے لینا نہ دینا سر جھکائے آتی ہے اور اسی طرح چلی جاتی ہے آج میں اس کے ساتھ نہیں تھی تو سب نے مل کر اس بے چاری کو گھیر لیا اور آپ بھی ان سب میں شامل ہو گئے۔“ وہ شدید ناراضگی کے ساتھ بولی تھی۔

”کوئی بات نہیں سارہ! مجھے برا نہیں لگا ہے اور سرنے تو ان سب کو ڈانٹا بھی تھا۔“ زینب نے مدھم آواز میں سارہ کو شانت کرنا چاہا تھا۔

”ہاں وہ تو میں دیکھ چکی ہوں۔“ ایک تیز نگاہ اس نے شیت پر ڈالی تھی جو اپنے سیل فون کی طرف متوجہ رہا تھا۔

”اچھا اب ناراضی ختم کرو زینب دوبارہ تمہاری فرمائش پوری کر دیں گی۔“

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا تم اتنی بات سن کیوں رہے ہو۔“ شیت یکدم ہی کچھ ناگوار لہجے میں عاطف سے مخاطب ہوا تھا مگر سارہ کے چہرے پر غصیلے تاثرات پھیل گئے تھے۔

”آپ دونوں چلیں میں آ رہا ہوں۔“ عاطف نے فوراً ہی سنجیدگی سے ہدایت کی تھی جس پر وہ ایک سلگتی نگاہ شیت پر ڈالتی زینب کے ساتھ واپس جانے کے لیے پلٹ گئی تھی۔

”کچھ زیادہ ہی حد نہیں کر دی تم نے؟“ عاطف نے خشکیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

دیکھتے ہوئے وہ بمشکل اپنے اعتماد کو برقرار رکھ سکا تھا۔
”کیا کہا ہے تم نے سدرہ سے سننا چاہتا ہوں۔“ ان کے بھڑکتے مگر مدہم لہجے پر وہ ان کی جانب نہیں دیکھ سکا تھا۔

”ڈہرائے سے وہ لفظ بدلیں گے نہ ہی میرا فیصلہ۔“ وہ بے تاثر لہجے میں بولا تھا۔
”یہ ساری بکواس تم میری طرف دیکھ کر کرو تو بہتر ہے۔“ ان کے بے انتہا سخت اور غصیلے لہجے پر شیث نے انہیں دیکھا تھا۔

”تم جانتے ہو کس طرح سدرہ میرے سامنے رو رہی تھی صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میرے کہنے پر میری خواہش پر وہ تمہارے پاس آئی تھی یہ تم بھی جانتے ہو کہ اس نے کبھی دیور کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہمیشہ اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھا ہے مان کیا ہے فخر کیا ہے تم پر زور نہ وہ اپنی بہن کے لیے خود چل کر تمہارے پاس آ سکتی تھی بتاؤ مجھے۔“ وہ مشتعل لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

”یہ صلہ دیا ہے تم نے اس کی محبت کا اس کی خدمتوں کا میری ضد میں تم نے اس کی تذلیل کر ڈالی ہے۔“
”یہ غلط ہے میں انہیں کیسے.....“

”تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ تم کیا کچھ غلط کر چکے ہو۔“ شمس نے بلند آواز میں اس کی بات کاٹی تھی۔
”تم مجھ سے اکھڑے ہوئے بدگمان ہو ٹھیک ہے مگر اس کا اظہار تمہیں اتنے غلط طریقے سے سدرہ کے سامنے نہیں کرنا چاہیے تھا جس مقصد کو لے کر وہ یہاں آئی تھی اس کا نہیں تو اس عورت کا ہی لحاظ رکھ لیتے تم یہ کیسے بھول گئے کہ وہ سارہ کی بہن بھی ہے یہی سوچ کر زبان بند رکھ لیتے اپنا فیصلہ سنانے کے لیے مجھے اپنے دربار میں بلا لیتے مگر تم.....“
”آپ مجھے کچھ بولنے کا موقع دیں گے۔“ بمشکل ضبط کرتے ہوئے شیث نے ان کے غصے میں دہکتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”اب بھی کچھ باقی ہے تمہارے دل میں بولنے کے لیے۔“ شمس کے لہجے میں شعلوں کی لپک تھی۔
”آپ جو ہمیشہ سے چاہتے تھے وہی تو کیا ہے میں نے اور وہ گئی بات بھائی کی تو میں ان سے ہزار بار معافی مانگ لوں گا۔“ ان کی آنکھوں میں دیکھا وہ سر دہلچے میں بولا تھا۔
”نہیں ہے اسے ضرورت تمہاری معافی کی اور پہلے کی بات مت کرو کیونکہ پہلے اور اب میں بہت فرق ہے۔“ وہ بھڑک کر بولے تھے۔

”یہی تو میں آپ سب کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ پہلے اور اب میں بہت فرق ہے پہلے جو آپ نہیں چاہتے تھے وہ اب میں نہیں چاہتا۔“ اس کے اٹل اور قطعی لہجے پر شمس دنگ نظروں سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔
”شیث! اس وقت تم نے جو تکلیف مجھے پہنچائی ہے اس کے بعد میں اگر کبھی سکون سے سو جاؤں تو صبح آئینے میں اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکوں گا۔“ شکست لہجے میں اتنا کہہ کر وہ دباؤ رکے نہیں تھے۔
”مگر مجھے یقین ہے کہ میں آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ سکوں گا اب ہر صبح۔“ جلتی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

(جاری ہے)

”میں اور شمس سوچ رہے تھے کہ اب جلد از جلد پچھو کی طرف جا کر ان سب کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیں میرے اکیلے میں وہ ہی بڑی ہیں ان کی اجازت اور مشاورت بھی ضروری ہے۔“

”آپ کس فیصلے کی بات کر رہی ہیں؟“ وہ کچھ الجھی نظروں سے انہیں دیکھتا پوچھ رہا تھا۔
”تمہاری اور سارہ کی شادی کا فیصلہ ان سے بھی تو پہلے بات کرنی ہوگی مگر میں نے سوچا کہ پہلے تم سے تو بات کر لوں کہیں ناراضگیوں میں ارادے ہی نہ بدل گئے ہوں۔“ سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا جبکہ شیث کے چہرے کے تاثرات ایک دم ہی تن سے گئے تھے۔

”ارادے تو آپ کو پہلے اپنی بہن کے معلوم کرنے چاہیے تھے۔“ اس کے لہجے میں کچھ تھا جو سدرہ کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔
”مگر لگتا ہے کہ آپ کو اپنی بہن سے محبت نہیں یا پھر اس کے مستقبل کی پروا نہیں رہی ہے۔“ وہ تلخ لہجے میں بولا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا..... تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ وہ حیران پریشان ہوئی تھیں۔
”مطلب تو صاف ظاہر ہے بھائی! کم از کم آپ کو تو اس پر یہ ظلم نہیں کرنا چاہیے آپ اسے ایک ایسے شخص کی زندگی میں کیوں دھکیلنا چاہتی ہیں جس کی وجہ سے بار بار اسے ذلت اٹھانی پڑی ہے کیوں ایسے شخص کے ساتھ اپنی بہن کا رشتہ استوار کرنا چاہتی ہیں جو اس کے اعتبار کے لائق نہیں ہو سکتا آپ کی بہن کے لیے کوئی ایسا انسان ہونا چاہیے جو اس کی قدر کرے اسے سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھے مجھ جیسا انسان اس کے لیے صرف ساری زندگی کی تذلیل ہی بن سکتا ہے اس کا فخر اس کی ڈھال نہ کبھی بن سکا ہے اور نہ ہی آگے بن جائے گا۔“ ان سے نظر ملانے بغیر وہ سرخ چہرے کے ساتھ بات ختم کرنا اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا اور وہ جو اب تک گنگ بیٹھی تھیں بے یقینی سے اسے دیکھتیں مقابل آڑ کی تھیں۔

”کیوں نہیں بن سکتے اس کی ڈھال کیوں نہیں بن سکتے اس کا فخر؟ کیا اس لیے کہ اس کے چند کڑے جملے تم سے برداشت نہیں ہوئے اس چیز کی سزا دینا چاہتے ہو تم اسے؟“ لرزیتے لہجے میں وہ نرم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”میں اسے نہیں خود کو سزا دینا چاہتا ہوں اس کے جملوں نے مجھے آئینہ دکھایا ہے میں کیا ہوں میری حقیقت کیا ہے اس سے آپ بھی واقف ہیں کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اس کے لیے کسی بہترین شخص کا انتخاب کریں۔“ گہری سنجیدگی سے بولتے ہوئے اس نے رک کر سدرہ کو دیکھا تھا جو بے حس و حرکت تھیں۔ کچھ چونک کر وہ ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتا ہوا پلٹا تھا اور اگلے ہی پل اس کی کیفیت بھی سدرہ سے مختلف نہیں تھی۔ ٹیرس کے کھلے دروازے کے پاس کھڑی وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ ان دونوں کی طرف ہی متوجہ تھی۔

”بہنی کا یونیفارم لینے آئی تھی پریس بھی تو کرنا ہے۔“ وہ سدرہ سے مخاطب ہوتی رُکے بغیر کمرے سے نکل گئی تھی۔
”آپ مجھے جو کہنا چاہیں کہہ دیں مگر میں نے جو کہا ہے اب بھی اس پر قائم ہوں۔“ وہ سدرہ سے نظر ملانے کی ہمت تو نہیں کر سکا تھا مگر مضبوط لہجے میں یہ کہہ گیا تھا۔ دوسری جانب سدرہ کچھ بھی کہے بغیر تیز قدموں کے ساتھ کمرے سے نکل گئی تھیں۔



دستک کی مخصوص آواز پر وہ ایک گہری سانس لے کر ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ شمس کے چہرے کے تاثرات کو

سعدیہ عابد

افسانہ

اعتمادی زندگی

نوشیرواں عثمانی نے اسے گھورا تھا مگر اس نے مجبوری کے سبب ڈھٹائی کی انتہا کر دی تھی اور اپنی پریشانی کھل کر اس کے سامنے بیان کی تھی جسے سن کر وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔

”پلیز شیریں بھائی! ایک آپ ہی ہیں جو میری عزت کا پاس رکھ سکتے ہیں۔“ اسامہ بھی ہوا تھا۔

”مجھے تم پر غصہ آ رہا ہے اسامہ! تم نے اتنا بڑا قدم کیسے کسی کے بھی علم میں لائے بغیر اٹھالیا۔“ اس کو حقیقت ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

”شیریں بھائی! وہ اتنی دور سے آئی تھی اس وقت یہی ایک حل تھا میرے پاس۔“ وہ شرمندہ ہوا تھا۔

”تو ٹھیک ہے نہ جاؤ جا کر ماموں سے بات کرو انہیں سچائی بتادو۔“ وہ دھیمے پڑ گیا تھا۔

”آپ بھول رہے ہیں سب اسلام آباد گئے ہوئے ہیں اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ میری کو آپ اپنے فلیٹ میں۔۔۔۔۔“

”نو وے اسامہ! میں اپنے فلیٹ میں ایک لڑکی کو رکھ ہی نہیں سکتا۔“ وہ تو سنتے ہی بدک گیا۔

”وہ جھڑکی نہیں ہے میری بیوی ہے بھائی! میں لے جانے کو اسے گھر لے جاسکتا ہوں مگر وہاں کوئی بھی نہیں ہے کیسے وہ وہاں رہ پائے گی کہ اس طرح تو شاید اسے قبول کرنا سب کیلئے مشکل ہو جائے۔“

”یہ تمام باتیں رشتہ جوڑنے سے قبل سوچنا چاہیے“

تھیں اور تم خود سوچو کہ میں ایک لڑکی کو اپنے فلیٹ میں کیسے رکھ سکتا ہوں سب کو کیا بتاؤں گا؟“

”شیریں بھائی! میں چاہتا ہوں کہ میری آپ کے فلیٹ پر رہے اور آپ ہمارے گھر آئی مین۔۔۔۔۔“ وہ اس کے گھورنے پر گڑ بڑا گیا۔

”میں یہ نہیں کر سکتا۔“

”صرف 3 سے 4 دن کی بات تو ہے بھائی! پھر تو گھر والے بھی آ جائیں گے۔“ اس نے منت کی تھی۔

”میں تمہارے گھر رہوں گا اور تم خود کہاں رہو گے؟“

”آپ کے فلیٹ پر نہیں رہوں گا بھائی کہ میری کو پہلے گھر والوں سے انٹرویو کر دانا چاہتا ہوں رہائش کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں ہر گز بھی اس سے شادی نہ کرتا۔“

”اچھا تو وہ میرے فلیٹ میں اکیلے کیسے رہے گی؟“

”ویسے تو اسے عادت ہے اور آپ کو اس سلسلے میں کوئی پرالیم نہ ہوگی آپ باہر سے فلیٹ لاکھ کر دیجیے گا۔“ اس نے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔

”واٹ ریش! دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا مجھے لگ رہا ہے تمہارے چکروں میں میری عزت خاک میں ملنے والی ہے۔“ اس نے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ اتنا بڑا رسک تو لے ہی نہیں سکتا کہ جس کام کیلئے نہ دل راضی ہے نہ دماغ وہ کیسے کر لے۔

”ڈونٹ یووری میری! میں بس کچھ دیر میں آ رہا ہوں۔“ وہ اس کو فون پر کسی سے پریشان لہجے میں کہتے

سن رہا تھا۔

”یار! تم کیوں پریشان ہو رہی ہو گھر نہیں لے جا سکتا تو کیا ہوا کتنے ہی ہوٹل ہیں کرائے پر کمرہ دیکھ لیں گے ہاں میں پانچ منٹ میں نیچے آ رہا ہوں۔“ اس نے فون پر بات ختم کی اور کچھ سوچتے نوشیرواں سے اجازت چاہی۔

”بڑے ماموں وغیرہ کب تک آئیں گے۔“

”شاید پرسوں تک آ جائیں کہ شادی کے ہنگامے تو کل ختم ہو گئے تھے وہ سب وہاں بیک پارٹی کے اصرار کرنے پر رک گئے دو چار دن آؤ ٹنگ کا پروگرام ہے۔“

اب میں چلوں میری انتظار کر رہی ہے۔“ باہر کھڑی گاڑی میں میرا یا نہیں تھی۔

”تم میری کو یہاں میرے فلیٹ پر لے آؤ مگر ماموں کے آتے ہی تم ان سے بات کرو گے کہ سب کے آنے کے بعد میں بالکل انتظار نہیں کروں گا۔“ اس نے بے دلی سے اقرار کر لیا کہ اس کو پریشانی میں دیکھ نہیں پارہا تھا۔

”تھینک یو سوچ۔“ وہ فرط جذبات سے لبریز ہوتا اس کے گلے لگ گیا جبکہ وہ اس سب پر اندر سے غیر مطمئن تھا مگر صرف اس کی پریشانی و خوشی کے خیال سے مان گیا تھا۔

نوشیرواں عثمانی کے پرنس کی ڈیڑھ 4 سال قبل ایک بم دھماکہ میں ہو گئی تھی۔ نوشیرواں ٹیکنیکل انجینئر تھا اور ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ نوشیرواں

سن رہا تھا۔

”تم میری کو یہاں میرے فلیٹ پر لے آؤ مگر ماموں کے آتے ہی تم ان سے بات کرو گے کہ سب کے آنے کے بعد میں بالکل انتظار نہیں کروں گا۔“ اس نے بے دلی سے اقرار کر لیا کہ اس کو پریشانی میں دیکھ نہیں پارہا تھا۔

”تھینک یو سوچ۔“ وہ فرط جذبات سے لبریز ہوتا اس کے گلے لگ گیا جبکہ وہ اس سب پر اندر سے غیر مطمئن تھا مگر صرف اس کی پریشانی و خوشی کے خیال سے مان گیا تھا۔

نوشیرواں عثمانی کے پرنس کی ڈیڑھ 4 سال قبل ایک بم دھماکہ میں ہو گئی تھی۔ نوشیرواں ٹیکنیکل انجینئر تھا اور ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ نوشیرواں

سن رہا تھا۔

”تم میری کو یہاں میرے فلیٹ پر لے آؤ مگر ماموں کے آتے ہی تم ان سے بات کرو گے کہ سب کے آنے کے بعد میں بالکل انتظار نہیں کروں گا۔“ اس نے بے دلی سے اقرار کر لیا کہ اس کو پریشانی میں دیکھ نہیں پارہا تھا۔

”تھینک یو سوچ۔“ وہ فرط جذبات سے لبریز ہوتا اس کے گلے لگ گیا جبکہ وہ اس سب پر اندر سے غیر مطمئن تھا مگر صرف اس کی پریشانی و خوشی کے خیال سے مان گیا تھا۔

نوشیرواں عثمانی کے پرنس کی ڈیڑھ 4 سال قبل ایک بم دھماکہ میں ہو گئی تھی۔ نوشیرواں ٹیکنیکل انجینئر تھا اور ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ نوشیرواں

سن رہا تھا۔

”تم میری کو یہاں میرے فلیٹ پر لے آؤ مگر ماموں کے آتے ہی تم ان سے بات کرو گے کہ سب کے آنے کے بعد میں بالکل انتظار نہیں کروں گا۔“ اس نے بے دلی سے اقرار کر لیا کہ اس کو پریشانی میں دیکھ نہیں پارہا تھا۔

”تھینک یو سوچ۔“ وہ فرط جذبات سے لبریز ہوتا اس کے گلے لگ گیا جبکہ وہ اس سب پر اندر سے غیر مطمئن تھا مگر صرف اس کی پریشانی و خوشی کے خیال سے مان گیا تھا۔

نوشیرواں عثمانی کے پرنس کی ڈیڑھ 4 سال قبل ایک بم دھماکہ میں ہو گئی تھی۔ نوشیرواں ٹیکنیکل انجینئر تھا اور ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ نوشیرواں

سن رہا تھا۔

”تم میری کو یہاں میرے فلیٹ پر لے آؤ مگر ماموں کے آتے ہی تم ان سے بات کرو گے کہ سب کے آنے کے بعد میں بالکل انتظار نہیں کروں گا۔“ اس نے بے دلی سے اقرار کر لیا کہ اس کو پریشانی میں دیکھ نہیں پارہا تھا۔

”تھینک یو سوچ۔“ وہ فرط جذبات سے لبریز ہوتا اس کے گلے لگ گیا جبکہ وہ اس سب پر اندر سے غیر مطمئن تھا مگر صرف اس کی پریشانی و خوشی کے خیال سے مان گیا تھا۔

نوشیرواں عثمانی کے پرنس کی ڈیڑھ 4 سال قبل ایک بم دھماکہ میں ہو گئی تھی۔ نوشیرواں ٹیکنیکل انجینئر تھا اور ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ نوشیرواں

سن رہا تھا۔

”تم میری کو یہاں میرے فلیٹ پر لے آؤ مگر ماموں کے آتے ہی تم ان سے بات کرو گے کہ سب کے آنے کے بعد میں بالکل انتظار نہیں کروں گا۔“ اس نے بے دلی سے اقرار کر لیا کہ اس کو پریشانی میں دیکھ نہیں پارہا تھا۔



کے دو ماموں خالد سعید اور ولید سعید تھے۔ ولید سعید کا ایک ہی بیٹا اسامہ ہے اور خالد سعید کی ایک بیٹی روشانہ اور بیٹا وسیم ہے۔ نوشیرواں کی اکلوتی خالہ ساجدہ تھیں جو اسلام آباد میں رہتی ہیں اور انہی کے اکلوتے بیٹے کی شادی میں سب اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ نوشیرواں آفس کے کام میں بڑی تھیں اسے چھٹی نفل سکی تو وہ نہ جا سکا جبکہ اسامہ آج صبح ہی شادی اٹینڈ کر کے آیا اور ایک نئے مسئلے کے ساتھ نوشیرواں کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اسامہ نوشیرواں سے 3 سال چھوٹا تھا جبکہ نوشیرواں سب سے بڑا تھا۔ روشانہ اور نوشیرواں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کی محبت دیکھتے محسوس کرتے ہوئے ہی نوشیرواں کے پیرئٹس نے روشانہ کے پیرئٹس سے بات کر لی تھی اور ان دونوں کی باقاعدہ منگنی تو نہ ہوئی تھی مگر رشتہ پکا تھا اب نوشیرواں لائف سیشن کر چکا تھا روشانہ نے بھی گریجویشن کر لیا تھا تو ان دونوں کی شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں اور دو ماہ بعد دونوں کی شادی تھی۔ نوشیرواں کی طرف کی ساری تیاریاں اسامہ کے پیرئٹس کر رہے تھے کہ نوشیرواں خاندان کا پہلا بیٹا تھا سب کو ہی عزیز تھا اور بہن کی وفات کے بعد تو اور ہی سب کو عزیز ہو گیا تھا۔

”روشانہ.....“ وہ اسے اچانک دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گھر گیا۔

”ارے..... تم کب آئیں؟ اور آئی کس کے ساتھ ہو؟“ وہ اس کے چہرے پر کھری کھوج ایکساٹمنٹ میں محسوس ہی نہ کر سکا کہ وہ اس سے فرسٹ ٹائم پورے پندرہ دن کیلئے دور گئی تھی ورنہ وہ اسلام آباد جاتی تھی تو تیسرے دن واپس آ جاتی تھی۔

”ہو! زویر شیری؟“ اس نے بہت جیتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا تھا اس نے گرون تر چھی کر کے دیکھا وہاں میری گھڑی تھی۔

”یہ میری ہے روشی!“

”آئی کانت بلیواٹ شیری! میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ آپ اس حد تک بھی گر سکتے ہیں۔“ وہ چیختی تھی اور وہ اس کے انداز پر بھونچکا رہ گیا۔

”یہ کیا بکواس ہے روشی!“

”ہاں..... میں تو بکواس ہی کرتی لگوں گی کہ یہ بیٹی حسینہ جو آپ کو مل گئی ہے۔“ وہ نہایت شکی لہجے میں بولی تھی اور اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

”روشی! بکواس مت کرو میری بات تو سنو پہلے۔“

”کیا سنوہ... جو دیکھ رہی ہوں یا وہی بہت نہیں ہے میں تو ایئر پورٹ سے سیدھی یہاں آپ سے ملنے آئی یہ سوچے بغیر کہ سب کیا سوچیں گے؟“ وہ بے اعتباری کی حدوں کو چھو رہی تھی۔

”میں نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا شیری کہ تم ایسے ہو گے تمہارے گھر سے ایک لڑکی..... چھی..... مجھے تو کہتے ہوئے شرم آتی ہے اور تم اس گندگی میں اتر گئے کیسے شیری کیسے؟ تم نے میرے بارے میں نہ سوچا کم از کم پھپھو جان کی پرورش کا تو خیال کرتے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی شیری! مجھے خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے اپنے سچے وکھرے جذبات تم جیسے انسان پر لٹائے۔“

”میری اس ساری پٹیویشن پر جدوجہد حیران اور پریشان تھی۔ اسامہ کے توسط سے اسے اردو آتی تھی اس لئے وہ روشانہ کی باتیں سمجھ رہی تھی مگر نوشیرواں کی خاموشی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔“

”آپ ایک دفعہ.....“

”شٹ پور ماؤتھ..... تم جیسی ہی عورتیں ہوتی ہیں جو دوسروں کی زندگی جہنم بنا دیتی ہیں۔“ اس نے میریانا کو بولنے کا موقع ہی نہ دیا اور درمیان میں ہی جھڑک دیا۔

”کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی برباد کرنے کی کسی دوسرے کو ضرورت ہی نہیں ہوتی وہ یہ کام خود ہی بخوبی انجام دے لیتے ہیں..... اور تمہارا

شمار بھی انہی چند لوگوں میں ہوتا ہے روشانہ۔“ وہ ہر احساس سے عاری لہجے میں بولا تھا اور وہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھنے لگی۔

”تم نے اس کیلئے میری محبت ٹھکرا دی رشتوں کا پاس نہ رکھا اور الزام بھی مجھے ہی دیتے ہو گناہ کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے اور بکواس کرتے ہو۔“ وہ مزید بد لحاظ ہوئی تھی۔

”ایک لفظ آگے مت بکھنا روشانہ..... ورنہ زبان گدی سے کھینچ لوں گا، محض ایک لڑکی کو میرے گھر پر دیکھ کر کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں؟ اس سے میرا کوئی اچھا برا رشتہ ہے؟ کیسے الزام لگا سکتی ہو تم مجھ پر ایسا کیا دیکھ لیا ہے تم نے؟“ وہ اس سے زیادہ تیز لہجے میں بولا تھا۔ شاور لے کر آیا اسامہ حیران پریشان سا پٹیویشن سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کچھ نہیں دیکھا یہ مجسم حقیقت تو دیکھی ہے کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟“ اس نے سختی سے اس کا بازو دیوچ کر نوشیرواں کے سامنے کیا تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو مجھ سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟“ وہ صبر کی کڑی منزلوں سے گزر رہا تھا۔

”اب تم اس کیلئے ہمارے رشتے کو چیلنج کرو گے؟ فیانی کو تو خیر جہنم میں ڈالو کزن بھی ہوتی ہوں تمہاری مگر تمہیں رشتوں کا پاس رہا ہی کب..... اس کی حسین زلفوں میں کھو کر رنگ رلیاں مناتے سہ پہر بھول.....“

”روشانہ.....“ اب کے اسامہ دھاڑا تھا۔

”ترواخ..... بیوی ہے یہ میری مس روشانہ۔“ وہ تو ضبط کا مظاہرہ جیسے تیسے کر گیا تھا مگر اسامہ نہ کر سکا، گھما کر ایک ہاتھ دیا تھا اور انکشاف جو کیا تھا وہ سن کر تو روشانہ کو اپنے پیروں تلے سے زمین ٹھسکتی محسوس ہوئی تھی۔

”یہ..... یہ..... تمہاری..... بیوی.....“ لفظ ہی جیسے کھو گئے تھے۔

”ہاں یہ میریانا ہے میری بیوی۔“ وہ تروخ کر بولا

تھا۔ اس نے تڑپ کر نوشیرواں کو دیکھا وہ غصہ و ملامت بھری نگاہ اس پر ڈالتا تھا اس کے روکنے پر بھی نہ رکا تھا۔

”میریانا نہیں مریم۔“ وہ زیر لب بولی تھی۔

”آئی نو میری! کہ تم مریم ہو صرف میری مریم مریم اسامہ۔“ وہ روتی ہوئی روشانہ کو باور کرانے کو جتاتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

”تم نے شادی کب کی اسامہ؟“ بمشکل پوچھا تھا۔ اور وہ تاسف میں گھرا تفصیل بتاتا چلا گیا۔

میریانا ایک کرپشن لڑکی تھی اور لندن میں دوران تعلیم اس سے اسامہ کو محبت ہو گئی تھی مگر وہ مسلمان تھا اس لئے اس نے اس سے ناچاہتے ہوئے بھی دوریاں قائم کر لی تھیں اور میریانا کو روتا چھوڑ کر پاکستان آ گیا تھا۔ میریانا نے صرف اسامہ کی محبت میں اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور دھیرے دھیرے وہ دل و دماغ کی رضا سے اسلام کی حقیقت اور سچائی پر یقین لے آئی اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے فادر نے اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ دس لڑکی تھی۔ یونہی ایک سال گزر گیا اور اسامہ کی محبت دل سے نہ نکال سکی تھی اس لئے پاکستان آ گئی اور اس کو اسلام قبول کر لینے کا بتایا۔ اس کو دیکھ کر ہی وہ کم حیران نہ تھا اور اس سے اس کی بتائی حقیقت وہ

چونکہ ایئر پورٹ سے ڈائریکٹ اسی کے گھر آئی تھی پر ابلم تو ہوئی تھی مگر وہ پہنچ گئی تھی اور وہ اپنی واپسی کی سیٹ بھی کفرم کروا کے آئی تھی اور اس نے صاف کہا تھا کہ اس نے اسلام کے متعلق جاننا صرف اس کی محبت میں شروع کیا مگر اسلام قبول کیا تو صرف اس مذہب کی سچائی و اچھائی کو محسوس کر کے۔ اب وہ اس سے شادی کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ جیسے آئی ہے چلی جائے گی اور وہ تو اس سے محبت کرتا ہی تھا اس نے گھر والوں کو بتانے اُن کو راضی کرنے میں وقت ضائع نہ کیا اور اس سے کورٹ میرج کر لی۔

”تم نے شیری بھائی کے ساتھ بہت غلط کیا کہ تمہارا شک بالکل بے معنی تھا اگر تم میری کو دیکھ کر شک کا

سے کورٹ میرج کر لی۔“

”تم نے شیری بھائی کے ساتھ بہت غلط کیا کہ تمہارا شک بالکل بے معنی تھا اگر تم میری کو دیکھ کر شک کا

سے کورٹ میرج کر لی۔“

”تم نے شیری بھائی کے ساتھ بہت غلط کیا کہ تمہارا شک بالکل بے معنی تھا اگر تم میری کو دیکھ کر شک کا

سے کورٹ میرج کر لی۔“

”تم نے شیری بھائی کے ساتھ بہت غلط کیا کہ تمہارا شک بالکل بے معنی تھا اگر تم میری کو دیکھ کر شک کا

سے کورٹ میرج کر لی۔“

شکار ہوئی بھی تھیں تو تمہیں پہلے شیریں بھائی سے تصدیق کرنا چاہیے تھی بنا سوچے سمجھے جو زبان و دل میں آیا کہتی گئیں تم نے شیریں بھائی کو ہی نہیں خود اپنی محبت کو بے اعتبار کر دیا کہ رشتے کو اعتبار کی ضرورت ہوتی ہے اور محبت تو نگہ ہی اعتبار و بھروسے پر ہوتی ہے کہ وہ انجانے لوگ اعتبار کی ڈور سنگ ایک ہو جاتے ہیں تم نے بہت غلط کیا ہے روشی! بہت زیادہ غلط کہ شیریں بھائی تمہاری کو یہاں رکھنے کو ہی تیار نہ تھے صرف میری پریشانی کے خیال سے راضی ہوئے اور تم نے بے اعتباری و شک دکھا کر ان کے نال مثل کی تصدیق کر دی بہت زیادہ ہرٹ کیا ہے تم نے شیریں بھائی کو۔

وہ خود بھی پریشان تھی کہ اس نے اُس کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر اس کے چہرے پر بکھرتے سائے آنکھوں سے گرتے آنسو وہ یکدم ہی لب بھینچ گیا اور موضوع بدلنے کو کچھ دیر بعد اچانک آ جانے کا پوچھا۔

”چھوٹے پاپا کی آج کسی ڈیلر سے میٹنگ ہے وہ آ رہے تھے تو میں ان کے ساتھ آ گئی۔“ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دے رہی تھی اور وہ اس کے بناتائے بھی جان گیا کہ وہ صرف نوشیرواں کیلئے آئی ہے اور اس نے پھوٹے پاپا سے خود ہی نوشیرواں کے فلیٹ پر چھوڑنے کو کہا تھا اور انہوں نے زیر لب مسکراتے ہوئے اس کا کافی ریکارڈ لگایا تھا مگر وہ شرمیلی سی مسکان سنگ خاموش ہی رہی تھی اور وہ اسے اپارٹمنٹ کے باہر اتار کر چلے گئے تھے اور نوشیرواں کے ساتھ واپس آ جانے کو کہا تھا۔ نوشیرواں فلیٹ پر اکیلا نہیں رہتا تھا دادی کی عمر کی خاندانی ملازمہ ساتھ رہتی تھیں اس لئے اسے وہاں چھوڑنے پر اعتراض نہ ہوا تھا کہ ویسے بھی سب ہی کو نوشیرواں پر بے حد اعتبار تھا کہ وہ کافی سنجیدہ مزاج کا لیے دیے رہنے والا شخص تھا رشتوں کا احترام کرنا اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔

”بڑے ماموں! آئی ایم سوری بٹ میں روشانے سے شادی نہیں کر سکتا۔“ اس نے کوئی دھماکا کیا تھا وہاں موجود کسی شخص کو اعتبار ہی نہیں آ رہا تھا کہ شادی سے وہ بھی روشانے خالہ سے شادی سے انکار نوشیرواں کر رہا ہے۔

”تم دونوں کے بیچ کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔“ یہ چھوٹے ماموں تھے۔

”نہیں..... سب کچھ ختم ضرور ہو گیا ہے چھوٹے ماموں۔“

”واٹ ریش..... دماغ ٹھیک ہے کیا بکواس کیے جا رہے ہو۔“ روشانے کی ماما زیادہ دیر خود کو چپ نہ رکھ سکیں۔

”میں آپ سب کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا مگر بہت مجبور ہو گیا ہوں کہ میں آئندہ کسی بھی تکلیف سے آپ سب کو خود کو اور روشی کو بھی محفوظ رکھنا چاہتا ہوں اور اس کیلئے ضروری ہے کہ رشتہ جڑنے سے قبل ہی ختم کر دیا جائے۔“ وہ یہ سب جیسے کہہ رہا تھا بس وہی جانتا تھا اور اسے ولید اور نوشابہ نے اولاد کی طرح چاہا تھا وہ کیسے اس کے کرب کو محسوس نہ کر پاتے۔

”شیریں بیٹا! کوئی بات ہو گئی ہے تو تم پہلے ہمیں وہ بتاؤ اس کے بعد کوئی فیصلہ لینا کہ بات پتہ ہوگی تب ہی تو بچہ ہم فیصلہ کر سکیں گے کہ تم نے درست فیصلہ لیا ہے اینڈ آئی پراس ٹویو مائی سن! ولید ریزن ہوگا تو تمہیں فورس نہیں کیا جائے گا میں تمہارا ساتھ دوں گی۔“ نوشابہ اسے جانتی تھیں کہ وہ کبھی معمولی سی بات پر اتنا بڑا فیصلہ لے ہی نہیں سکتا اور وہ نوشابہ کے سامنے بے بس ہونے لگا کہ وہ انہیں چھوٹی مائی نہیں اسامہ وغیرہ کی طرح مٹی ہی کہتا تھا کہ نوشابہ اس کی ماں کی بیسٹ فرینڈ تھیں اور انہوں نے بچپن سے ہی اسے گود میں کھلایا تھا ماں سے زیادہ وہ نوشابہ سے انج رہا کہ انہوں نے بہت چاہا اور اپنا سمجھا تھا وہ تو اسے اپنی پہلی اولاد کہتی اور سمجھتی تھیں۔

”ہوش میں تو ہو نوشی! یہ شادی سے محض ڈیڑھ ماہ قبل شادی نہ کرنے کی بات کر رہا ہے اور تم اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کر رہی ہو کون سی دشمنی تمہارے ہوتی روشی

سے۔“ روشانے کی ماما کافی غصہ تھیں انہوں نے لحوں میں دیورانی کو بے عزت کیا تھا۔

”مما! مجھ سے کوئی دشمنی نہیں بناہ سکتا کہ اپنی دشمن میں خود ہوں۔“ وہ نوشیرواں کی گاڑی کی آواز سن کر روم سے نکلی تھی مگر اس کی آواز نے لاؤنج کی دہلیز پر ہی قدم جکڑ لئے تھے۔ بات بڑھنے لگی برائی نوشابہ پر آنے لگی تو وہ لمحہ ضائع کیے بنا اندر چلی آئی۔

”مما! شیریں مجھ سے ٹھیک ہی شادی نہیں کرنا چاہتا کہ میں شیریں کے قابل ہوں ہی نہیں میں نے شیریں کو اپنی محبت کو بے اعتبار کر دیا میں اسی سزا کی مستحق ہوں۔“ وہ سسکتے ہوئے بول رہی تھی۔ وہ وہاں سے جانے لگا تھا کہ نوشابہ نے ہاتھ پکڑا تھا اور آنکھ کے اشارے سے رکنے کو کہا تھا اور وہ ساری تفصیل روتے ہوئے بتاتی چلی گئی تھی۔

شیریں! ماما کہ روشی نے بہت غلط کیا مگر اس کے باوجود اتنا بڑا فیصلہ.....“ ولید سعید نے بولنا چاہا تھا۔

”چھوٹے ماموں! جب روشی کو مجھ پر اعتبار ہی نہیں ہے تو تعلق قائم کرنے کا کیا فائدہ۔“ وہ تلخ ہوا تھا۔

”میں تم سے بہت شرمندہ ہوں شیریں! ذہ بولی۔“

”اور میں تمہیں بار بار شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔“ سختی سے اس کی شرمندگی رد کر دی تھی۔ نوشابہ نے اسے گھورا تھا۔

”آئی ایم سوری ممی! بٹ میں بہت مجبور ہوں یہ پہلی دفعہ نہیں ہوا اس لئے یہ امید بھی نہیں ہے کہ ایسا پھر کبھی نہیں ہوگا یہ مجھ سے محبت تو کرتی ہے بھروسہ نہیں کرتی اور رشتوں کو بھروسے و اعتبار کی اشد ضرورت ہوتی ہے کہ بھروسے کے بغیر رشتے بے جان ہو جاتے ہیں اس نے مجھے جب جب بے اعتبار کیا میں اس کی محبت کی ادا سمجھ کر نظر انداز کر گیا مگر اب تو انتہا ہو گئی مجھے افسوس اس کی سوچ پر نہیں خود پر ہوا کہ میں اتنا ہی گرا ہوا لوز کیریکٹر شخص ہوں کہ کسی سے بات کروں تو اسے لگتا ہے کہ اُس سے میرا چکر ہے کسی کے ساتھ دیکھ لیا تو اس کے ساتھ غسک کر دیا نہیں..... میں یہ ذلت

برداشت نہیں کر سکتا نقصان ہر طرح سے میرا ہے کہ میں نے اگر کسی کو چاہا ہے تو وہ صرف روشانے ہے مگر پاپا کرکھونے سے بہتر ہے کہ میں پاپا سے پہلے کھودوں کہ احساس زیاں سے بہتر مجھے لگتی ہے۔ میں آپ سب سے روشی سے خود سے معافی مانگتا ہوں لیکن میں اس رشتے کو قائم نہیں رکھ سکتا۔“ وہ سب کو حیران پریشان اور روشانے کو روتا دیکھ رہا تھا۔

نوشابہ بہت زیادہ اس سب سے دکھی اور آپ سیٹ ہوئی تھیں مگر اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

”ہم ابھی شادی کینسل کر دیتے ہیں سال دو سال تم خود کو اور روشی کو وقت دو کہ میں جانتی ہوں کہ تم اس کے بغیر رہ تو لو گے جی نہیں پاؤ گے اور میں چاہتی ہوں میرا بیٹا بھرپور خوشگوار زندگی گزارے۔“ انہوں نے اپنے ذہن و دل کی کشادگی کا ہر جگہ ثبوت دیا یہ ان کے ذہن و دل کی کشادگی تھی کہ انہوں نے بیٹے کے کورٹ میرج کر لینے پر ایک لفظ حرف شکایت و ملامت کا ادا نہ کیا تھا اور مریم کو بہو کا درجہ دے دیا تھا اور اب اُسے بھی ہر طرح سے منانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ وہی نہیں روشانے بھی ان کو بہت عزیز تھی۔

”ممی! اب مجھے روشی سے کوئی اچھی امید تو رہی نہیں ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسے بہت چاہتا ہوں اس لئے اس کو اپنی محبت اور آپ کے احترام میں ایک موقع دینے کو تیار ہوں۔“ انہوں نے فرط جذبات سے چورہوتے نوشیرواں کی پیشانی چوم لی۔

زندگی بہت خوبصورت ہے اور اس خوبصورتی کی حفاظت ہمیں خود کرنی ہوتی ہے چاہتے ہیں کہ زندگی اور رشتوں کی خوبصورتی ماند نہ پڑے تو بے اعتباری و شک کو کبھی ذہن و دل میں جگہ نہ دیں کہ بے اعتباری کی وجہ سے ہنستے بستے گھر اجڑ جاتے ہیں اور ہم نے گھر اجاڑنے نہیں بسانے ہیں کہ گھر اور رشتے خوبصورتی سے اعتبار سنگ بے ہی اچھے لگتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

فراموشی

بات کہنے کو زرا سی تھی مگر بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھی کہ آج رخصتی کو اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے پندرہ دن سے اوپر ہو چکے تھے۔ افتخار ان پندرہ دنوں میں اسے لینے تو دور کی بات ایک فون کال تک نہ اٹینڈ کر رہے تھے اور نہ ہی انہوں نے از خود اس سے کوئی رابطہ کیا تھا، ادھر ابرار صاحب اور ان کی بیگم شاہدہ اس ضمن میں سخت تشویش میں مبتلا تھے۔ وہ کچھ روز قبل ہی اپنی سب سے چھوٹی بیٹی عرشی کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہوئے تھے کہ یہ نئی افتاد کھڑی ہو گئی۔

ان کی دو بیٹیاں اور دو بیٹھے تھے۔ بڑے بیٹے راشد اور ان کے بیوی بچے ان کے ساتھ رہتے تھے جبکہ دوسرے بیٹے وقاص اپنی فیملی نسبت جرمی میں مقیم تھے۔ ابرار صاحب اور شاہدہ بیگم نے عرشی کی شادی کے بعد سکھ کا سانس لیا تھا کہ وہ اب اپنے سارے بچوں کے فرائض سے اللہ کے فضل و کرم سے عہدہ براہ ہو چکے کہ اب یہ رخصتی کے اپنے گھر میں طویل ہوئے قیام کو دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا اس صورت حال کے پیش نظر آخر کار ایک روز جب شاہدہ بیگم نے یہ دیکھا کہ افتخار نہ تو فون کر رہے ہیں اور نہ ہی آنے کا نام لے رہے ہیں تو وہ رخصتی کے پاس جا کر اس سے خود پوچھ بیٹھیں۔

خراصل معاملہ کیا ہے جس پر رخصتی جو اپنی بیٹی روم کے دھلے کپڑے تہہ کر رہی تھی یہ سن کر کپڑے ایک طرف رکھتے ہوئے بری طرح سسک پڑی یہ

دیکھ کر شاہدہ بیگم پریشان ہو گئیں اور اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولیں۔

”میری بچی! کیوں اتنی ہلکان ہو رہی ہے آخر ہوا کیا ہے.....؟ مجھے بھی تو کچھ پتا چلے۔ یہ سن کر رخصتی نے ان سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

”ای! کچھ نہیں ذرا سی بات کو افتخار نے افسانہ بنا لیا ہے۔ پھر وہ شاہدہ بیگم کو تفصیل بتانے لگی۔

جس روز عرشی کی مایوں کی رسم تھی رخصتی یہاں آنے کے لئے تیار ہو رہی تھی تو یہ دیکھ کر افتخار کہنے لگے۔

”ابھی رک جاؤ اماں کی دوائیں ختم ہو گئی ہیں وہ لے آؤں جب تک مریم (رخصتی کی نند) بھی آجائے گی۔ اور پھر ڈیڑھ سے دو گھنٹے ہو گئے اس کا انتظار کرتے کرتے پر وہ نہیں آئی لہذا رخصتی جو پہلے ہی بہت کیٹ ہو گئی تھی اسے افتخار سے کہنے لگی۔

”مریم ابھی تک نہیں آئی اب آپ دوائیں لینے جائیں گے تو نہ جانے کتنی دیر لگائیں گے اتنی دیر میں وہاں کہیں دولہانہ آجائے اور مایوں کی رسم بھی شروع ہو جائے۔

”مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ابھی انہوں نے اتنا ہی کیا تھا کہ ان کے موبائل کی بیل بجی دوسری جانب مریم تھی جو انہیں بتا رہی تھی کہ اسے مزید دیر ہو جائے گی کیونکہ ان کے میاں کے پیر دن ملک سے مہمان آئے ہیں جس پر رخصتی کا لیٹ ہو جانے کے باعث موڈ پہلے ہی

ہیں کوئی ایرا غیر انہیں جس کے متعلق تم اتنی بدتمیزی سے بات کر رہی ہو ٹھیک ہے تمہیں دیر ہو رہی ہے تو تم جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے دور ہو جاؤ میری نظروں سے جاؤ اٹھاؤ اپنا سامان اور چلتی پھرتی نظر آؤ۔“ افتخار پوری قوت سے دھاڑ رہے تھے اور پھر اس کی جانب بنا دیکھے تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد کمرے کا دروازہ زوردار آواز میں بند ہو گیا تھا۔

مگر ای کو ساری بات بتاتے وقت رخصتی وہ بات
سرے سے ہی گول کر گئی تھی۔

”یعنی اگر ایک دن انسان دوائیں نہیں کھائے گا تو مر نہیں جائے گا“۔ کہ اصل میں یہ ہی جملہ تو جھگڑے کی بنیاد بنا تھا، لیکن اس نے اس کے برعکس انہیں صرف یہ ہی بتایا تھا کہ کیونکہ وہ لیٹ ہو رہی تھی اس لئے افتخار کو بار بار جلدی چلنے کے لئے کہہ رہی تھی جس پر وہ جو آفس سے اسی وقت تھکے ہوئے آئے تھے یہ سب سن کر ایک دم چراغ پا ہو گئے اور پھر یہ ناراضگی اس حد تک بڑھی کہ مایوں کی تقریب میں تو کیا شادی کی کسی تقریب میں حتیٰ کہ رخصتی تک میں وہ شریک نہ ہوئے۔ رخصتی نے سر جوہا کر دھیسے دھیسے لہجے میں ساری بات امی کے گوش گزار کی، جنہیں سن کر وہ مششدر سی رہ گئیں اور بولی تھیں۔

”ہیں.....؟ بس اتنی سی بات پر افتخار روٹھ کر بیٹھ گئے؟ حالانکہ یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی کہ جسے جوا بنا کر انہوں نے پوری شادی میں ہی شرکت نہ کی بہر حال اب کیا کیا جاسکتا ہے اپنا اپنا مزاج ہے سب کا خیر۔ آج تمہارے ابو آفس سے آجائیں تو وہ افتخار کو فون کر رہے گئے۔“

”نہیں امی!“ رختی نے فوراً گھبرا کر کہا تھا جس پر شاہدہ بیگم نے وضاحت طلب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”نیرا مطلب ہے اے! اس سلسلے میں آپ بلاوجہ
[مئی 2012ء

”ابھی تک تو حل نہیں ہوا تمہیں یہاں بیٹھے بیٹھے
پندرہ دن تو ہو گئے ہیں۔“ شاہدہ بیگم نے قدرے طنزیہ
انداز میں کہا تھا۔
”ای پلیز! بس دو چار دن اور دیکھ لیجئے۔“ رخصی
نے لجاجت سے کہا۔

رہی ہے یہ مسئلہ لیا کہ اگر دو دینوں میں امتیاز نہیں آئے تو وہ خود اپنے گھر چلی جائے گی پھر وہاں جو بھی صورتحال ہوگئی دیکھا جائے گا وہ سب سنبھال لے گی۔ بصورت دیگر گھر والوں کا براہ راست افتخار سے رابطہ اسے مہنگا پڑ سکتا ہے، لیکن دوسرے ہی لمحے یہ سوچ اس کے بڑھتے ہوئے قدم روک لیتی ہے اللہ جانے وہاں جانے پر افتخار کا رد عمل کیا ہوگا.....؟ ایسا کبھی ہوا نہیں تھا کہ وہ اپنے گھر سے افتخار سے دو ایک دن سے زیادہ دور رہی ہو وہاں کبھی می کے گھر میں کوئی فنکشن یا تقریب ہوتی تو وہ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کے لیے اس سے زیادہ نہ رہتی تھی اور نہ ہی افتخار کی طرف سے اسے ضرورت سے زیادہ وہاں رہنے کی اجازت تھی لہذا

☆.....

اکلی شام وہ اپنی سوچوں میں گم کہ کس طرح

معاملہ سدھرے ابھی وہ اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ امی نے آ کر اسے یہ بتا کر اس کے ارد گرد کئی دھماکے ایک ساتھ کر دیئے۔

”تمہارے ابو نے کل ان سے بات کی تھی وہ کافی
خفا خفا سے لگ رہے تھے بہر حال تمہارے ابو نے جب
انہیں یہ بتایا کہ ناسازی طبیعت کے باوجود وہ ان سے
ملنے ان کی طرف آرہے ہیں جس پر افتخار نے خود آنے
کی حامی بھری۔“ امی رخصتی کو بتا رہی تھیں پھر تشریف
لے پوچھنے لگیں۔

”اتنے دن ہو گئے ہیں تمہیں یہاں آئے ہوئے وہ ہیں کہ انہوں نے پلٹ کر تمہاری خبر تک نہیں لی آخر پتا تو چلے کہ بات کیا ہے.....؟ مجھے تو خوشی صاف صاف معاملہ کچھ گڑبگڑ رہا ہے سچ بتاؤ کہ کہیں تمہارا افتخار سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا ہے یا پھر تم نے ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام تو نہیں.....“

”ہمیں امی.....“ رخصی کے گویا پسینے چھوٹ رہے تھے۔

”ایسی کوئی بات نہیں“۔ اس نے ہنسٹل کہا تھا۔
 ”چلو پھر جو بھی بات ہوگی سامنے آ جائے گی۔“ وہ
 یہ کہہ کر چلی گئیں۔

﴿.....☆.....﴾
 افتخار کے آنے کے بعد کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں
 ہوتی رہیں پھر ابو نے افتخار کے ساتھ جائے بیٹے ہوئے
 امی پر نظر ڈالی پھر خوشی کی جانب دیکھ کر کہنے لگے جو ملگجے
 سے کپڑوں میں افسردہ سی سر جھکائے بیٹھی تھی جبکہ افتخار
 بدستور ای اور ابو کی جانب متوجہ رہے انہوں نے ایک
 بار بھی نظر اٹھا کر خوشی کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

”ہاں تو خوشی بیٹا.....“
”جی.....“ خوشی نے قدرے چوکتے ہوئے

[مئی 2012ء]

کہا تھا۔

”اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟ کیوں افتخار بیٹا! کیا بات ہے؟ تم شادی تک میں نہیں آئے کیا ہم سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے۔“ ابرار صاحب ایک با اصول آدمی تھے جن سے کبھی کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوتی تھی تو ان کی بات سن کر افتخار فوراً کہنے لگے۔

”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔۔۔ بھلا آپ سے مجھے کیا شکایت ہوگی۔“ اتنا کہتے ہوئے انہوں نے پہلی بار تنگی نظروں سے رخسے کو دیکھا تھا جس پر اس نے ندامت سے سر جھکا لیا تھا۔

”بس کچھ کاروباری مصروفیات اور کچھ اماں کی طبیعت کے باعث میں شادی میں شریک نہیں ہو سکا۔“ یہ کہہ کر انہوں نے پھر طنز یہ انداز میں رخسے کی جانب دیکھا تھا جس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

”اسی لئے تو بیٹا! ہم فکر مند ہو رہے تھے ایک طرف تمہاری بزنس کی مصروفیات دوسری جانب اماں کی بیماری کے باعث آکلیے ہونے کی وجہ سے تمہیں بے حد دشواریوں کا سامنا ہونا اسی خیال سے رخسے۔۔۔“

”جی قطع کلامی۔ حاف۔۔۔“ اس بار افتخار کے لہجے میں تلخی تھی۔

”میں نہیں چاہتا تھا کہ رخسے کے تفریح و طبع میں کوئی خلل واقع ہو وہ آرام سے جی بھر کے اس شادی کو انجوائے کرے اسی لئے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔“ تو ان کے لہجے میں چھپی چھپن کو محسوس کر کے رخسے نے بے چین ہو کر پہلو بدلا تھا جبکہ امی ابوان کے اس کھلے طنز کو محسوس کرتے ہوئے انہیں قدرے تعجب سے دیکھنے لگے۔ پھر کچھ دیر توقف کے بعد امی نے گفتگو میں پہلی بار حصہ لیتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! جب لڑکی اپنے گھریلو کی ہو جاتی ہے تو پھر تفریح و طبع کیسی اسے تو بس ہر وقت اپنے گھر کی فکر ستائے جاتی ہے کہ شادی کے بعد اس کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جو اسے بردبار بنا دیتی ہیں

بہر طور اب یہ سب چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اب تمہاری اماں کی طبیعت کیسی ہے۔۔۔؟“

”جی پہلے سے بہتر ہے۔“ افتخار نے مختصر جواب میں کہا تھا اور ایک مرتبہ پھر گھائل نظروں سے رخسے کو دیکھنے لگے۔

”چلو اللہ کا شکر ہے تو بیٹا! میں یہ کہہ رہی تھی کہ خیر سے شادی تو نمٹ گئی اور دعوتوں کے سلسلے بھی تقریباً ختم ہو گئے تو اگر تم مناسب سمجھو تو رخسے کو بے شک اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو کیونکہ اس کی وہاں ضرورت ہوگی۔ اماں بے چاری بیمار ہیں کب تک بھلا اکیلے رہیں گی اور مریم بھی ماشاء اللہ اپنے گھر کی ہے وہ بھی کب تک ماں کے پاس آئے جائے گی۔“ جس پر افتخار نے قدرے رکھائی سے کہا۔

”امی! آپ اس جانب سے تو بالکل بے فکر رہیں میں نے ان کے لئے ایک فل ٹائم میڈ رکھ لی ہے اس لئے ان کی جانب سے کسی کو تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اس بار ان کا لہجہ کافی کاٹ دار تھا جس پر امی ابو دونوں نے تعجب سے انہیں دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے بیٹا۔۔۔؟“ امی کے لہجے نے پریشانی صاف عیاں تھی۔

”کوئی بات ہو گئی ہے تم میں اور رخسے میں۔“ اگر ایسا ہے تو ہمیں بتاؤ یقیناً جانو افتخار کہ تم بھی میرے بیٹے کی طرح ہو لہذا کھل کر بات کرو اگر غلطی کر بیٹھی ہے تو ہمیں اس سے آگاہ کرو تا کہ اس کا تدارک کیا جاسکے اور اسے اس حوالے سے سرنش کی جاسکے۔“ یہ آپ انہی سے پوچھ لیں آپ کے ساتھ بیٹھی ہیں۔“ افتخار اب باقاعدہ کھا جانے والی نظر سے رخسے کو دیکھ رہے تھے تو یہ دیکھ کر کہ اب بچے کوئی راستہ نہیں ہے رخسے کی آنکھیں بے انتہا برسنے لگیں اور وہ نہایت بے چارگی سے افتخار کو دنگی جس میں التجائیں ہی التجائیں تھیں دونوں نگاہیں آپس میں ٹکرائیں تو محض چند لمحوں میں رخسے

مسلل برستی آنکھیں افتخار پر کچھ اس طرح اثر انداز ہوئیں کہ وہ اصل بات ابرار صاحب اور شاہدہ بیگم کے سامنے کہتے کہتے رہ گئے اور ان کے بے حد اصرار پر صرف یہ ہی کہہ سکے کہ۔

”میں اس روز آفس سے بے حد تھکا ہوا آیا تھا اور مسلسل جلد از جلد مایوں میں جانے کے لئے ضد کر رہی تھیں جس پر ہمارے بیچ چپقلش ہو گئی، بس یہ ہی بات تھی جس پر ہمارے بیچ زبردست ٹکراؤ ہوئی اور جو خفگی کا باعث بنی۔“ یہ ساری بات سن کر امی کی جان میں جان آئی تھی اور انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا اور ساتھ ہی اطمینان بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

”ارے بیٹا افتخار! اگر بس اتنی سی بات تھی تو تم نے ہمیں اسی دن بتانا تھا ناں بیٹا میں اس کی اسی وقت خبر لیتی۔“ پھر رخسے کی جانب رخ کرتے ہوئے بولیں۔

”اور تمہیں اس روز ہوائی گھوڑے پر سوار ہونے کی کیا ضرورت تھی جب دیکھ رہی تھیں کہ تمہارا شو ہر تھکا ماندہ گھر آیا ہے تو پہلے اسے کھانے چائے کو پوچھتیں پھر گھر سے نکلتیں اور پھر اس روز اگر مایوں کی رسم میں شرکت نہ بھی کر پاتیں تو کوئی آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا تمہیں افتخار کی مشکلات کو سمجھنا چاہئے ایک تو وہ اتنے مصروف آدمی ہیں اوپر سے گھر اور باہر کے سارے کام اکیلے کرنے والے ہیں ماں ان کی الگ بیمار ہیں تو بھلا وہ کس کس کو دیکھیں تم نے بہت غلط کیا کہ اس دن محض مایوں میں شریک ہونے کی وجہ سے انہیں اتنا پریشان کیا تو اپنے اس عمل کے لئے تمہیں نہ صرف ان سے بلکہ ان کی اماں سے بھی معافی مانگنی چاہئے سمجھیں تم۔“ جس پر رخسے نے جواباً باقاعدہ رو پڑی، سسکیوں کے دوران ان سے کہا۔

”آپ مجھے معاف کر دیں۔“ جس پر افتخار نے ایک اچھٹی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پھر ابو سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

”اچھا امی! اب میں چلتا ہوں بہت دیر ہو رہی

ہے اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔“

”ارے ایسے کیسے بیٹا! کھانا تیار ہے کھانا کھا کر جانا۔“ امی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا تھا اور ساتھ ہی رخسے سے کہنے لگی تھیں۔

”اور تم یہ بیٹھی بیٹھی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو جاؤ جا کے جلدی سے اپنا اور اپنی بچی کا سامان پیک کرو اگر پہلے ہی دن تم نے مجھے اصل بات بتادی ہوتی تو آج نہ یوں خود پریشان ہوتیں اور نہ ہی ہمیں تشویش میں مبتلا کرتیں۔“ راستے پھر افتخار نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی جبکہ دوسری طرف رخسے سر جھکائے بیٹھی رہی اور اس کی گود میں رو بہدستور سوئی رہی۔

☆.....☆.....☆

دن اپنی مخصوص رفتار کے مطابق گزر رہے تھے اماں اور مریم کو غالباً اصل صورتحال کا علم نہیں تھا لہذا وہ اس سے ہمیشہ کی طرح بڑے تپاک سے ٹکیں اور وہ بھی پہلے ہی کی طرح جی جان سے اماں اور گھر کی دیکھ دیکھ میں لگ گئی تھی اور جیسے سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا ماسوائے افتخار کے رویے کے جس میں ذرہ برابر فرق نہ آیا وہ ہنوز اس سے بے زار اور اکھڑے اکھڑے سے رہتے حالانکہ رخسے اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ ان کا خیال رکھنے لگی تھی لیکن ان کے طرز عمل میں کوئی لچک پیدا نہ ہو سکی۔

اس روز رخسے کو صبح سے ہی تیز بخار تھا دوسرے ہاتھ روم میں پھسل جانے کے باعث اس کی کمر اور ٹانگوں میں شدید درد تھا لیکن ان سب کے باوجود وہ ہمت کر کے اٹھی اور معمول کے کام کسی نہ کسی طرح نٹانے لگی۔ اسی دن مریم نے اپنے گھر پر میلاد و قرآن خوانی کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اماں اور رومات ہی سے وہاں چلے گئے تھے۔ رخسے کو سب کاموں سے فارغ ہو کر شام تک افتخار کے ساتھ وہاں جانا تھا۔ اس روز اتفاق سے افتخار میٹنگز سے فارغ ہو کر جلد گھر آ گئے تھے ان کا ارادہ چند اہم کاغذات لے کر دوبارہ آفس جانے کا تھا لیکن

”تمہیں نہیں معلوم تم نے کیا کیا ہے؟.....؟“ جس کے جواب میں رخصی کی نگاہیں شرمندگی سے جھکتی چلی گئیں اور وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

”اگر آپ اس دن والے واقعہ کی بات کر رہے ہیں جس دن مایوں میں جانے سے قبل ہمارے بیچ کٹ کھائی ہوئی تھی تو اس کے لئے میں آپ سے معافی مانگ چکی ہوں۔“

”تو تمہارے خیال میں یہ کافی ہے اس بات کے لئے۔ جانتی بھی ہوں تم نے میری بیمار ماں کیلئے کیا الفاظ استعمال کئے تھے‘ یاد ہے تمہیں کچھ کہ ایک دن اگر انسان دوائیں نہیں کھائے گا تو کوئی مر نہیں جائے گا‘ اور یہ کہتے وقت تم بھول گئیں کہ یہ بات تم کس عورت کے لئے کہہ رہی ہو‘ جو رشتے میں تمہارے شوہر کی ماں ہے‘ میری وہ عظیم ماں جس نے ساری زندگی دکھ جھیلے‘ جس نے محض ہم دونوں بہن بھائی کی پرورش و تعلیم و تربیت کے لئے اپنی نو جوانی کے دن سخت محنت مشقت میں گزارے، میرے والد کے انتقال کے بعد انہوں نے کسے کسے مصائب جھیلے، تکلیفیں اٹھائیں کہ جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں، وہ اتنی مخلص اور سادہ مزاج عورت ہیں جس نے کبھی تمہیں یہ احساس نہیں دلایا کہ یہ تمہارا اسرال ہے، ہمیشہ تمہیں اپنی بیٹی کی طرح چاہا ہے اور تم..... تم وہ ناشکری عورت ہو جیسے میری ماں کے طفیل یہ بنی بتائی جنت ملی ہے۔“

”افتخار.....“ خوشی اب باقاعدہ رونے لگی تھی۔
 ”میں کچھ غلط نہیں کہہ رہا“۔ افتخار اس پر بدستور
 مگر جتے برتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”خدا کی قسم اگر مجھے تمہارے والدین کا خیال نہ ہوتا تو آج..... آج تم دوبارہ اس گھر میں رہتی ہوئی نظر نہ آ رہی ہوتیں۔“

”اوہ خدایا.....“ رختی کا یہ سن کر اوپر کا سانس

”جب طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو تمہیں کس حکیم نے یہ مشورہ دیا ہے کہ کام کئے جاؤ۔“ ان کے لہجے سے جھنجھلاہٹ و غصہ صاف عیاں تھا، کچھ شدید کرب و تکلیف تو کچھ افتخار کی مسلسل بے اعتنائی کے باعث رخصتی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ تین ماہ ہو چکے تھے لیکن جب سے رخصتی واپس گھر آئی تھی انہوں نے اس سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی یہ ہی نہیں بلکہ اس کے آنے کے بعد سے وہ مسلسل گزشتہ تین مہینوں سے اسٹڈی میں الگ سو رہے تھے تو افتخار کی یہ بے محابائی یہ لا تعلقی اسے اپنی ہی نظروں میں گرائے دے رہے رہی تھی۔

”میں نے ایسا کیا کر دیا کہ میرا کوئی طرز عمل اس پتھر دل کو موم کر کے نہیں دے رہا۔“ رخصتی درد کی شدت کے باعث کراہتے ہوئے مسلسل روئے جاری تھی اور ساتھ ہی اس سچ پر سوچے جاری تھی آج وہ دل میں تہیہ کر بیٹھی تھی کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ ان سے ہر حال میں یہ پوچھ کر رہے گی کہ۔

”میں نے آخر ایسا کون سا گناہ کیا ہے جس کی وہ مجھے اتنی کڑی سزا دے رہے ہیں۔“ یہ ہی کچھ سوچتے ہوئے اس نے جاتے ہوئے افتخار کا ہاتھ تھام لیا۔

”پلیز افتخار! مجھ سے اس طرح پیش نہ آئیں یوں مجھ سے ناراض نہ ہوں! آخر مجھے بتائیں تو سہی کہ میں نے ایسا کیا کیا ہے کہ جس کی وجہ سے.....“ اس کی بات

اد پر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا تھا اس بات کا خمیازہ اسے اس طرح بھگتنا پڑتا یہ سوچ کر ہی وہ جی جان سے لرز گئی، جبکہ انفجار غیض و غضب کے عالم میں بدستور کہہ رہے تھے۔

”وہ تو شکر مناؤ کہ تمہارے والدین بہت سلجھے ہوئے اور سمجھ دار ہیں انہوں نے آج تک نہ کبھی ایسی بات کی نہ عمل کہ جس سے دلوں یا تعلقات میں نفرت پیدا ہوں تو صرف ان ہی کے مرہونِ منت تم دوبارہ سے اس گھر میں نظر آ رہی ہو، بخدا اگر ابو مجھ سے از خود رابطہ نہ کرتے تو میں تمہیں کبھی لینے نہ آتا کہ بلاشبہ تم کسی طور پر اس جنت کی حق دار نہیں ہو۔“ آخری بات کہتے کہتے افتخار کا لہجہ تلخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند بھی ہو گیا تھا تو یہ سب سن کر رخصی کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا ساتھ ہی دل ہی دل میں وہ اس وقت کو کوستی رہی تھی کہ جب محض بہن کی مایوں میں شرکت کی جلد بازی میں اس کے منہ سے اتنے ناشائستہ الفاظ نکل گئے تھے جو کسی طور پر تہذیب و اخلاق کے دائرے میں نہیں آتے، لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ کہتے ہیں کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دوبارہ بھی ووٹ کر واپس نہیں آئے لہذا اس سنگین صورتحال کا تذکر صرف اس طرح کیا جاسکتا تھا کہ وہ پہلے کی طرح اپنی خدمت گزاری اور وفا شعاری سے افتخار کا پتھر دلِ موم کرنے کی کوشش کرے اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔

اسے یاد آ رہا تھا کہ اس کی ای اکثر ان دونوں بہنوں کو کہا کرتی تھیں کہ ازدواجی زندگی ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے کا نام ہے کہ جہاں ذرا سی بات نہ صرف یہ کہ بے بسائے گھر کو اجاڑ سکتی ہے بلکہ اجڑے گھر کو برباد بھی سکتی ہے، لہذا اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے رخصتی جان سے سب کی خاص طور پر اماں کی خدمت میں منت غمی اور ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری میں کوئی کسر ادا نہ ہوئی، حتیٰ کہ ایک وقت آیا جب ان کے آپریشن

75 رداۓ انجس

کے وقت انہیں خون کی اشد ضرورت پڑی تو ایک ہی گروپ ہونے کے باعث ہنا کسی پس و پیش کے اپنے خون کی دو بوتلیں انہیں دیں اور صرف یہ ہی نہیں خون دینے اور اپنی مسلسل بیماری کے باوجود ہنا کسی آہٹ کے افتخار اور مریم کے منع کرنے کے باوجود وہ ہاسپٹل سے ہلی تک نہیں اور جب اماں مکمل طور پر صحت یاب ہو کر گھر آ گئیں تب اس نے سکھ کا سانس لیا۔

﴿.....☆.....﴾

اس روز افتخار کا والہانہ پن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ مہمانوں سے بھرے گھر کے باوجود جو سب کے سب اماں کی حیار داری کے لئے آئے ہوئے تھے بار بار کسی نہ کسی بہانے سے رخصتی کے پاس آ رہے تھے اور پھر جب رات تمام مہمانوں کو رخصت کر کے گھر سمیٹا اور اماں کو پرہیزی کھانا کھلانے، دوائیں دینے کے بعد رخصتی سونے کی غرض سے اپنے کمرے میں آ کر لیٹی تو اس کے جسم کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا، ٹھکن سے اس کا برا حال تھا اور شدید نیند کے باعث اس کی آنکھیں بند ہوئے جا رہی تھیں، پر ادھر افتخار جو تقریباً پانچ ماہ بعد اس کی طرف آئے تھے وہ آج نہ خود سونے کے موڈ میں لگ رہے تھے نہ ہی اسے سونے دے رہے تھے۔ اسی رات افتخار نے کچھ اس قدر ٹوٹ کر اپنی بے قرار یوں دے بتائیوں کا اظہار کیا کہ ان کے دیوانگیوں سے بھرے جذبات نے رخصتی کو شادی کے ابتدائی دن یاد دلادے مگر اس وقت اس کا دھیان پریم میں رچی بسی اس پر کھا کی جانب نہیں تھا جس نے اس کا روم روم مہکا کر رکھ دیا تھا بلکہ اس کے کانوں میں مسلسل یہ الفاظ گونج رہے تھے۔

”ازدواجی زندگی ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے کا نام ہے کہ جہاں ذرا سی بات نہ صرف یہ کہ بے بسائے گھر کو اجازت دیتی ہے بلکہ اجڑے گھر کو بسا بھی سکتی ہے۔“

تو بلاشبہ رخصتی نے اپنی دانش مندی سے بلا آخر اپنے بکھرتے ہوئے گھر کو نوٹنے سے بچا لیا تھا۔

⦿ ⋯ ☆ ⋯ ⦿

ایوبیہ عیسیٰ

”یعنی تو وہ یہاں بھی نہیں ہے۔“ نفیس کے قدم ڈگمگائے انہوں نے صوفے کی بیک پکڑ کر خود کو گرنے سے بچایا وہ دونوں پریشان ہو گئیں۔



”نفس بیٹا! کیا ہوا تمہاری طبیعت خراب ہے کیا؟ آؤ بیٹھو تو بیہ پانی لے کر آؤ۔“ سمیرہ بیگم نے انہیں بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے ٹوبہ بھابی سے پانی لانے کو کہا وہ فوراً پانی کا بھرا گلاس لے آئیں۔ نفس اپنا دل تھام کر صدمے سے گنگ بیٹھے تھے ان کا پورا بدن پسینے پسینے ہو رہا تھا ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو میں لیکن ضبط کرنا ہی ان کی مردانگی کا تقاضا تھا موضوع طرے کر رہے تھے۔

”لو بیٹا! پانی پو۔“ سمیرہ بیگم نے انہیں گلاس پکڑا دیا انہوں نے تین چار گھونٹ حلق سے نیچے اتارے اور گلاس میز پر رکھ دیا۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”نفس بھائی! بتائیے ناں کیا ہوا ہے؟“ ٹوبہ بھابی نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

”میری عینی تو ٹھیک ہے ناں کہاں ہے وہ؟“ سمیرہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”پتا نہیں پھپھو! عینی کل صبح گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔“ وہ کانپتی آواز میں بولے۔

”کیا.....؟“ سمیرہ بیگم کا تودل دہل گیا ٹوبہ بھابی کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئیں۔

”جی پھپھو! کل اس نے مجھے آفس سے چھٹی کرنے کا کہا تھا مجھے بہت کام تھا آفس میں اس لئے میں

صرف ایک گھنٹے کیلئے آفس گیا تھا اسے بتا کر گیا تھا کہ دو گھنٹے تک آ جاؤں گا اس نے ہنسی خوشی مجھے خدا حافظ کہا

تھا لیکن جب میں ایک گھنٹے بعد گھر پہنچا تو وہ جا چکی تھی اور پھپھو! وہ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے گئی سوائے

تصویروں کے اس الہم کے جو تین چار دن پہلے میں نے اسے گفت کیا تھا۔ اس کی ہر چیز جہاں تھی وہاں اب بھی

موجود ہے لیکن..... وہ نہیں ہے پھپھو! میں نے اسے ہر جگہ تلاش کیا شہر کا چپہ چپہ چھان مارا ہے اتے ہوئے

اس کی میڈم خدیجہ سے بھی اس کا پتا لینے گیا تھا مگر وہ وہاں بھی نہیں ہے وہ یہاں بھی نہیں آئی تو..... کہاں گئی

پھپھو؟ میں نے تو اس کے جانے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی اسے ڈھونڈنا شروع کر دیا تھا لیکن..... وہ مجھے

کہیں نہیں ملی نجانے کہاں چلی گئی عینی کس حال میں ہوگی وہ؟“ نفس نے بھیگی آواز میں ساری تفصیل ان کے

گوش گزار کر دی۔

”یا اللہ! تو میری بچی کو اپنی امان میں رکھنا میری عینی بلا وجہ گھر چھوڑ کر نہیں گئی ضرور کوئی وجہ ہوگی تم نے

کنول سے نہیں پوچھا وہ تو گھر پر ہوگی۔“ سمیرہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

”کنول اور اس کی مٹی گھر پر ہی نہیں ان کا کہنا ہے کہ عینی..... کسی لڑکے کے ساتھ.....“

”بکواس کرتی ہیں وہ ہمارے عینی ایسی نہیں ہے۔“ ٹوبہ بھابی نے غصے سے ان کی بات کاٹ کر کہا تو سمیرہ بیگم

زار و قطار روتے ہوئے بولیں۔

”ہاں یہ تہمت ہے میری عینی پر میری بیٹی بہت معصوم ہے۔ سلسلی بیگم نے ضرور کوئی چال چلی ہوگی۔ ہائے میری

بچی کو کس حال میں ظالموں نے گھر سے نکال دیا اللہ سمجھے سلسلی بیگم تمہیں۔ میری عینی تو بہت صابر و شاکر اور معصوم

ہے۔ یہ کنول کی ماں کی سازش ہے میری عینی کو ڈھونڈو نفس! وہ مرجائے گی ارے اس کی حالت تو ایسی نہیں تھی کہ وہ

اتنا بڑا صدمہ جھیل سکتی اور بے سروسامانی کے عالم میں کیا کرے گی وہ؟ یا اللہ تو ہی میری بچی کو سنبھالنے والا ہے اسے

اپنی امان میں رکھنا۔“

”پھپھو جان! سنبھالیں خود کو میں تو آپ سے حوصلہ مانگنے آیا تھا میں اپنے طریقے سے اس سارے کھیل کے

پیچھے پیچھے چہروں کو سامنے لاؤں گا ثبوت کے بغیر میں کنول یا سلسلی آنٹی سے کوئی بات نہیں پوچھ سکتا ان کی باز پرس

نہیں کر سکتا میں نے عینی کو تو کھو دیا ہے اب میں کنول کو نہیں گنوا نا چاہتا۔“ نفس نے سمیرہ بیگم کے ہاتھ تھام پرہیز

لہجے میں کہا۔

”نفس بھائی! آپ کو کنول بھابی کے خلاف ثبوت مل گئے تو کیا تب بھی آپ.....“

”میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔“ نفس نے کھڑے ہو کر ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”میرا اعتبار بارہ بارہ ہوا ہے میرا دل کرچی کرچی کیا گیا ہے میری عینی کو دکھ دیا گیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو

میں کبھی معاف نہیں کروں گا خواہ وہ کنول ہی کیوں نہ ہو۔“

”السلام و علیکم خواتین و حضرات!“ عین موقع پر ردا چبکتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو اندر کا منظر دیکھ کر اس کی ساری

شوخی ہوا ہو گئی۔

”امی جان! آپ رو رہی ہیں بھابی آپ بھی..... نفس بھائی! آپ کی آنکھیں بھی بھج رہی ہیں کیا ہوا ہے

سب ٹھیک تو ہے ناں؟“ ردا نے پریشان ہو کر پوچھا تو ٹوبہ بھابی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”عینی کل نفس بھائی کا گھر چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے۔“

”کک..... کیا عینی چلی گئی؟ نہیں۔“ ردا کو زبردست جھٹکا لگا تھا۔

”عینی کو میں نے ہر جگہ تلاش کر لیا ہے وہ کہیں نہیں ملی سوائے میرے دل کے وہ کہیں نظر نہیں آئی مجھے اللہ جانے

کہاں ہے وہ؟“ نفس نے بھرائی آواز میں کہا۔

”اپنی کنول بیگم سے پوچھیں جا کر عینی کہاں ہے؟ عینی گئی نہیں ہے اسے اس گھر سے نکالا گیا ہے۔“ ردا نے غصے

اور دکھ سے لرزتی آواز میں کہا۔

”تم اتنی بڑی بات کیسے کہہ رہی ہو؟“ سمیرہ بیگم نے روتے ہوئے پوچھا۔

”امی جان! کنول بھابی نے شروع دن سے عینی آپنی کوٹا پر چر کیے رکھا تھا وہ نفس بھائی کے سامنے ان پر صدمے

داری جاتیں اور ان کی عدم موجودگی میں انہیں اذیتیں پہنچاتی تھیں۔ عینی آپنی صرف اس لئے خاموش رہیں کہ نفس

بھائی کو کنول بیگم پر بہت اعتبار تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا اعتبار ٹوٹے اور عینی آپنی ان کا اعتبار بجاتے بجاتے خود

اس عیار عورت کے ہاتھوں ٹوٹتی رہیں۔ نفس بھائی! آپ نے اچھا نہیں کیا میری عینی بہن کے ساتھ آپ کا کبھی

ان کی باتوں پر دھیان ہوتا تو آج وہ ہمارے پاس ہوتیں۔“

”ردا! چپ کرو کیوں الزام دے رہی ہو نفس کو اس کا کیا قصور ہے؟ یہ تو خود دکھی ہے عینی سے بہت پیار کرتا

ہے۔ ارے بھئی! اعتبار تو اس کا ٹوٹا ہے پیار تو اس کا چھینا گیا ہے زخم تو اس کے دل پہ لگا ہے اسے مزید دکھی مت کر

ردا!“ سمیرہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

”امی جان! عینی کو جو دکھ اس گھر میں ملتے رہے وہ آپ نہیں جانتیں عینی نے ہم سب کے اطمینان اور سکون کی

خاطر اپنی پریشانی ہم سے چھپائے رکھی وہ تو کنول بیگم کے لندن سے صبح دوپہر شام رات ٹیلی فون آنے سے ہمیں پتا

چلا کہ عینی کے ساتھ کنول کیا سلوک کر رہی ہیں۔“ ردا نے کہا۔

”کنول نے لندن سے عینی کو یہاں فون کیا تھا؟“ نفس نے حیرانگی سے پوچھا۔

”جی ہاں نفس بھائی! وہ شاید یہ چیک کرنا چاہ رہی تھیں کہ کہیں عینی آپ کے پاس تو نہیں چلی گئی۔ آپ کو یاد ہوگا

آپ عینی کو آفس جاتے وقت یہاں چھوڑ جاتے تھے اس دوران ہی کنول بیگم کے دمکی آمیز فون آیا کرتے تھے وہ

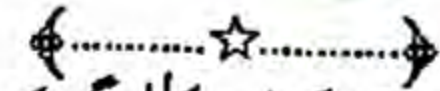
عینی کو یکے بٹھانا چاہتی تھیں اور سسرال میں آباد ہونے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتی تھیں۔ انہیں آپ

کی جائیداد میں عینی کا وارث نہیں چاہیے تھا وہ عینی کو طلاق دلوانا چاہتی تھیں۔ عینی ان کی گالیاں ان کی دھمکیاں سنی

اور سستی رہی آپ سے جب بھی کہنا چاہا آپ نے اس سے کنول بیگم کے بارے میں ایسی اعتبار بھری باتیں کرنا شروع کر دیں کہ وہ بے چاری کچھ نہ بتا سکی اسے ڈر تھا کہ آپ اس کا اعتبار نہیں کریں گے۔ کنول بیگم نے اسے ایک دن بھی چین سے نہیں رہنے دیا۔

”بس کریں بھابی پلیز! خدا کے لیے خاموش ہو جائیں میرا دل پھٹ جائے گا۔“ نفیس نے ثوبیہ بھابی کی بات کاٹ کر ٹوٹے لہجے میں کہا وہ کنول کے بارے میں باتیں سن کر تنکا تنکا پھر گئے تھے۔ ان کی رگ رگ میں موت کا سا سکوت طاری تھا۔ وہ بے دم سے ہو کر صوفے پر ڈھسے گئے تھے۔ ان کا سر گھوم رہا تھا۔

”یعنی کہاں ہوگی کس حال میں ہوگی میری بہن؟“ ردا سیرا بیگم کے گلے سے لگ کر روتے ہوئے بولی تو سیرہ بیگم ہچکیاں لے کر رونے لگیں۔ یہ سارے انکشافات انہیں اندر سے مار رہے تھے۔ ان کا دل عینی کی سلامتی کی دعا میں مانگ رہا تھا۔



نفیس نیم جاں حالت میں جیسے تیسے گھر پہنچے تو کنول اور سلٹی بیگم کے ہنسنے کی آواز پر ان کے کمرے کے قریب سے گزرتے گزرتے رک سے گئے اور کان ان کی آواز پر لگا دیئے۔

”مئی! آپ کا آئیڈیا تو کمال نکلا۔ نفیس کو یقین تو آ ہی گیا ہے کہ عینی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگی ہے انہیں کیا خبر کہ ہم نے اسے کس طرح گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ہے لیکن مئی! ایک خدشہ ہے مجھے کہ کہیں عینی اپنے بچے کو لے کر یہاں بھی آ نہ جائے اپنے بچے کا حق مانگنے آخر کو وہ بچہ ہے تو نفیس کا ہی نا۔“ کنول بہت خوشگوار لہجے میں بول رہی تھیں اور نفیس کا ہاتھ اپنے دل پر تھا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں مزید گرتے جا رہے تھے۔

”تم کیوں فکر کرتی ہو وہ ذرا سی لڑکی اتنا بڑا الزام اور صدمہ بھلا کیسے برداشت کر سکتی ہے اب تک تو مر کھ گئی ہو گی بچے سمیت۔ بے گناہ بے چارہ تو اس غم میں ہی مر جاتا ہے کہ اسے بے گناہ ہونے پر سزا سنائی گئی ہے اور پھر نفیس سے جدائی کا دکھ الگ تھا کہاں بچی ہوگی عینی۔ بس اب تم نفیس کو اپنے قابو میں کرنے کی کرو اچھا موقع ہے اپنی اہمیت جتانے اور منوانے کا اسے احساس دلانے کا کہ تم سے زیادہ اس کے ساتھ کوئی تخلص نہیں ہے تم اس سے بہت پیار کرتی ہو با وفا بیوی ہو اس کی خوب دلجوئی کرو اگر تب بھی عینی کو دل سے نہ بھلائے یا اسے بدکردار نہ سمجھے تو..... وہی نسخہ آزمانا جو ہم نے عینی کو یہاں سے بھگانے کیلئے آزمایا تھا۔ کیسا کاسیاب نسخہ ہے اپنی عزت کی خاطر اسے یہاں سے جاتے ہی بنی۔“ سلٹی بیگم نے بہت مکاری سے فاتحانہ انداز میں کہا اور دونوں تہقید لگا کر ہنس پڑیں۔ نفیس کی زبان تالو سے لگ گئی۔ وہ دکھ اور صدمے کی حالت میں ان سے کچھ کہنے کی ہمت اور سکت خود میں نہیں پا رہے تھے۔ بہت مشکل سے چلتے ہوئے عینی کے کمرے میں آئے اور اس کے بستر پر گر گئے۔ انہیں یاد آ رہا تھا کہ عینی ان دنوں کتنی پریشان اور خوفزدہ تھی جیسی تو وہ اسے اسلام آباد مری لے گئے تھے ہنی مون کا تو بہانہ تھا اصل میں تو وہ اسے اس پریشانی سے دور لے جانا چاہتے تھے جو وہ انہیں بتا نہیں رہی تھی۔

”نفیس! میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ہمیشہ زندگی کی آخری سانس تک مجھے آپ کا ساتھ چاہیے مجھے اپنی زندگی سے باہر مت نکالنے کا ورنہ میرا دم نکل جائے گا نفیس۔“ انہیں عینی کی کبھی ہوئی یہ باتیں یاد آئیں تو ان کی تڑپ اور بے قراری مزید بڑھ گئی۔

”یعنی! جب تک میں زندہ ہوں تمہیں بھی زندہ رہنا ہوگا۔ کاش تم مجھے سب کچھ بتا دیتیں کاش میں ہی تمہاری باتوں کو سمجھ لیتا کنول پر شک کر لیتا تو آج میرا یقین تو نہ ٹوٹتا۔“ نفیس نے اسے دل میں مخاطب کر کے کہا آنسو ان کی

آنکھوں سے بے اختیار بہتے چلے جا رہے تھے۔

”نفیس! آئی لو پو۔“ عینی کی آواز انہیں اپنے کان کے قریب سنائی دی تو وہ اچھل گئے۔ بے قراری سے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر عینی تھی نہ اس کا سایہ یہ تو اس کے ماضی کا جملہ تھا جو انہیں تڑپا گیا تھا اور بہت کچھ یاد دلا گیا تھا۔ ”تم نے صحیح کہا تھا عینی! بعض اوقات انسان کے دعوے اور اندازے غلط بھی ثابت ہو جاتے ہیں میں نے کنول کو کیا سمجھا تھا اور وہ کیا نکلی۔“ نفیس روتے ہوئے دل میں اس سے مخاطب تھے۔

”نفیس! میری ایک بات مانیں گے؟“ جملے گونج رہے تھے۔

”نفیس! اگر مجھے کچھ ہو جائے تو.....“ وہ اضطرابی کیفیت کا شکار تھے۔

”نفیس! بیٹا ہو یا بیٹی اگر میں نہ رہوں تو آپ میرے بچے کو ثوبیہ بھابی کی گود میں دے دیجیے گا اس کی پرورش کیلئے۔“ وہ سر تھام کر رہ گئے۔

”میری التجا سمجھ لیں یا وصیت۔“ وہ اچانک یاد آنے پر چونکے۔

”اوماںی گاڈ! تو عینی کو اس حد تک خطرہ تھا کنول سے اس کی ماں سے اسے اپنی زندگی تک کی بازی ہارنی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ کنول..... تم کیا ہو کنول؟ او میرے اللہ! یہ میں نے کس سانپ کو اپنی آستین میں چھپائے رکھا اپنے دامن دل سے لگائے رکھا جس نے میری ہی خوشیوں کو ڈس لیا میرے ہی دل میں زہر بھردیا میرے دل کا خون کرویا میری عینی کو مجھ سے جدا کر دیا۔ کہاں ہوگی عینی؟ اس وقت کس حال میں ہوگی؟“ نفیس بری طرح تڑپ تڑپ کر تیکے میں چہرہ چھپا کر رونے لگے۔ اتنی شدت سے وہ کبھی نہیں روئے تھے کبھی نہیں تڑپے تھے جتنی شدت سے وہ آج رورہے تھے تڑپ رہے تھے۔



”زبیدہ! ادھر آؤ میری بات غور سے سنو۔“ کنول نے زبیدہ کو آواز دے کر کہا۔

”جی بیگم صاحبہ! زبیدہ اپنے گیلے ہاتھ اپنی چادر سے پونچھتی ہوئی ان کے قریب چلی آئی تو کنول نے سپاٹ اور حاکمانہ لہجے میں کہا۔

”تم دس دن کیلئے یہاں سے چلی جاؤ اپنی بیٹی اور شوہر کو لے کر۔“

”پر کہاں جائیں جی ہمارا تو کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے بڑی مشکل سے تو یہ ٹھکانہ ملا تھا۔ بیگم صاحبہ! ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف کر دیں جی ہم یہاں سے کہاں جائیں گے جو ان بیٹی کا ساتھ ہے۔ زبیدہ نے منت بھرے لہجے میں کہا تو وہ اسی لہجے میں بولیں۔

”تم نے نوکری کرنی ہے یا نہیں؟“

”کرنی ہے جی۔“

”تو جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو اور ہاں اگر تم نے نفیس کو عینی کے جانے کے بارے میں کسی قسم کی کوئی بات بتانے کی کوشش کی تو میں تمہیں نوکری سے نکال باہر کروں گی اور تمہارے شوہر کو چوری کے الزام میں اندر کروادوں گی۔“ کنول نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو وہ سہم کر رہ گئی۔

”نہیں بیگم صاحبہ! ہم صاحب سے کچھ نہیں کہیں گے خدا کیلئے آپ ہمیں یہاں سے نہ نکالیں ہم کچھ نہیں بتائیں گے صاحب کو۔ زبیدہ نے ان کے آگے اپنے ہاتھ جوڑ کر منت بھرے لہجے میں کہا تو چند سیکنڈ وہ سوچ میں گم رہیں پھر بولیں۔

”ٹھیک ہے پھر تم دو چار دن کیلئے یہاں سے عائب ہو جاؤ۔“

”بیگم صاحبہ! کہاں جائیں گے ہم؟ ہمارا تو کوئی رشتہ دار بھی اتنے دن ہمیں مہمان نہیں رکھے گا۔“ زبیدہ نے مسکین صورت بنا کر کہا۔

”یہ میرا در دسر نہیں ہے کل صبح میں تمہاری شکل نہ دیکھوں یہاں۔“ کنول حکم دے کر چلی گئیں۔

زبیدہ نے رات کو شوکت سے اس بات کا ذکر کیا تو وہ سنجیدگی سے سوچتے ہوئے بولا۔

”اصل میں بڑی بیگم کو یہ ڈر ہے کہ کہیں ہم نفیس صاحب کو ساری بات نہ بتا دیں۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ زبیدہ نے کہا۔

”اللہ جانے یعنی بی بی کہاں ہوں گی؟ میکے بھی نہ گئیں تو کہاں گئی ہوں گی۔“ شوکت نے دکھ سے کہا۔

”ابا! آپ نفیس صاحب کو سب کچھ سچ بتا دیں، یعنی باجی کہتی تھیں کہ سچ صرف ایک بار مشکل اور تکلیف کا باعث بنتا ہے مگر جھوٹ ہر بار نئے بہانے مانگتا ہے اور آدی کو ایک دن شرمسار کرتا ہے لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے ضمیر کے سامنے بھی۔“ آمنہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ٹھیک کہتی تھی یعنی بیٹی مجھے تو وہ تیرے جیسی ہی لگتی تھی۔ اللہ اسے اپنی امان میں رکھے اس کی مشکل آسان کرے۔“ شوکت نے دل سے کہا۔

”آمین۔“ وہ دونوں دل سے بولیں۔

”پھر کل کیا کرنا ہے شوکت! بڑی بیگم نے تو کہہ دیا ہے کہ صبح تمہاری شکلیں یہاں نظر نہ آئیں مجھے۔“ زبیدہ نے پھر سے مسئلے کی طرف اس کی توجہ دلاتے ہوئے کہا تو اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”بڑی بیگم کا کیا اعتبار آج ایک ہفتے کیلئے جانے کا بول رہی ہیں تو کل کو کوئی اور بہانہ بنا کر ہمیں نوکری سے نکال باہر کریں گی۔ ہمیں یعنی بیٹی اور نفیس صاحب نے ملازمت دی تھی اور ہم نے اس گھر کا نمک کھایا ہے اسے حلال کرنے کا وقت آیا تو ہم اپنی غرض کے بندے بن جائیں تو اچھی بات نہیں ہے۔ زبیدہ! وہ ہماری بات کا یقین کریں یا نہ کریں ہم انہیں سب کچھ سچ بتا دیں گے بھلے سے وہ ہمیں نوکری سے نکال دیں۔ ہم نے اس گھر کی عزت کو اپنی عزت سمجھا ہے تو اب اس کی عزت پر حرف آرہا ہے تو ہمیں اسے بچانا ہے میں تو پہلے ہی شرمندہ ہوں اپنے آپ سے میں یعنی بیٹی کو روک کیوں نہیں سکا، نجانے وہ کس کے پاس گئی ہوں گی میں ہوتا تو انہیں کسی محفوظ جگہ چھوڑ آتا۔“

”کہاں چھوڑ آتے اپنے پاس تو رہنے کا ٹھکانہ نہیں تھا اور تیری بھی بیٹی ہے ذرا سوچ یہ ٹھکانہ بھی ہاتھ سے گیا تو کہاں جائیں گے ہم؟“ زبیدہ نے کہا۔

”اللہ مالک ہے زبیدہ! تو کیوں فکر کرتی ہے ایک ذرہ بند ہوتا ہے تو سو در کھل بھی جاتے ہیں اور تو بھی تو ماں ہے ذرا ماں بن کے سوچ کہ اس بیٹی یہ کیا گزر رہی ہوگی، یعنی بھی تو کسی کی بیٹی ہے آج وہ بے آسرا ہوگئی ہے ہمیں اس کی فکر بھی کرنی چاہیے بیٹیاں تو سب کی سانبھی ہوتی ہیں اللہ سب کی عزت قائم رکھے۔ تو آرام سے سو جا صبح ہوگی تو نفیس صاحب سے بات کر لیں گے آگے اللہ مالک ہے۔ میں تو نفیس صاحب کی حالت دیکھ کر ہی خون کے آنسو روتا ہوں انہیں اپنی بیوی یعنی بی بی سے بہت پیار ہے اللہ یعنی بی بی کو زندہ سلامت ان سے ملا دے۔“ شوکت بولتے بولتے لیٹ گیا اور زبیدہ بھی بلب بند کر کے سونے کیلئے لیٹ گئی۔ آمنہ کی آنکھیں یعنی کا چہرہ دیکھ رہی تھیں اسی کو سوچ رہی تھیں اس کے بارے میں سوچتے سوچتے آمنہ کی آنکھ لگ گئی۔



نفیس ایک ہی شب میں صدیوں کے درد سہ آئے تھے۔ ان کی حالت دیکھ کر کنول کا دل کانپ گیا۔ شوکت اور

زبیدہ ان کو دوسرے دیکھ کر ہی دکھی ہو گئے۔

”نفیس! آپ نے اپنا یہ کیا حال بنا لیا ہے؟“ کنول نے ان کی سرخ سوجی سوجی آنکھوں، بکھرے بالوں، زرد ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”میں نے بنایا ہے اپنا یہ حال یا.....“ وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

”آپ اس بدکردار لڑکی کے غم میں خود کو ہلکان کر رہے ہیں جسے آپ کی عزت کی پرواہ ہے نہ آپ کی محبت کی۔“ کنول نے جھل کر کہا۔

”اسے ان القابات سے مت نوازو وہ پاکیزہ سیرت اور معصوم ہے۔“ نفیس نے غصے سے کہا تو کنول کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ یعنی کیلئے دیوانے ہوئے جا رہے تھے یہ کنول کیلئے ناقابل برداشت تھا۔

”اسی لئے گھر سے بھاگ گئی۔“ کنول نے طنز سے کہا۔

”وہ اس حالت میں نہیں تھی کہ بھاگ سکتی۔“ نفیس نے اپنے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے کہا۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ یعنی کے یہاں سے جانے کا وہ نسخہ جان کر ہی کنول سے بات کریں گے۔ وہ نسخہ جس کا سلسلی بیگم ذکر کر رہی تھیں اور اس وقت تک نفیس کو اپنے غصے پر قابو رکھنا تھا۔

”آپ کے ذہن پر بہت بری طرح قابض ہے یعنی۔“ کنول نے قدرے نرم لہجے میں کہا تو وہ سنجیدگی سے بولے۔

”صرف ذہن پر نہیں دل اور روح پر بھی قابض ہے یعنی۔“

”نہیں رہے گی وہ تصویریں دکھانا ہی ہوں گی انہیں۔“ کنول نے دل میں کہا۔

”تو میری جگہ کہاں ہے؟“ کنول نے ان کے سامنے آ کر ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جہاں پہلے تھی اب وہاں نہیں ہے۔“ نفیس نے معنی خیز بات کہی وہ چونک گئیں۔

”ایک بات تو بتاؤ یہ تمہاری مٹی کا اپنے گھر دل نہیں لگتا کیا جو ہر دوسرے دن یہاں چلی آتی ہیں اور تمہیں الٹی سیدی مٹی پٹی پڑھانی رہتی ہیں۔“

”آپ میری مٹی کے آنے سے ناخوش ہیں انہوں نے کیا کیا ہے؟“

”یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔“ وہ چائے کا سپ لے کر بولے۔

”مٹی ہماری محبت میں چلی آتی ہیں دو چار دن میں واپس چلی جائیں گی اور مٹی کی وجہ سے ہی آج میں اس مقام پر ہوں۔“ کنول نے ناراض لہجے میں کہا۔

”یہی تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ تم اپنی مٹی کی وجہ سے آج اس مقام پر ہو، کاش..... کہ تم اپنی سمجھ اور عقل سے کام لیتیں تمہاری مٹی کی شہرت تو یوں بھی مشکوک ہے۔“ نفیس نے سلاکس پرکھن لگائے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

”آپ زیادتی کر رہے ہیں نفیس!“ وہ بمشکل اپنے غصے کو قابو میں رکھ کر بولیں۔

”زیادتی کون کرتا رہا ہے اور کون کر رہا ہے تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔“ نفیس نے معنی خیز بات کہی۔ کنول کو الجھن سی ہونے لگی مگر موڈ کو خوشگوار بناتے ہوئے بولیں۔

”اچھا چھوڑیں ان باتوں کو آج بچوں کو باہر گھمانے لے جائیں۔“

”میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ انہوں نے جان بوجھ کر انکار کر دیا ان کا رد عمل جو دیکھنا چاہتے تھے۔

”اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دل میں صرف عینی کی محبت ہے میری یا بچوں کی محبت نہیں ہے۔“ کنول نے حسب توقع برا مناتے ہوئے کہا۔

”یہ میں نے کب کہا تم شک کرنے لگی ہو مجھ پر۔“
 ”نہیں نفیس! لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ عینی کی وجہ سے اس گھر کا ماحول سوگوار اور ناخوشگوار بن جائے آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں میں۔“ کنول نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بہت اپنائیت اور محبت سے کہا۔
 ”میں تو بہت خوش ہوں۔ بیوی بچے ہیں میرے پاس اچھا بزنس ہے آرام و آسائش کی ہر چیز موجود ہے اور مجھے کیا چاہیے۔ انسان زندگی میں انہی چیزوں کی خواہش تو کرتا ہے۔“ نفیس نے مسکرا کر کہا۔
 ”یہ کی ہے نا آپ نے زندہ دلی کی بات آپ ناشتہ کریں میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں آفس تو نہیں جائیں گے آج آپ؟“ کنول نے خوش ہو کر کہا۔

”جاؤں گا بہت کام ہے بچوں کو شام کو گھمانے اور آکس کریم کھلانے لے جاؤں گا تم بھی تیار ہو جانا سب چلیں گے۔“ نفیس نے اپنے پرانے انداز میں کہا۔
 ”اور می بھی۔“ کنول نے کہا تو نفیس نے اثبات میں سر ہلادیا۔
 ”سب کچھ تو ہے میرے پاس بیوی بچے مال و دولت عزت آسائش اور کیا چاہیے مجھے۔ کیا میں عینی کی جدائی نہیں سہہ سکتا؟“ نفیس نے خود سے سوال کیا۔
 ”نہیں۔“ ان کے دل نے جواب دیا۔

”عینی! میں تمہیں نہیں بھول سکتا میری ہر خوشی تمہارے بغیر ادھوری ہے میں ادھورا ہوں۔“ وہ غم زدہ تھے۔
 ”عینی! تمہارے بغیر میری زندگی ادھوری ہی رہے گی۔“ نفیس نے اس کی تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا اور سرد آہ بھر کر تیار ہونے چلے گئے۔ کنول نے ان تصاویر کا لفافہ لا کر عینی کے سرہانے رکھ دیا آدھا لفافہ تکیے کے نیچے تھا آدھا باہر اور ساتھ ہی نفیس کی گاڑی کی چابیاں اور والٹ بھی رکھ دیا۔
 نفیس اپنے اندر اٹھتے درد کے طوفان کو سنبھالتے ہوئے تیار ہو گئے۔ گاڑی کی چابیاں اور والٹ اٹھاتے ہوئے ان کی نظر لفافے پر پڑی تو انہوں نے لفافہ تکیے کے نیچے سے نکال لیا۔

”اس میں کیا ہے؟“ نفیس نے خود سے سوال کیا اور لفافہ کھول کر تصویریں باہر نکالیں جو ان کی نظر پہلی تصویر پر پڑی انہیں زبردست جھٹکا لگا۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور دل تھام کر بیڈ پر بیٹھ گئے۔ کنول نے دروازے سے اتنا منظر دیکھا اور چپکے سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نفیس نے خود کو بہت مشکل سے سمیٹا اور دوبارہ تصویر پر نظر ڈالی۔ وہ کی تصویر تھی عینی کے ساتھ یعنی اس کے گلے میں بانہیں ڈالے بڑی بے باکی سے مسکرا رہی تھی۔ ایک تصویر میں وہ بٹی کے ساتھ جڑی کھڑی تھی تیسری تصویر میں کوئی نامعلوم شخص تھا جس کے ساتھ عینی بہت وابہیات انداز میں کھڑی تھی۔ نفیس نے تصویریں لفافے میں بند کر دیں۔

”نہیں..... نہیں یہ میری عینی نہیں ہے وہ ایسی نہیں ہے یہ جھوٹ ہے بکو اس ہے یہ۔“ عینی کا صرف چہرہ استعمال کیا گیا ہے صرف چہرہ عینی کا ہے باقی بے حیائی کسی اور کی ہے یہ میری عینی نہیں ہے اور وہ کی اور بٹی جن کو اس نے ایک بار اس گھر میں دیکھا تھا جن سے اس نے بات تک نہیں کی تھی جن کی بے باک اور بے حیا آنکھوں سے بچنے کی خاطر وہ رات گئے اپنے گھر چلی گئی تھی ان کے ساتھ یہ..... نہیں یہ سلٹی آنٹی کی کارستانی ہے یہ لندن سے لایا گیا وہ نسخہ ہے جس نے میری عینی کو اس گھر سے جانے پر مجبور کر دیا جس کی وجہ سے وہ میکے سے بھی دور ہو گئی۔ ظاہر ہے ایسی تصاویر

دیکھ کر سوچنے بچھنے کی زحمت کون کر سکتا ہے۔ غیرت مند شوہر یا بھائی مرنے مارنے کا کام ہی کر سکتا ہے خوب بہت خوب کنول اینڈ سلٹی آئی بہت خوب..... ثم میری توقع سے زیادہ گھٹیا ثابت ہوئی ہو توف ہے مجھ پر کہ میں تمہیں سمجھ نہیں سکا۔ لیکن عینی کو میں جانتا بھی ہوں اور پہچانتا بھی ہوں یہ تصاویر عینی کی نہیں ہیں اس کے شانے پر کوئی سیاہ نشان نہیں تھا اس کے ہاتھوں کی انگلیاں چپٹی نہیں تھیں مخروہ نرم ملائم انگلیاں ہیں اس کی تو وہ پاک ہے معصوم ہے پاکیزہ ہے۔ اس کی محبت اس کے لہجے اور لفظوں سے بیان ہوتی تھی اس کی آنکھیں میرے لئے پیار کے خزانے لٹائی تھیں۔ اس کی خاموشی بھی میری محبت کا اقرار ہوتی تھی۔ عینی کی آنکھوں میں کبھی کبھی جو خوف اور بے بسی چھا جاتی تھی وہ اس وجہ سے تھی کاش..... میں پہلے سمجھ جاتا کہ عینی کو اس گھر میں میرے پیچھے کس کس طرح سے نار چر کیا جا رہا ہے۔ کاش..... میں سمجھ جاتا۔“ نفیس نے بہت دھمکی لہجے میں پُر غم آنکھوں سے عینی کی دیوار پر آویزاں لارج سائز کی تصویر کو دیکھتے ہوئے خود سے کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر آفس چلے آئے۔

وہ ان بے حس اور بے رحم لوگوں کے سامنے اپنی بے بسی اور اپنی محبت کی جدائی کا سوگ نہیں منانا چاہتے تھے جن کی وجہ سے ان کی محبت در بدر ہو گئی تھی جن کی وجہ سے ان کا پیار چھن گیا تھا اعتبار ٹوٹ گیا تھا۔
 ”سر! آپ کے گھر سے آپ کے ملازم آئے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“ چڑا سی نے آ کر انہیں بتایا تو وہ ٹھٹھک گئے پھر کچھ سوچ کر بولے۔
 ”انہیں اندر بھیج دیں۔“

”بہتر سر! چڑا سی نے حکم کی تعمیل کی چند سیکنڈ بعد شوکت زبیدہ اور آمنہ اندر چلے آئے اور انہیں سلام کیا۔
 ”السلام علیکم سر!“
 ”علیکم السلام! کیا بات ہے تم لوگ یہاں کیسے؟“ نفیس نے نرم لہجے میں پوچھا۔
 ”سر! ہم نے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ شوکت نے کہا۔
 ”کیا نوکری چھوڑ رہے ہو؟“
 ”نہیں سر!“
 ”تخنوہ کم ہے۔“

”نہیں سر! آپ نے تو ہمیں بہت مناسب تنخواہ پر رکھا ہے رہنے کا ٹھکانہ بہت اچھا ہے۔“ شوکت نے ایمان داری اور سنجیدگی سے اعتراف کیا۔
 ”تو بھائی! پھر کیا بات ہے کوئی پرالیم ہے تو بتاؤ۔“ نفیس نے نرمی سے کہا تو شوکت نے زبیدہ کی طرف دیکھا زبیدہ نے نفیس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”صاحب جی! آپ ہماری بات کا یقین کریں گے؟“
 ”تم لوگ جانتے ہو نا کہ میرا یقین کس بے دردی سے توڑا گیا ہے۔“
 ”جی صاحب! جانتے ہیں۔“

”بہر حال تم کہو میں تمہاری بات پر یقین کروں گا۔“
 ”صاحب جی! عینی بی بی خود گھر سے نہیں گئیں بلکہ انہیں بڑی نیگم صاحبہ اور ان کی می نے گھر سے نکالا ہے۔“ زبیدہ نے ڈرتے ہوئے بتایا۔

”کیا.....؟“ نفیس پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ کنول اور سلٹی نیگم کے قصور وار ہونے میں اب مزید کوئی شک باقی نہیں

”اللہ تمہاری زبان مبارک کرے اور مجھے حوصلہ عطا فرمائے۔“

”صاحب جی! آپ اپنا خیال رکھیں۔“ زبیدہ نے کہا۔

”یعنی کا خیال کون رکھے گا زبیدہ بی بی!“ نفیس نے یعنی کے گفت کردہ پیپر ویٹ کودیکھتے اور اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو آمنہ بول پڑی۔

”اللہ رکھے گا یعنی بی بی کا خیال“ یعنی باجی نے جاتے وقت کہا تھا کہ..... جس کا کوئی خیال رکھنے والا نہیں ہوتا اللہ اس کا خیال رکھتا ہے اللہ اس کا ساتھ دیتا ہے۔“

”اور کیا کہا تھا یعنی نے؟“ نفیس نے تڑپتے ہوئے پوچھا۔

”انہوں نے کہا تھا کہ نفیس صاحب کا خیال رکھنا۔“ زبیدہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی تو نفیس کا دل چڑ گیا۔ اسے اس بے سرو سامانی اور تکلیف کے عالم میں بے سائبانی کے عالم میں بھی ان کی محنت کا خیال تھا ان کی فکر تھی۔

نفیس خود پر ضبط نہ کر سکے اور دل کو تھام کر کرسی کی پشت سے سر نکا کر دو دیئے۔

”نفیس! میرے دل میں بھی آپ کی محبت کے یہ سارے رنگ موجود ہیں پلیز ان رنگوں کو بکھرنے مت دیجیے گا۔“ نفیس کو یاد آ رہا تھا اس کے دیئے ہوئے پیپر ویٹ کودیکھتے ہوئے یعنی نے کتنے پیار سے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ خوبصورت جملہ کہا تھا۔ نفیس کی سانسیں اکھڑنے لگیں چہرہ پسینے سے بھگ گیا۔

”او گاڈ! یعنی..... یعنی.....“ نفیس کی زبان بے اختیار اسے پکار رہی تھی۔

”سر! آپ کی تو طبیعت خراب ہو رہی ہے کوئی ہے سر کی طبیعت خراب ہو رہی ہے انہیں اسپتال لے چلیں۔“ شوکت نے نفیس کو دل پر ہاتھ رکھتے میز پر سر رکھتے دیکھا تو گھبرا کر چیخا ہوا باہر بھاگا۔ اس کی چیخ دیکار سن کر چہڑا سی نیچر سیکریٹری اور دفتر کے کئی آدی بھاگے چلے آئے۔

”فورا گاڑی نکالو انہیں ہوسپتال پہنچانا ہے۔“ منیجر حمید نے تیزی سے کہا اور شوکت کے ساتھ مل کر نفیس کو سہارا دے کر اٹھایا۔ نفیس بے ہوش ہو چکے تھے۔

منیجر حمید نے ”نفیس ولا“ فون کیا مگر فون کسی نے ریسپونڈ نہیں کیا تو انہوں نے نعیم بھائی کے آفس فون کیا اور انہیں نفیس کی حالت کے بارے میں بتاتے ہوئے فورا ہوسپتال پہنچنے کی تاکید کی۔ نعیم بھائی جو یعنی کی گمشدگی کی وجہ سے پہلے ہی پریشان تھے نفیس کی بیماری کا سن کر ان کی پریشانی بڑھ گئی۔ وہ کام چھوڑ کر فورا اسپتال پہنچ گئے۔

”نفیس صاحب کا بلڈ پریشر بہت زیادہ ہائی ہے اور صدے کے اثر کے باعث وہ بے ہوش ہو گئے ہیں ان کا پی پی کنٹرول ہونا بے حد ضروری ہے ورنہ خدا نخواستہ انہیں دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔“ ڈاکٹر لطیف نے نعیم بھائی اور منیجر حمید کو آ کر بتایا۔

”اونو..... یا اللہ کرم کر۔“ نعیم بھائی نے دکھ سے دعا مانگی۔

”میں نفیس صاحب کے گھر دوبارہ فون کرتا ہوں شاید کوئی رسپانس مل جائے۔“ منیجر حمید نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور ان کے سر ہلانے پر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے۔ شوکت زبیدہ اور آمنہ بھی سہمے ہوئے اور پریشان کوریڈر میں کھڑے نفیس کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ نعیم کو وہ ساری بات بتا چکے تھے۔ نعیم بھائی کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کنول اور سلٹی بیگم کو تیزاب میں ڈبو دیں۔ وہ ایسا سوچ تو سکتے تھے عمل نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا ضمیر ان کا مذہب اور احساس انسانیت انہیں اس تکلیف دہ فعل کی اجازت نہیں دے سکتا تھا وہ بے بسی سے کھڑے تھے۔ نفیس اور یعنی دونوں کیلئے دعا مانگ رہے تھے۔

رہ گیا تھا پھر بھی انہیں یہ جان کر شدید دکھ پہنچا تھا۔

”جی صاحب! میں نے خود ان کی ساری باتیں سنی تھیں یعنی بی بی کو انہوں نے جھوٹی تصویریں دکھا کر ڈرا دھمکا کر گھر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا بھائی اور شوہر یہ تصویریں دیکھ کر تمہیں قتل کر دیں گے۔ یعنی بی بی سب کی عزت اور زندگی کی خاطر گھر سے چلی گئیں۔ کنول بی بی نے انہیں میکے جانے سے بھی منع کر دیا تھا اور یہ بولا تھا کہ ساری زندگی نفیس صاحب کے سامنے آنے کی کوشش مت کرنا۔“ زبیدہ نے روتے ہوئے ساری بات بتا دی۔ نفیس اپنی کہنیاں میز پر رکھے دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بہت کرب سے گزر رہے تھے۔ دکھ سے ان کا روم روم جل رہا تھا۔

”اور کیا کچھ ہوتا رہا یعنی کے ساتھ؟“ نفیس نے ڈوبتی آواز میں پوچھا۔

”صاحب! ہم تو جس دن سے آپ کے گھر ملازم ہوئے ہیں کنول بیگم صاحبہ کو یعنی بی بی سے زیادتی کرتے ہی دیکھا ہے وہ آپ کے پیچھے انہیں بہت برا کہتیں تنگ کرتیں طعنے دیتیں اور جب آپ آتے تو انہیں کمرے میں جانے کا حکم جاری کر دیتیں اور آپ کے سامنے ان سے پیار سے بات کرتیں۔ بھلا آپ کو کیسے شک ہو سکتا تھا ان پر۔

وہ یعنی بی بی سے نفرت کرتی ہیں اور انہیں دکھ دیتی ہیں۔ وہ تصویریں جھوٹی ہیں صاحب! میں نے خود سنا تھا سلٹی بیگم اور کنول بیگم صاحبہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔“ زبیدہ نے مزید تفصیل بتائی۔

”مجھے معلوم ہے وہ تصاویر جھوٹی اور جعلی ہیں مگر تم نے مجھے شروع دن سے ہی کیوں نہیں بتایا کہ کنول یعنی کے ساتھ ظلم کر رہی ہیں؟“ نفیس نے کھڑے ہو کر کہا تو زبیدہ نے شرمندگی سے کہا۔

”صاحب جی! ہمیں ڈر تھا کہ کہیں آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں اور ہمیں نوکری سے نہ نکال دیں ہم تو اب بھی ڈر رہے تھے بتاتے ہوئے۔“

”اب بتایا ہے جب پانی سر سے گزر چکا ہے خدا جانے یعنی کہاں ہوگی؟ کیسی ہوگی؟ شوکت! تم نے اسے روکا نہیں دیکھا نہیں کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟“

”سر! مجھے بیگم صاحبہ نے آپ کے جاتے ہی بازار سودا سلف لانے کیلئے بھیج دیا تھا ورنہ میں یعنی بی بی کو آپ کے پاس ہی لے جاتا۔ زبیدہ کو بیگم صاحبہ نے نوکری سے نکال دینے کی دھمکی دے کر کام پر لگا دیا تھا۔ کل بیگم صاحبہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ایک ہفتے کے لیے کہیں چلے جائیں۔ ہمارا ضمیر ہمیں ملامت کرتا ہے اگر ہم اصل بات چھپائے رکھتے اس لئے آپ کو بتانے کیلئے سیدھے یہاں چلے آئے آپ جیسا کہیں گے ہم ویسا ہی کریں گے سر!“ شوکت نے سنجیدہ اور دھم سے لہجے میں کہا۔

”تم گھر جاؤ بیگم صاحبہ سے تو میں رات ہی بات کر لیتا لیکن میری حالت بہت خراب ہو گئی تھی میں تو اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ یعنی کے گھر سے جانے میں کنول اور ان کی ممی کا ہاتھ ہے۔ خدا جانے مجھے کس جرم کی سزا ملی ہے میں نے تو کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا کسی کا حق نہیں مارا کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی پھر بھی میرا اعتبار اور یقین توڑ دیا گیا۔“ نفیس نے ٹوٹے ہوئے اور بھیکتے لہجے میں کہا اور کرسی پر گرے گئے۔ ان کا دل درد سے بلک رہا تھا۔

تڑپ رہا تھا آنسو ان کے حلق میں پھندا ڈال رہے تھے۔

”سر! آپ تو بہت اچھے اور رحمدل انسان ہیں یہ آپ کو سزا نہیں ملی بلکہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے اور اللہ اپنے نیک اور پیارے بندوں کو ہی آزمائش میں ڈالتا ہے انشاء اللہ آپ اس آزمائش میں سرخرو ہوں گے اور یعنی بی بی آپ کو خیریت سے مل جائیں گی۔“ شوکت نے نرم اور تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

”شوکت! تم لوگ گھر جاؤ، کنول بھائی گھر پر نہ ہوں تو وہیں ان کے آنے کا انتظار کرنا اور نفیس صاحب کے بارے میں بتا دینا۔“ نفیس بھائی نے شوکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”بہتر سر! اللہ نفیس صاحب کو زندگی دے۔“ شوکت نے مدھم آواز میں کہا، وہ دونوں بھی اس کے ساتھ چلی گئیں۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد نفیس کو ہوش آ گیا۔ نفیس بھائی نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا اور نرم لہجے میں پوچھا۔
 ”نفیس! کیسا محسوس کر رہے ہو؟“

”ایسا..... جیسے میرے جسم سے..... جان نکل گئی ہے، میں کیوں بچ گیا نفیس! میری یعنی تو..... نجانے کہاں ہوگی؟“
 نفیس نے انک انک کر بھینکی کا پتی آواز میں کہا۔

”تمہارے بتانے کی ضرورت نہیں ہے نفیس! میں بھائی ہوں اس کا میرے ہاتھوں میں پٹی بڑھی ہے وہ میں اپنی بہن کے کردار کو اس کی مصومیت کو کنول اور سلسلی بیگم کے کہنے پر برا نہیں سمجھ سکتا، اللہ میری بہن کی حفاظت کرے۔“ نفیس بھائی نے کہا۔

”نفیس! مجھے گھر لے چلو۔“ نفیس نے کمزوری آواز میں کہا۔
 ”ڈاکٹر ز اس کی اجازت نہیں دیں گے تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔“

”میری زندگی تو پہلے ہی یعنی اپنے ساتھ لے گئی ہے، تم اسے زندہ رہنا کہتے ہو، صرف سانسوں کے آنے جانے کا نام ہی زندگی نہیں اور اگر خطرہ ہے تو..... جب مرنا ہی ہے تو..... میں کنول کو اس کے جرم کے بارے میں بتا کر کیوں نہ مروں..... جس آگ میں اس نے مجھے اور یعنی کو جلا دیا ہے وہ بھی تو اس میں جلے اسے یاد تو رہے کہ میں سب کچھ جان گیا ہوں۔ پلیز نفیس! مجھے گھر لے چلو، میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ نفیس نے بہت مدھم اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں رک رک کر کہا۔

”وہی یہاں آ جائیں گی فی الحال تو وہ گھر پر نہیں ہیں۔“

”میں یہاں اسے اور خود کو تماشا نہیں بنانا چاہتا، پلیز مجھے گھر لے چلو۔“ نفیس نے اٹھتے ہوئے پانپتے ہوئے کہا۔
 ”نفیس! خود کو سنبھالو گے تو یعنی کو ڈھونڈ سکو گے، پلیز لیٹے رہو، تم میری بہن کا سہاگ ہو، میں تمہیں مرنے دے نہیں دیکھ سکتا، یعنی کی خاطر سنبھل جاؤ۔“ نفیس بھائی نے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر التجائی لہجے میں کہا۔

”یعنی! میں تمہارے ساتھ زیادتی کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔“ نفیس نے آنکھیں بند کر کے اسے اپنے سامنے محسوس کرتے ہوئے ہڈنم لہجے میں کہا۔

”آپ انہیں آرام کرنے دیں، باتیں مت کریں۔“ ڈاکٹر لطیف نے آ کر نفیس بھائی سے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب! میں گھر جانا چاہتا ہوں ابھی۔“ نفیس نے مدھم آواز میں کہا۔

”لگتا ہے آپ کو اپنی زندگی سے پیار نہیں ہے۔“ ڈاکٹر لطیف نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ دکھی لہجے میں بولے۔

”زندگی سے تو بہت پیار ہے لیکن اگر زندگی کہیں گم ہو جائے تو کیسے جیے آدی اور کس کیلئے جیے؟“
 ”نفیس صاحب! بہادری سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے، اس طرح زندہ رہنا ممکن ہو جاتا ہے اور کس کیلئے بھی اپنے پیاروں کیلئے جنیں۔“ ڈاکٹر لطیف نے کہا، اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور کنول اور سلسلی بیگم اندر داخل ہوئیں۔

انہیں دیکھتے ہی نفیس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ نفیس بھائی ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر لطیف انہیں چیک کر کے کمرے سے چلے گئے۔

”نفیس! کیا ہوا آپ کو؟ آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ کنول نے ان کے پاس آ کر پریشانی سے پوچھا تو وہ معنی خیز لہجے میں بولے۔

”میں تو ٹھیک ہی تھا، لیکن تم نے مجھے ٹھیک نہیں رہنے دیا۔“

”میں نے کیا کیا ہے؟“ کنول نے شہنا کر پوچھا۔

”اپنے آپ سے یہ سوال کرو جواب مل جائے گا۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

”نفیس بیٹا! کنول تو تمہیں بہت چاہتی ہے۔“ سلسلی بیگم نے ملاحت سے کہا۔

”مجھے بھی یہی خوش فہمی تھی۔“ نفیس نے زخمی لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو کنول کے ماتھے پر پسینہ آ گیا، دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”آپ نہیں کہاں؟ کب سے ہم گھر فون کر رہے تھے؟“ نفیس بھائی نے پوچھا۔

”ہم شاپنگ کرنے گئے تھے، ممی واپس جا رہی ہیں دو ایک روز میں۔“

”کسی اور کو براہ کرم نہ۔“ نفیس نے کہا۔

”آئے ہائے میں نے کسے براہ کرم کیا ہے میاں؟“ سلسلی بیگم نے جل کر پوچھا۔

”اپنی بیٹی کو اپنے داماد کو۔“

”لو اور سنو بھلا کوئی ماں اپنی بیٹی کو براہ کرم کرتی ہے۔“ سلسلی بیگم طنز سے بولیں۔

”آپ جیسی ماں اگر اپنی بیٹی کے گھر میں موجود ہے تو اس کی بیٹی ضرور براہ کرم کر رہی ہے۔“

”نفیس! آپ میری ممی کی انسٹ کر رہے ہیں۔“ کنول نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”انسٹ میں کر رہا ہوں یا تم دونوں ماں بیٹی میری یعنی کی کرتے رہے ہو، تم نے اسے گھر سے نکالا ہے نا، بولو؟“

نفیس اپنی تمام تر قوت جمع کر کے غصے سے بولے اور بستر سے نیچے اتر گئے، سلسلی بیگم اور کنول تو بری طرح شہنا گئیں۔

”یہ جھوٹ ہے۔“ کنول نے تیز لہجے میں کہا۔

”ہاں یہ جھوٹ ہے، تم جھوٹ بول رہی ہو، کنول بیگم! تم نے اسے ان تصویروں ان جعلی تصویروں سے خوفزدہ کر کے گھر سے نکالا تھا۔“ نفیس نے تصاویر کا لفاظ اپنی پینٹ کی جیب میں سے نکالا اور ان کے منہ پر دے مارا۔ نفیس بھائی نے نفیس کو پکڑ کر روکنا چاہا مگر وہ بے حد غصے میں تھے۔

”یہ تصاویر یعنی کی بے حیائی کا ثبوت ہیں اور آپ مجھے.....“

”شٹ اپ۔“ نفیس نے ان کی بات کاٹ کر غصے سے کہا تو کنول کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ نفیس نے آج پہلی بار انہیں اتنے غصے سے مخاطب کیا تھا۔

”اب اگر تم نے ایک لفظ بھی یعنی کے خلاف بولا تو میں..... تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ مکار زرا سے باز عورت! تم نے میری یعنی کو شروع دن سے اپنی نفرتوں کا نشانہ بنائے رکھا، لیکن وہ صابر لڑکی خاموش رہی، تمہاری ماں نے اس کا پاؤں جان بوجھ کر جلا دیا، میں یعنی کے منع کرنے پر خاموش رہا کیونکہ وہ..... گھر میں بد مزگی اور جھگڑا..... نہیں چاہتی تھی..... تم نے اس پر ہاتھ اٹھایا، میں تب بھی تمہارا اعتبار کر کے انجان بنا رہا۔ تم اکثر اسے طنز کا نشانہ بناتی رہیں، میں یعنی کو مسکراتا دیکھ کر چپ ہو جاتا۔ تم نے اور تمہاری ماں نے مل کر اسے اس گھر سے نکالنے کی ہر ممکن ترکیب آزمائی مگر

یعنی صبر اور برداشت سے کام لیتی رہی بالآخر تم نے تصاویر کا گھناؤنا منصوبہ بنایا۔ یہ تصاویر تم نے وکی، بنٹی اور ان کے نام نہاد دوست کی مدد سے تیار کروائیں۔“

”ہم نے تیار نہیں کرائیں آپ کی عینی کے ہی شادی سے پہلے ان سے تعلقات تھے ان سے بے وفائی کی تو وہ واپس لندن چلے گئے۔ کنول نے دھڑلے سے عینی پر الزام لگایا۔ عینی بھائی کا بھی خون کھول اٹھا۔ وہ غصے سے بولے۔

”کنول بھابی! میری بہن کے بارے میں یہ الزامات واپس لیں ورنہ میں آپ کو ابھی یہیں کھڑے کھڑے ٹھکانے لگا دوں گا۔“

”نعیم! جوش سے نہیں ہوش سے کام لو عینی نے اس ساری صورتحال اور اس سے پیدا ہونے والی بدنامی سے بچنے کیلئے ہی تو گھر سے قدم باہر نکالا ہے وہ بے چاری ان تصویروں کی وضاحت کیسے کرنی اگر غیرت میں آ کر فوری عمل کر گزرتے۔ محل سے دیکھنے اور سوچنے پر ہی میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ تصاویر عینی کی نہیں ہیں۔“ نفیس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”کیوں کیا عینی کا چہرہ نہیں پہچانتے؟“ کنول نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

”پہچانتا ہوں صرف چہرہ ہی نہیں سر سے پاؤں تک اس کے خدو خال اور رنگ روپ کو پہچانتا ہوں اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ عینی نہیں ہے۔“

”تو اور کون ہے؟“ کنول نے تلخی سے پوچھا۔

”اگر میں یہ کہوں کہ..... وہ تم ہو تو.....“

”نفیس! وہ غصے سے چلا اٹھیں۔“

”میں بیوی ہوں آپ کی عزت ہوں آپ کی آپ کو یہ بات کہتے ہوئے شرم آتی چاہیے۔“

”اور تمہیں شرم نہیں آتی چاہیے۔“ نفیس غصے سے بولے ان کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

”عینی بھی بیوی ہے میری عزت ہے میری تم نے میری عزت کو اس طرح تار تار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا تو تب تمہیں یہ خیال نہیں آیا؟ تمہیں اپنے شوہر کی عزت کا کوئی خیال نہیں تھا۔ عینی پر تہمت دھرتے ہوئے یہ بے ہودہ تصاویر بناتے ہوئے..... یہ بات تمہاری عقل میں نہیں آئی کہ عینی تو وکی اور بنٹی سے دور سے ہی نالاں نظر آ رہی تھی۔ اس رات وہ ہمارے گھر رہنے کیلئے آئی تھی لیکن ان بدنیات کی نظروں کو بھانپ گئی تھی اور میں اسے اس کے گھر چھوڑ آیا تھا اور..... اس کے بعد وکی اور بنٹی واپس لندن چلے گئے تھے تمہاری می کے ساتھ۔ عینی نے تو ان کا دور سے دیکھنا بھی پسند نہیں کیا تھا پھر بھلا وہ اتنی آگے کیسے جاسکتی تھی کنول بیگم!“

”نفیس میاں! وہ تیسرا لڑکا تو وہی ہے جس کے ساتھ عینی بھاگی ہے۔“ سلٹی بیگم اب بھی اپنی بات سنبھالنے کی کوشش میں تھیں دھڑلے سے جھوٹ بولا۔

”اچھا!“ نفیس نے بے حد حیرت کا اظہار کیا اور پھر غصے سے بولے۔

”تو پہلے آپ کو وہ لڑکا نظر کیوں نہیں آیا تھا آپ دونوں نے میرے ساتھ ڈرامہ کیا میرے آتے ہی رونادھونا اور اپنی کہانی سنانی شروع کر دی تاکہ میں آپ لوگوں پر شک نہ کر سکوں آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مجھے اسی وقت شک ہو گیا تھا اور رات میں نے آپ دونوں کی فاتحانہ گفتگو بھی سن لی تھی کنول بیگم آپ کو داد تحسین پیش کر رہی تھیں کہ کیا کمال کا آئیڈیا تھا آپ کا جس نے عینی کو گھر سے جانے پر مجبور کر دیا۔“

”نفیس! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ کنول نے لرزتی آواز میں کہا انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ان کی ہر واردات ہر

منصوبہ اور اتنا پکا منصوبہ اتنی جلدی ناکام ہو جائے گا اور انہیں شرمسار کرائے گا۔

”کیسی غلط فہمی بی بی!“ نفیس نے غصیلے لہجے میں ہانپتے ہوئے کہا۔

”میں نے تم پر اعتبار کیا اندھا اعتبار اور تم نے مجھے اس کا یہ صلہ دیا تم نے لندن جا کر بھی عینی کو فون کر کے دھمکیاں دیں یہاں آتے ہی اس پر تہمت لگا دی کہ وہ کسی اور کے بچے کی ماں بنے جا رہی ہے میں نے اصل بات بتائی تو فوراً اپنے یہاں سے جانے کا ڈرامہ گھڑ لیا کہ کیوں گئیں تھیں۔ بہت بڑی ڈرامے باز ہو تم کنول بیگم! میں نے تمہیں سمجھنے میں بہت دیر کر دی بہت غلطی ہوئی مجھ سے تمہیں تو اس شاندار اداکاری پر ایوارڈ ملنا چاہیے۔“

”نفیس! یار بس کرو تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔“ نعیم بھائی نے انہیں پکڑ کر کہا۔

”نعیم! اس عورت نے میری محبت کو خراب کیا میری عزت کو گھر سے باہر نکال دیا میں نے سب سے زیادہ

اعتبار کیا تھا اس پر میں تو اپنے اس اعتبار کے ہاتھوں ہی مارا گیا گیارہ برس کی طویل رفاقت پر بھی اعتبار نہ کرتا میں؟ اتنے لمبے عرصے پر محیط تھا یہ میرے اعتبار کا سفر۔“ نفیس نے کرب آمیز اور کانپتے لہجے میں کہا تو کنول شرم سے زمین میں گر پڑ گئیں۔ سلٹی بیگم الگ اس سے نظریں چرا رہی تھیں۔

”ان کے خیال میں تو عینی اب تک مر کھپ گئی ہوگی بچے سمیت۔“ نفیس نے دوبارہ شروع کیا تو ان کی آواز بھرا گئی۔ نعیم بھائی کا دل لرز گیا۔

”بہت سنگدل ہو تم کنول! تم نے جو کچھ میری عینی پر اچھالا ہے میں اس کیلئے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ ارے میں نے کیا نہیں کیا تمہارے لئے کس چیز کی کمی ہونے دی ہے تمہیں؟ کہاں زیادتی اور نا انصافی کی ہے تم سے کہ تم نے گیارہ برس کی رفاقت کو اس طرح بے اعتبار کر دیا۔ ہر آسائش ہر خوشی دی ہے میں نے تمہیں پیارا اعتبار دیا ہے۔ عینی کے آنے کے بعد بھی میں نے تمہاری حق تلفی نہیں کی اسے گاڑی خرید کر دی تھی تو تمہیں بھی تمہاری پسند کی کار خرید دی تھی۔ جتنا وقت میں عینی کو دیتا تھا اس سے ڈگنا وقت میں تمہیں دیتا رہا۔ تم جھوٹ موٹ سرور کا بہانہ بنا کر کمرے میں بند ہو جاتیں تو میں سارا دن ساری رات تمہارے ساتھ گزار دیتا۔ عینی مجھے زبردستی تمہارے پاس رہنے پر مجبور کر دیتی وہ کبھی تم سے جیلس نہیں ہوتی تھی۔ تم نے اس کی خاموشی کو اس کی کمزوری سمجھا اور جو چاہا ظلم اس کے ساتھ روا رکھا تم نے تو اس کے بچے تک کو مارنے کا منصوبہ بنا لیا تھا اسے گھر سے نکال کر یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچانا چاہا تھا ناں! جائیداد کا وارث..... عینی کی اولاد نہیں دیکھنا چاہتی تھیں تم۔ ارے مجھے بے کہا ہوتا میں اپنی ساری جائیداد اور دولت تمہارے نام لکھ دیتا پر یہ ظلم تو نہ کیا ہوتا اس معصوم پر۔ کاش! تم نے مجھے عینی سے شادی کی اجازت ہی نہ دی ہوتی اس کے ساتھ ہی ظلم روا رکھنا تھا تو کیوں بڑے پن کا ڈرامہ رچایا تھا؟ میں تمہیں عظمت کے بلند مقام پر بٹھا چکا تھا کتنا عظیم سمجھتا تھا تمہیں لیکن تم نے اپنی ان گھٹیا اور گری ہوئی حرکتوں سے خود کو میری نظروں سے گرا دیا ہے میرے دل میں اب تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم جا ہو تو اپنی می کے ساتھ لندن جاسکتی ہو ہمیشہ کیلئے۔“

”نہیں نفیس پلیز! ایسا مت کہیں میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی۔“ کنول نے روتے ہوئے کہا۔

”اب تم جیو یا مرو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے تم نے مجھے مارنے میں بھی کوئی کسر تو نہیں چھوڑی بدلہ لینا تھا تو مجھ سے لیا ہوتا عینی کو کیوں نشانہ بنایا؟ مگر نہیں یہ بدلہ یہ انتقام تم نے مجھ سے ہی تو لیا ہے عینی کو دکھ دے کر تم نے میری ہی تو دل چھلنی کیا ہے۔“ نفیس نے بے دم ہو کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو کنول نے ان کے پاس آ کر کہا۔

”نفیس! میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں میرا یقین کریں۔“

”تم اگر اب آپ کوثر سے بھی دھل کر آ جاؤ تو بھی میں تمہارا یقین نہیں کروں گا میں نے تمہیں پیار دیا اعتبار اور

دعا دیا اور تم نے میرے ہی دل پر وار کیا مجھے ہی تار تار کر دیا میری ہی سانسوں میں خار بچھا دیئے یہ خوشی دی ہے تم نے مجھے۔۔۔۔۔ نفیس نے بلی کو مسلتے ہوئے کہا۔۔۔

”میں نے یہ سب آپ کی محبت میں کیا ہے؟“

”محبت۔۔۔۔۔ نفیس تڑپ کر بولے۔

”محبت میں کیا ہے یا عداوت میں کیا ہے۔“

”غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے نفیس!“

”غلطی مت کہو اسے۔۔۔ وہ غصے سے بلند آواز میں بولے۔

”یہ سوچی سمجھی اسکیم تھی تم ماں بیٹی کی کیا لگاؤ تھا یعنی نے تمہارا؟ تم تو اپنی سوشل ایکٹیویٹیز میں مگن ہو کر مجھے بھی اکتور کرنے لگی تھیں میرے ہر کام سے ہاتھ کھینچ لیا تھا تم نے“ یعنی ہی تھی جو بیماری میں میری تیمارداری کرتی رہی تب کہاں تھی تمہاری محبت اور وفا شعاری۔“

”یعنی کے ہوتے ہوئے آپ کو میری کیا ضرورت تھی؟“ کنول نے تپ کر کہا۔

”دیکھا بھی جیسی ہے جو تم میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے“ یعنی تو کبھی جیلس نہیں ہوئی تھی۔“ نفیس نے بہت کمزور آواز میں کہا۔

”میرا مقابلہ بار بار یعنی سے مت کریں۔“ کنول نے غصے سے کہا۔

”تمہارا مقابلہ یعنی سے کیا بھی نہیں جاسکتا وہ عظیم لڑکی ہے اور تم نے بڑے ہو کر جس چھوٹے پن کا ثبوت دیا ہے وہ ناقابل معافی اور ناقابل تلافی ہے۔ یاد رکھو اگر یعنی کو کچھ ہو گیا یا وہ۔۔۔۔۔ مجھے نہ ملی تو میں تم سب کو قانون سے سزا

دلوں گا میری جو عزت تم نے کی ہے تم نے جس طرح میرے اعتبار کی دجیاں اڑائی ہیں میں کبھی معاف نہیں کروں گا تم میرے دل سے نکل چکی ہو کنول بیگم! میں تم سے نفرت کا۔۔۔۔۔ تعلق بھی نہیں رکھنا چاہتا۔۔۔۔۔“

”نفیس۔۔۔۔۔ نفیس۔۔۔۔۔“ نفیس بھائی نے گہرا کر نفیس کو شانوں سے پکڑا وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئے تھے اور دل پکڑ کر جھکتے چلے گئے۔

”میری بیٹی کی سو کن کیلئے مرنے جارے ہیں نفیس میان اٹل کی خدجوں اور محبتوں کا کوئی مہلہ نہیں ہے ان کی کوئی قدر نہیں ہے خود تو دوسری شادی کر لی کنول تو ایک ہی کھونٹے سے بندھی اپنی محبت لٹاتی رہی اسے یہ انعام دیا کہ اس کے سر پر سو کن لاکر شادی میری طرف سے توکل کی مرنی آج مرے یعنی جان چھوٹ جائے میری بیٹی

کی۔“ سلٹی بیگم نے غصیلے لہجے میں کہا نفیس اپنے دل میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کو برداشت کرتے ہوئے بمشکل انگ انگ کر بولے۔

”یعنی کو کچھ۔۔۔۔۔ مت کہیں کو۔۔۔۔۔ ل۔۔۔۔۔ کی ان خد۔۔۔۔۔ متوں کا خیال نہ ہوتا تو ابھی طلاق کے تین۔۔۔۔۔ حرف بول دیتا یہ میرے بچوں کی۔۔۔۔۔ ماں ہے اس لئے۔۔۔۔۔“

”ڈاکٹر نرس۔۔۔۔۔ نفیس۔۔۔۔۔ نفیس بے ہوش ہو گئے تھے ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ نفیس بھائی چیخ کر ڈاکٹر کو بلا رہے تھے۔

”نفیس نفیس! ہوش میں آئیں پلیز نفیس! مجھے معاف کر دیں۔“ کنول نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوئے کہا سلٹی بیگم بھی گہرا گئیں۔

ڈاکٹر لطیف اور نرس فوراً آ گئے۔ نفیس بھائی نے نفیس کو بیڈ پر لٹا دیا تھا۔

رداؤ انجسٹ 192 مئی 2012ء

”آخر وہی ہوا ناں جس کا مجھے ڈر تھا آپ سے کہا بھی تھا کہ ان بچے پاس ہجوم مت لگا۔ میں انہیں بولنے مت دیں غم مت دیں مگر۔۔۔۔۔ سسٹر آپ فوراً انہیں آئی سی یو میں شفٹ کر آئیں ہری اپ۔“ ڈاکٹر لطیف نفیس کا چیک اپ کرتے ہوئے ان کی ہارٹ بیٹ سنتے ہوئے بولے۔

”کیا ہوا ڈاکٹر صاحب! نفیس بچ تو جائیں گے۔“ کنول نے روتے ہوئے پوچھا۔

”انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے آپ دعا کریں ڈاکٹر لطیف نفیس کی نبض چیک کرتے ہوئے تو وہ چیخ مار کر رونے لگیں۔

”اونو یا اللہ! نفیس کو زندگی عطا فرمادے میری بہن کو اس کے سہاگ کو سلامت رکھنا۔“ نفیس بھائی نے دل سے

پُر غم آنکھوں سے نفیس کو دیکھتے ہوئے دعا مانگی۔ نفیس کو آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا۔

”مئی! اب کیا ہو گا؟ میں نے تو نفیس کے لیے ان کی مکمل توجہ اور محبت کیلئے یہ سب کیا تھا اگر وہی نہ رہے تو کیا

فائدہ اس سارے کھیل کا۔“ کنول نے روتے ہوئے سلٹی بیگم سے کہا تو ان کے بجائے نفیس بھائی نے کہا۔

”آپ کسی کو دکھ دے کر سکھ کبھی حاصل نہیں کر سکتیں جو کھیل آپ نے یعنی کے ساتھ کھیلا ہے قدرت اس کھیل کا

بدلہ بھی تو لے سکتی ہے آپ سے۔“

”پلیز نفیس بھائی! مجھے شرمندہ مت کریں میں اپنا سب کچھ ہار گئی ہوں میں نے اپنا شوہر اپنا پیار و وقار اعتبار سب

کچھ ہار دیا ہے میں تو اب خالی ہاتھ رہ گئی ہوں۔ اللہ! نفیس کو زندگی دے میں ان سے معافی مانگ لوں گی۔“ کنول

نے روتے ہوئے کہا۔

”اور یعنی۔۔۔۔۔ اس کو آپ کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں گی؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ وہ روتے ہوئے بولیں تو نفیس بھائی ان پر غصیلی نگاہ ڈال کر گھرفون کرنے چلے گئے اور ٹوبہ

بھائی کو فون پر ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا۔

”میں نہ کہتی تھی میرا نفیس بے قصور ہے وہ تو دیوانگی کی حد تک پیار کرتا ہے یعنی سے اس کی جدائی میں اسے دل کا

دردہ پڑ گیا۔ میرے اللہ! تو نفیس کو سلامت رکھنا اسے کچھ نہ ہو مالک! میری یعنی مل جائے اس کے ساتھ نفیس لمبی

خوشیوں بھری زندگی بسر کرے۔“ سیرہ بیگم نے ٹوبہ بھائی کی زبانی ساری بات سن کر روتے ہوئے ہاتھ پھیلا کر دعا

مانگی۔ نجانے کتنے ہاتھ نفیس کی سلامتی کی دعاؤں کیلئے پھیلے ہوئے تھے اور کس کی ہتھیلیوں پر ٹھہرے آنسوؤں کو نفیس کی

زندگی کی نوید بنا دیا گیا تھا۔ تین گھنٹے بعد نفیس کو ہوش آ گیا تھا۔ ان کی زندگی اب خطرے سے باہر تھی۔

☆.....☆.....☆.....

”نفیس! میرے بچے نئی زندگی مبارک ہو۔“ سیرہ بیگم نے ان کی پیشانی چوم کر کہا۔

”نئی زندگی۔۔۔۔۔ کیا یعنی مل گئی پھپھو؟“ نفیس نے بہت لمبی آواز میں پوچھا۔

”تمہاری یہ نئی زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ تمہاری یعنی تمہیں مل جائے گی اور وہ جہاں بھی ہوگی خیریت سے

ہوگی۔“ سیرہ بیگم نے محبت سے کہا۔

”وہ کب ملے گی پھپھو؟“ وہ بے قراری سے بولے۔

”مل جائے گی۔“ سیرہ بیگم نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں حوصلہ دیا۔

کنول اور سلٹی بیگم کو دیکھ کر نفیس نے آنکھیں بند کر لیں تھیں اور یعنی ان کی بند آنکھوں میں آنسوئی تھی۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆.....

رداؤ انجسٹ 193 مئی 2012ء

دعاؤ کا شر

وہ نہایت اطمینان سے گاڑی ڈرائیور کر رہا تھا۔
موسم بے حد درمیںک ہو رہا تھا، مٹی کا مہینہ تھا دوپہر کے
تین بج رہے تھے، مگر اچانک ہی سرمئی بادلوں کا شریر
ٹولہ آن واحد میں پورے نیلے آکاش پر بادشاہت لئے

آپہنچا اسی وقت ہلکی ہلکی کن من کرتی بوندیں ٹلک سے
زمین کو بھوسہ دیتی برسنے لگیں۔ موسم کا اثر تھا کہ وہ ایک
ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالے دوسرے ہاتھ کو گاڑی کی
کھڑکی سے باہر نکالے بارش کی ننھی مٹی بوندیں ہتھیلی پر
جمع کرنے لگا، ساتھ ہی اس کے ہونٹ بھی حرکت میں
آئے اور وہ گنگناٹے لگا۔

سرمئی برستے بادلوں نے پوری طرح آسمان کو اپنی
لپیٹ میں لے کر گہری شام کا تاثر پیدا کر دیا، جس ہتھیلی
پر وہ بوندیں جمع کر رہا تھا وہ ہی ہاتھ اپنی گنگناہٹ پر چٹکی
بجانے لگا۔ آج وہ اپنی ای سے مل کر آیا تھا پورے چار

ماہ بعد، سو اس کی خوشی دیدنی تھی، حالانکہ وہ خاصا سویر
نیچر کا تھا مگر موسم اور گھر والوں سے ملاقات کا اثر تھا کہ
وہ خوش تھا اور سلورفتار سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے
خود میں مگن تھا، اچانک اس کی گاڑی سے کوئی انسانی
وجود نکرایا، بھینجی سی نسوانی چیخ پہ اس کے پاؤں بریک پر
جار کے۔ وہ ایک دم ارد گرد کے ماحول سے آشنا ہوتے
ہوئے جلدی سے گاڑی سے اتر اور بچوں کے بل بیٹھ کر
سڑک پر بے حس و حرکت پڑی کالی چادر میں لپٹے وجود کو
چیک کیا، جس کے چہرے پر کافی خون بہہ رہا تھا، بنا
وقت ضائع کئے وہ اس وجود کو بانہوں میں اٹھا کر گاڑی

ڈاٹ کام

www.paksociety.com

www.Paksociety.com

میں اسپتال لے گیا۔

سوا اتفاق کہ قریب ہی اس کی کلاس فیلو عزیز کا اسپتال تھا اس نے عزیز کو بتایا اور خود راجداری میں شہلے لگا۔

”خضر.....“ وہ اس لڑکی کے بارے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جس کے پاس نہ کوئی ہینڈ بیک تھا نہ کوئی شاٹنگ بیک۔ انہی خیالوں سے ڈاکٹر عزیز کی آواز اسے کھینچ لائی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”لڑکی کی حالت تو بہتر ہے خوف کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی، ماتھے پر چار تانگے آئے ہیں پاؤں بھی زخمی ہے مگر بروقت ٹریٹمنٹ دینے سے کافی ٹھیک ہے دو گھنٹوں تک ہوش میں آجائے گی۔“ عزیز نے پوری کنڈیشن اس کے گوش گزار کی پھر معاً کچھ یاد آنے پر فائل اٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔

”ارے ہاں خضر! اس کے پاس کوئی ہینڈ بیک وغیرہ تھا تا کہ ہم ایڈریس لے کر اس کے گھر اطلاع دیں۔“ فائل ہاتھوں میں تھامے وہ اسے دیکھنے لگی۔

”یہی میں سوچ رہا تھا مگر اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا ابھی تو مجھے ضروری کام سے جانا ہے رات میں نہیں تو صبح چکر لگاؤں گا اور جب بھی اسے ہوش آئے تو مجھے فون کر دینا اوکے۔“ ریٹ وائچ کو دیکھتے ہوئے وہ اسے جواب اور تاکید کرتے ہوئے اسپتال سے چلا گیا عزیز فائل دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....

”بابا جان! آپ کہاں ہیں؟ دیکھیں تو آپ کی گڑیا کس طرح دوسروں کے رحم و کرم پر بے یار و مددگار پڑی ہے بابا جان! آپ آجائیں ناں..... میں..... میں.....“ وہ ہولے سے بڑبڑاتے ہوئے سسکیاں لینے لگی پھر وہ بچکیوں کے ساتھ زور زور سے رونے لگی تو اس کے پاس ڈیوٹی سرانجام دیتی نرس فوراً پانی لے کر اس کے قریب آئی۔

”سین میڈم! یہ لیس پانی پیئیں اور خدا سے بہتر کی امید رکھیں، رونے کے بجائے سکون سے سوچیں اور

آپ مجھے کوئی فون نمبر یا ایڈریس بتائیں میں انعام کر دیتی ہوں انہیں۔“ نرس ماریہ نے اسے پانی پلا کر کہا تو وہ ٹکڑا کر اس کا منہ دیکھنے لگی کہ کیا کروں اب.....؟ اسی وقت ڈاکٹر عزیز کے ہمراہ خضر روم میں داخل ہوا تو ٹھٹھک کر رک گیا اس لڑکی کا ملکوتی حسن دیکھ کر۔ ڈارک براؤن بکھرے بالوں کی ٹیٹیں چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھیں، لائٹ گرین شیڈ کی بڑی بڑی آنکھیں، سرخ کپکپاتے ہونٹ چھوٹی سی ستواں ناک کتابی چہرہ معصومیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ وہ تو لڑکا تھا مہبت رہ گیا اسے دیکھ کر تو ڈاکٹر عزیز سسٹر ماریہ بھی سراپے بغیر نہ رہ سکی تھیں۔

”کیسی طبیعت ہے ڈیئر.....؟“ ڈاکٹر عزیز نے پیار سے اس کے ہاتھ کو تھام کر پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے پوچھا اور آہستگی سے بولی۔

”کافی بہتر ہوں ڈاکٹر۔“ ”ہم..... ویری گڈ چلو اب جلدی سے اپنا نام اور ایڈریس بتاؤ کل سے تمہاری فیملی پریشان ہو رہی ہوگی گڈ گرل.....“ ڈاکٹر عزیز کے کیرنگ سے انداز پر وہ کچھ ڈھارس بندھاتی خود میں حوصلہ پیدا کرنے لگی۔

”مم..... میرا نام.....“ وہ اچانک ہی خاموش ہو گئی۔

”ہاں ہاں..... شاباش بتاؤ کیا نام ہے.....؟“ گھبراؤ مت۔“ ڈاکٹر نے کرسی سے اٹھ کر اس کے برابر بیڈ پر بیٹھتے کہا۔

”مجھے یہاں کون لایا تھا ڈاکٹر.....؟“ اس نے ڈاکٹر عزیز کا سوال گول کر کے اپنا پوچھا۔

”تمہیں خضر لایا ہے اس کی گاڑی سے ٹکرائی تھیں تم۔“ ڈاکٹر نے کچھ فاصلے پر بیٹھے خضر کی طرف اشارہ کیا۔

”میرا نام ملائکہ شاہ ہے کیا آپ لوگ میری مدد کریں گے.....؟“ اس نے ڈاکٹر اور خضر کو دیکھ کر کچھ سوچا پھر مدد مانگی۔

”وائے ناٹ سویٹ گرل! ہمیں خوشی ہوگی آپ کی مدد کر کے۔“ ڈاکٹر نے خلوص سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”وہ..... آپ..... آپ..... مجھ سے پیپر میرج کر لیں پلیز..... میں آپ کی تاعمر احسان مند رہوں گی آپ لوگ مجھے غلط لڑکی مت سمجھنا میں بہت عزت دار گھرانے کی ہوں میں پوری سچائی سے آپ کو بتاؤں گی مگر اس سے پہلے تحفظ کے لئے پلیز پیپر میرج کر لیں۔“ جھجکتے اور التجائیہ انداز میں کہتے ہوئے وہ ڈاکٹر عزیز کے ہاتھ کو تھامے اب سوالیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگی۔ خضر اس نئی اور انوکھی سی فرمائش پر شش و پنج میں پڑ گیا پھر ایک فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔

”پندرہ منٹ ویٹ کریں میں ابھی آیا۔“ کرسی سے اٹھتے ہوئے وہ باہر کی جانب آیا پھر جب واپسی ہوئی تو قاضی اور دودوستوں کی سنگت میں کمرے میں آیا چند لمحوں کے بعد وہ ملائکہ شاہ سے ملائکہ خضر بن گئی۔ ڈاکٹر عزیز اس کے گال تھپتھپاتے سب کو لئے کمرے سے باہر آ گئی تو وہ آنکھیں موندیں ماضی میں چلی گئی صرف پانچ دن پہلے وہ بالکل خوش اپنے گھر تھی مگر اب یہاں اسپتال میں بنا کسی گے رشتے کے تنہا رہ گئی دیتا کی بھیڑ میں۔

☆.....☆.....

”سائیں! آپ ہماری بات مانو اور شاہ زیب ملک کے لئے ملائکہ پتر کا رشتہ دے دو رانی بنا کے رکھے گا۔“ ملائکہ نے سید غنفر علی شاہ کو قائل کرنا چاہا جبکہ وہ تسبیح کے دانوں پر ذکر الہی کرتے ہوئے انہیں سن رہے تھے۔ کمرے کی کھڑکی سے لگی ملائکہ بھی ان کی گفتگو سن رہی تھی اور دل ہی دل میں دعا گو بھی تھی کہ بابا جان انکار کر دیں کیونکہ شاہ زیب اسے ایک آنکھ نہ بھاتا۔

”دیکھیں شاہ صاحب! کچھ دن پہلے آپ کو دوسرا ایک ہوا ہے جوان اور خوبصورت بیٹی کی

حفاظت کب تک کریں گے آپ.....؟ نہ کوئی قرعہ رشتے دار ہے آپ کا اس سے پہلے کہ لوگ مال غنیمت سمجھ کر لوٹ گئیں آپ اس کو کسی محفوظ ہاتھوں میں تھما دیں اور پھر ہم تو شروع سے آپ کو جانتے ہیں اتنی چاہت سے رشتہ مانگ رہے ہیں۔“ ملائکہ نے ملک عابد کی سکھائی باتیں دہرائیں۔

”سوکیصیں بہن جی! آپ رشتہ لائیں ہم آپ کی عزت کرتے ہیں رشتہ داری ہم لوگ برادری سے باہر نہیں کرتے یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں پھر بھی میں آج یہ بات دہراتا ہوں سو مہربانی کر کے آپ اس نیت سے دوبارہ مت آئیے گا اس کے علاوہ دروازہ کھلا ہے۔“ سید غنفر علی شاہ نے ان کی سننے کے بعد نظریں جھکائے پرسکون اور متانت بھرے لہجے میں کہا۔

”معاف کیجئے گا شاہ صاحب! اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خود چاہتے ہیں آپ کے ساتھ کچھ برا ہو کہاں لکھا ہے ہمارے مذہب میں کہ سید صرف سیدوں میں رشتہ کریں اسی وجہ سے کچھ اصول پسند آپ جیسے انسان اپنی بچیوں کی جوانی خواب انگلیں داؤ پر لگا دیتے ہیں پھر وہ تنگ آ کر چور دروازے دیکھتی ہیں۔ جیسی آپ کی طبیعت ہے بمشکل سال گزاریں گے آپ پھر کیا ہوگا.....؟ چلتی ہوں اگر میری باتوں پر غور کریں تو شاید کچھ سمجھ آ جائے اللہ حافظ۔“ ملائکہ اپنی بھڑاس جو کہ ناکامی کی صورت میں دل میں بھری تھی ساری نکال کر شانوں کے گرد اپنی آف وائٹ چادر درست کرتی چلی گئیں۔

ملائکہ کمرے میں اپنے بابا کے پاس آئی تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت دعائیں دیں اور اسے جس لینے بھیج دیا خود بیڈ پر لیٹ کر سوچنے لگے۔

☆.....☆.....

ملائکہ شاہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی اس کی ای کے پہلے تین بچے پیدا ہوئے مگر چند مہینوں بعد

مرجاتے وہ بہت دعائیں کرتیں کہ لمبی عمر کے ساتھ خدا ایک ہی اولاد دے دے اور وہ لمحہ شاید قبولیت کا تھا کہ سولہ سال بعد ان کے آنگن میں ملائکہ آئی۔ اس کی پیدائش کے بعد ان کی ٹانگوں سے جان نکل گئی اور وہ بیڈ کی ہو کر رہ گئیں۔ یہ سوچیں انہیں سونے نہ دیتیں کہ وہ ملائکہ کو گود میں لے کر پیار نہیں کر سکتیں کیونکہ کسی ایڈز کے مریض کا استعمال شدہ انجکشن نرس نے غلطی سے انہیں لگا دیا اور اندر ہی اندر روگ لگا کر ایک دن کو سہ میں چلی گئیں۔ شاہ جی بہت غمزہ رہے مگر ملائکہ کو دیکھ کر وہ خوش رہنے کی کوششیں کرتے۔ اپنی شریک سفر کے علاج پر پانی کی طرح پیسہ بہایا، مگر ہر طرف سے ان کا علاج لا علاج قرار پایا۔

شاہ جی اور ان کی ایک بہن ماہ رخ جو کہ سعودیہ میں تھیں۔ زہرہ بیگم اپنی ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھیں سو نکھیاں دوھیال میں کوئی قریبی رشتہ نہ ملا اس کو۔ جب ملائکہ پندرہ سال کی ہوئی تو زہرہ بیگم اسی طرح چپ چاپ چلی گئیں۔ شاہ صاحب دن رات پریشان رہتے آخر دل کے مریض بن گئے۔ اب اس کی اتنی جائیداد اور خوبصورتی ملائکہ کے لئے عذاب بن گئی۔ ملک عابد کے بیٹے شاہ زیب نے ایک مرتبہ کسی کے گھر بنا نقاب کے اسے دیکھا وہیں لٹو ہو گیا وہ لا پرواہ بگڑا ریکس زادہ تھا اس کی لالچی فطرت اور ہوس پرست فطرت نے سوچا کہ جائیداد بھی ملے گی خوبصورت بیوی بھی عیش ہی عیش۔

دوسری طرف سید غفر شاہ اس کی عادتوں سے خاصے نالاں تھے جو کہ دین سے نا بلند تھا اور ہر طرح کے برے کاموں میں آگے آگے تھا انہیں کسی طور پر شاہ زیب ملک کے اطوار نہ بھاتے تھے وہ بہت ٹینس تھے کہ کس ہاتھوں میں بیٹی کا مستقبل تھا منے کو دیں مگر وہ دن رات خدا سے دعا مانگتے ملائکہ سے کہتے۔

”تم بھی دعا کرو بیٹا! میں تو ہر وقت کرتا ہوں کہ تمہیں اچھا اور شریف برے ملے۔“ وہ آنسو چھپاتی وہاں

سے ہٹ جاتی اور بابا کی دعائیں قبول ہونے کی دعا مانگتی۔ انہیں پریشان دیکھ کر وہ بھی آنکھوں میں نمی لئے دعا گورہتی۔

بابا جان نے تین مرتبہ شاہ زیب ملائکہ کے لئے استخارہ کیا مگر تینوں مرتبہ جواب ملائکہ کے حق میں نہ ملا تو ان کی دعائیں طویل ہو گئیں نجانے کیسا دھڑکا تھا جو انہیں بے چین کئے رکھتا۔

﴿.....☆.....﴾
”ملائکہ گڑیا! بیٹا میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں میں تمہیں دنیا کی گندی نظروں اور حرم و لالچ کی فطرت سے کہاں چھپاؤں۔ ملائکہ جیسا تمہارا نام میں نے رکھا تم نے اس کا پاس رکھا اور مجھے تم پر فخر ہے میری گڑیا میں خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا ہوں میرے تین شاگرد ہیں میں نے انہیں اتنا اچھا پایا تو سوچا تم سے کسی ایک کا عقد پڑھوا دوں مگر ان سب کا بھی استخارہ کیا تو وہ مناسب نہیں تمہارے لئے۔ میں نے خدا سے بہت دعائیں مانگی ہیں مجھے یقین ہے وہ سنے گا ضرور چاہے کچھ عرصے بعد مگر وہ تمہیں غلط ہاتھوں میں نہیں جانے دے گا۔“ اتنا بولنے پر وہ ہانپنے لگے ملائکہ جو ان کے سر ہانے بیٹھی دل تھامے ان کی باتیں سن کر عجیب سے واہموں میں گھر رہی تھی اس نے جلدی انہیں پانی پلایا وہ پانی پی کے پھر سے نیم دراز ہو گئے۔

”میرے بعد تم شہر چلی جانا انہ کے پاس وہ تمہاری مدد کرے گی گاؤں تمہارے لئے ٹھیک نہیں ہے گڑیا۔“ وہ بھرائی آواز میں کہتے ہوئے اس کا سر اپنے سینے پر رکھے بچوں کی طرح رونے لگے حالانکہ اس کے بابا بہت مضبوط اعصاب کے مالک تھے مگر آج بیٹی کے تنہا رہ جانے کے خیال سے آنسو بہہ نکلے۔

”پلیز بابا! کیا ہو گیا ہے آپ کو.....؟ خدا میری عمر بھی آپ کو دے آپ رو کر مجھے مزید کمزور مت کریں بابا۔“ ان کی باتیں سن کر اور انہیں روتا دیکھ کر ملائکہ دنگ رہ گئی پھر ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے ان کے

ہاتھوں کو چومنے لگی اور پھر سے ان سے لپٹ گئی۔
”پتہ ہے آج صبح سے بائیں طرف درد ہے صبح ۱۱ بجے بھی کھائی مگر اب برداشت سے باہر اور..... اور تم جلدی ممکن ہو انہ کے..... پا..... س.....“ دل کے مقام پر ہاتھ رکھے وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر بڑی دقت سے بولے۔ درد کی شدت سے وہ پیلے پڑ گئے۔ ملائکہ ان کی ٹیبلٹ جب تک لائی وہ آنکھیں بند کئے چہرے پر اذیت لئے جھکتے چلے گئے۔

”بابا! یہ دوا کی کھائیں۔“ متغیر چہرے اور انہونی خیال دل میں لئے ملائکہ کا پنے لگی۔

”مجھے معاف.....“ یہ ان کے لبوں سے نکلنے والے آخری الفاظ تھے۔ ملائکہ نے ان کے بے جان ہاتھ کو بیڈ سے نکلنے دیکھا تو غم سے ششدر رہ گئی اسے بالکل یقین نہ آیا کہ اس کے بابا چلے گئے وہ عجیب بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی پھر ان کے سینے پر سر رکھے دھاڑیں مار مار کے رونے لگی۔ حویلی کے تمام ملازم بھاگے آئے اندر کا منظر دیکھ کر وہ بھی ساکت رہ گئے اور سب کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے کیونکہ وہ فرشتہ مفت بزرگ تھے۔

”انہیں بابا! میرے ساتھ ایسا مت کریں میں کیا کروں گی.....؟ کون تھا میرا آپ کے سوا دنیا میں۔ اللہ! بی میرے بابا کو جگائیں میرا تو کوئی نہیں دنیا میں۔“ غم سے چورہ دو زانوں بیٹھ کر خدا کے آگے گڑ گڑائی مگر بے سود کیونکہ جانے والے واپس نہیں آتے کبھی۔ روتے روتے وہ بے ہوش ہو گئی۔

﴿.....☆.....﴾
جب اسے ہوش آیا اس کے پیارے بابا جان کو تدفین کے لئے لے جایا جا رہا تھا وہ پھر سسک اٹھی تو پاس بیٹھی ملائکہ نے اسے حوصلہ دیتے گلے لگالیا۔

”ملائکہ پتر! جو بھی ضروری سامان ہے وہ اٹھاؤ یہاں اکیلی کس کے پاس رہو گی اور پھر آج نہیں تو کل تمہیں ویسے بھی ملکوں کی ہو لی میں ہی جانا ہے بہو

بن کر.....“ ابھی قل ختم ہوئے تھے کہ ملکانی کے نئے حکم پر وہ اپنے سوچوں کے تانے بانے بنتی بری طرح چونک پڑی۔

”میں رہ لوں گی آنٹی! آپ فکر مت کریں یہاں حویلی میں اتنے ملازمین ہیں انوری اماں اور ان کی پوری فیملی ہے مجھے کوئی ڈر نہیں یہ میرا اپنا گھر ہے میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔“ اس نے خود کو کمپیوز کرتے ہوئے اٹل لہجہ میں کہا۔

”پاگل مت بنو پتر! تمہارے بابا چند دن پہلے ملک صاحب کے پاس آئے تھے رشتہ تو انہوں نے نہیں دیا تھا مگر تمہاری ذمہ داری ہمیں سونپ گئے ہیں یقین نہیں آتا تو یہ پڑھ لو۔“ اس کے ترے سے جواب دینے پر ملکانی کے دل میں اک ناگواری کی لہر اٹھی جسے کمال مہارت سے وہ اپنے جسم میں چھپا گئی اور خوبصورت سے قالین پر دونوں ٹانگیں موڑ کے بیٹھی ملائکہ کی طرف اک کاغذ بڑھایا جسے پڑھ کر ملائکہ ترد کا شکار نظر آ رہی تھی یقین تو اسے نہ آیا مگر وہ ملکانی کو شک میں نہیں ڈال سکتی تھی کہ یہ جھوٹ ہے۔

”السلام علیکم! پیارے دوست ملک عابد! میری زندگی کا بھروسہ نہیں تو میں سید غفر علی شاہ اپنے پورے ہوش و ہواس میں اپنی بیٹی ملائکہ شاہ کی ذمہ داری تمہیں سونپتا ہوں خدا کے بعد تم ہی اس کے حامی ناصر ہو میری بیٹی کو خوش رکھنا و سلام فقط سید غفر علی شاہ بقلم خود۔“ یہ تحریر بلاشبہ اس کے بابا کی نہیں تھی مگر اس تحریر پر درج الفاظوں کو ان کی رائیگ میں لکھا گیا تھا وہ دل میں تہیہ کئے ملکانی سے مخاطب ہوئی جو کہ اس کے سامنے بیٹھی گاؤں کے سے ٹیک لگائے چائے پیتے ہوئے اسے بھی پڑھ رہی تھی۔

”آنٹی! اگر بابا نے مجھے آپ کے حوالے کیا ہے تو یقیناً کچھ سوچ کے ہی کیا ہو گا تو پھر میرے انکار کی تو گنجائش بھی نہیں بس اک چھوٹی سی خواہش ہے میری اگر آپ مانیں پلیز آج رات مجھے یہیں سونے دیں

صبح ملک ہاؤس چلیں گے پلیئر آئی۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی چادر تے وہ نرمی سے بولی تو ملکانی بخوشی تیار ہو گئی۔

”اچھا پتر! ٹھیک ہے جہاں تین دن وہاں ایک رات اور بس تو میری سیانی دہی ہے روایہ کر اور میں بھی یہیں سوؤں گی اپنی دہی رانی کے پاس۔“ ملکانی نے چائے کی پیالی ٹرے میں رکھی اور اس کے سر پر پیار دکھاتے ہوئے ہاتھ رکھا ملائکہ ہونٹ بھیج گئی۔

☆.....☆.....☆

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی اسناد اور کچھ ضروری سامان کاغذات پرس میں رکھے چار جوڑے کپڑوں کے ضرورت کی چند اشیاء بھی کیدر کے اس بیگ میں رکھے جس میں کچھ سونا بھی تھا حویلی سے سب کچھ اٹھالیا تھا اس نے اب نظر بیگ پر ڈال کر زپ بند کی اور خود آئینے کے آگے جا کھڑی ہوئی۔ متورم سی آنکھیں گلابی سا چہرہ اس پر گھبراہٹ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے گالوں کو تھپتھپانے لگی جیسے گھبراہٹ بھگاری ہو پھر ایک دو لمبے لمبے سانس بھر کے خود کو ریلیکس کرنے میں کامیاب ہوئی۔

”بی بی جی! سویرے پانچ بجے گاڑی لاہور جاوے گی بس آپ تیار رہیں رکنا شاہ صاحب اور آپ کے کتنے احسان ہیں ہم غریبوں پر مگر دیکھو جی رب کی مرضی!۔“ انوری اماں کی بیٹی غزالہ کمرے میں آئی تو وہ بیڈ پر بیٹھ گئی وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولتے ہوئے اس کے قدموں میں بیٹھ گئی پھر گھٹنوں کو چھوتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔

”تم بہت اچھی ہو غزالہ! ورنہ میں کیسے جا پاتی یہاں سے جتنا تم نے آج کیا مجھے اس کی سخت ضرورت تھی اور اچھا انسان وہی ہے جو ضرورت میں کام آئے۔“ اپنے گھٹنوں پر رکھے اس کے ہاتھوں کو نرمی سے اپنے موی ہاتھوں میں لے کر وہ مسکرائی۔

”اچھا جی اب آپ سوئیں کچھ دیر سویرے

جلدی جانا ہے میں کارپٹ پر سو جاؤں گی۔“ اس کے ہاتھوں کو لبوں سے چھوتے ہوئے غزالہ نے عقیدت سے واپس چھوڑ دیئے اسے بے حد لگاؤ تھا ملائکہ سے کیونکہ وہ سب کی دیکھ بھال کرتی تھی مگر قدرت نے آج اسے آزمائش میں ڈالا تو کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا اس طرح وہ پکڑے جاتے۔

”بھینکس غزالہ.....“ وہ بیڈ پر لیٹ گئی اور آگے لائحہ عمل تیار کرنے لگی۔ اسی طرح بے چینی میں جاگتے سوچتے صبح کے چار بج گئے۔ وہ انہی وضو کر کے مصلے پر آگئی پھر خدا سے رورو کر اپنی عزت کی حفاظت کے لئے دعا مانگی اور ملکوں کے گھر بھی نہ جانے کی خصوصی دعا مانگی اس گھر میں اسے سوائے سندس کے سب زہر لگتے تھے پھر وہ وظائف میں مصروف ہو گئی اس دوران غزالہ کی آنکھ کھل گئی۔

”بی بی آپ سوئی نہیں.....؟“ وہ حیرت سے اپنی پوری آنکھیں کھولے ملائکہ کو دیکھنے لگی اس نے سر کے اشارے سے نفی میں جواب دیا تو تاہم دیکھتی غزالہ ملک جھپکتے میں اٹھی اور ناشتہ لے آئی۔ ملائکہ کا دل تو نہ تھا مگر پھر بھی زبردستی کچھ نوالے حلق سے اتار لئے پھر ٹرے سائیڈ پر کر کے وہ اپنی بلیک چادر سے نقاب کئے اچھی طرح خود کو ڈھانپ چکی تھی۔

”اچھا اب میں چلتی ہوں غزالہ دعا کرنا۔“ اپنی ہوٹلی سے اس طرح چوروں کی طرح جاتے ہوئے اس کے دل سے ہوک سی اٹھی مگر بابا کے الفاظ اور عزت کے خیال سے وہ یہ قدم اٹھانے پر مجبور تھی۔ مٹی بھر نوٹ غزالہ کو تھمائے ہونٹ چلاتی وہ گیت کر اس کر گئی۔ مڑ کر دیکھا ایک الوداعی نظر ڈالی پھر چلی گئی۔ دوسری طرف غزالہ نے فوراً وہ دودھ پی لیا جس میں نیند کی گولی تھی تاکہ ملکانی اس پر شک نہ کریں وہ دل میں ڈھیروں دعائیں کرتی غافل ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

لاہور آنے کے بعد اس نے فوری طور پر گرلز ہاسٹل

میں کمرہ لیا پھر وہ اپنی دوست انہ کی مہم کے پاس گئی اور انہیں پوری تفصیل بتائی تو آنٹی نے اسے ساتھ لگا رکھے ڈھیروں تسلیاں دیں پھر اسے فوراً حکم دیا۔

”جاؤ جلدی سے سامان لے کر آؤ۔“ گرلز ہاسٹل سے بائے واک پندرہ منٹ پر ترمین آنٹی کا کلینک تھا انہ کی شادی کر کے وہ اب تنہا ہو گئی تھیں تو فلاحی کاموں میں وقت زیادہ گزارتیں۔ انہ کی دوست کے علاوہ بھی انہیں ملائکہ اپنی حادث کی وجہ سے بہت عزیز تھی اب بھی وہ چائے پی کر اپنا سامان لانے جارہی تھی کہ گاڑی سے ٹکرائی قریب ہونے کی بناء پر وہ پرس بھی نہ اٹھا سکی۔ وہ خدا کی قدرت پر دم بخود رہ گئی اتنی جلدی وہ محفوظ جگہ آگئی پھر وہ خضر کے بارے میں سوچنے لگی۔

”بھینکس ملکوں سے جان چھوٹی..... خضر کیسا ہوگا بائے نیچر۔“ اس کی ذہنی رو ایک مرتبہ پھر بہک کر خضر کے گرد منڈلائی تو اس نے خود کو سرزنش کی کہ۔

”صرف پیر میرج ہے ملائکہ شاہ! زیادہ دور تک مت سوچیں۔“ خود سے کہتے ہوئے وہ آنکھوں پہ بازو رکھے حال میں لوٹ آئی۔

☆.....☆.....☆

”گڈ مارننگ پریٹی گرل..... ہاؤ آر یو ڈیر۔“ ڈاکٹر عزیز کی والدہ ڈاکٹر شگفتہ ہسپتال مارچ کے ہمراہ بمعہ ناشتہ اس کے کمرے میں آتے تھے بنی مشفقانہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

”بالکل ٹھیک ہوں اللہ کے کرم سے اور آپ کی تھینک فل بھی۔“ ملائکہ نے مشکور سے لہجے میں کہا کیونکہ کل نکاح میں یہ موجود نہیں تھیں مگر فون پر انہوں نے اسے بہت سپورٹ کیا وہ اس کے ساتھ تعاون کریں گی سو آج وہ آئیں تھیں۔

”ناٹ بھینکس مائے ڈیر! یہ ہمارا فرض تھا کہ آپ کے کام آئیں اب ناشتہ کرو خضر بھی آنے والا ہے۔“ ماریہ کے ہاتھ سے ٹرے لے کر اس کے سامنے رکھ کر کہا تو وہ خاموشی سے ناشتہ کرنے لگی۔

دروازے پر ناک ہوئی۔

”لیس.....“ ڈاکٹر شگفتہ نے اجازت دی تو چپڑا سی اندر آیا۔

”میڈم! وہ خضر صاحب آپ کے آفس میں بیٹھے ہیں۔“

”اچھا منظور! تم ایسا کرو اسے یہیں بھیج دو۔“ ڈاکٹر شگفتہ نے اسے یہیں بلا لیا۔

”اسلام علیکم گڈ مارننگ۔“ فریش سا سراپا اور لہجہ لئے وہ ان کے سامنے تھا۔

”وعلیکم السلام گڈ مارننگ ٹو ایک مین۔“ ڈاکٹر شگفتہ نے ملاحظت سے جواب دیا۔ ملائکہ چائے کے چھوٹے چھوٹے سب لیتی سوچ میں منہمک تھی کہ اسے اب سب سچ بتانا ہے۔

”جی تو مس شاہ! اب بتائیں کیسی ہیں آپ کہاں کی رہنے والی ہیں.....؟ مطلب سب کچھ بتائیں تاکہ اچھے طریقے سے ہم آپ کی مدد کر سکیں۔“ خضر کی آواز نے ملا خراس کے سوچوں کے گھوڑوں پر لگام ڈالی تو وہ آہستگی سے سر اٹھا کر خضر کو دیکھنے لگی پھر چائے کا خالی کپڑے میں رکھ کر سائیڈ پر کیا۔

”میں ایک سید زادی ہوں میرے والد کا نام سید غفر علی شاہ ہے۔“ پھر اس نے دھیرے دھیرے پوری بات ان کے گوش گزار کی۔ ڈاکٹر شگفتہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے خضر کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے ایک ہاتھ کرسی کے پیچھے نکائے اس کی باتیں محویت سے سن رہے تھے۔

”میری انٹر کی اسناد جائیداد کے کاغذات سب گرلز ہاسٹل میں ہیں میری فرینڈ کا گھر وہاں سے قریب ہے ابھی میں پرس بھی اٹھانے کی نمر جھجھکی کا یاد نہیں ورنہ ابھی میں آپ کی بات کروادیتی انہ کی والدہ بھی ڈاکٹر ہیں ان کا نام ڈاکٹر ترمین ہے پلیئر بلیوٹی میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔“ اپنی روداد سنانے کے بعد وہ خود سے ان کے چہروں سے اخذ کرنے لگی کہ وہ بے یقین ہیں تو

اس نے ڈاکٹر ترین کا بھی حوالہ دیتے ہوئے اپنے الفاظوں پر زور دیا ڈاکٹر شگفتہ چونک گئیں۔
”ترین.....؟“ وہ دھیسے سے بولیں پھر ملائکہ سے کہا۔

”اٹ اوکے بے بی آپ اپنے ہوٹل کا ایڈریس دیں خضر وہاں سے سامان لے آئے گا پھر خضر سعد کا بچپن کا دوست ہے اس طرح یہ میرا دوسرا بیٹا ہے اور آپ میری بہو ہوئیں ناں.....؟ مجھے آپ پر یقین ہے۔ ڈاکٹر شگفتہ نے اسے غلوں دل سے کہا تو ملائکہ تشکر سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

”چلو خضر! تم ملائکہ کو پہلے گھر چھوڑ دو پھر ہاسٹل جانا، غنبر کو میں منع کر رہی ہوں وہ اپنی بھابی کا استقبال کرے گی خوش دلی سے ویکم ہوگا ملائکہ ڈیزیز کا خضر کو مخاطب کر کے وہ موبائل پر بمبر پرپس کرنے لگیں خضر اس کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھا اسے بیٹھنے کا کہہ کر وہ قریبی دکان سے بیٹلنس کارڈ خریدنے لگا۔ ملائکہ ابھی بیٹھنے ہی لگی تھی کہ کسی نے اس کے منہ پر چادر کے اوپر سے ہی کچھ سونگھا کر بے سدھ کر دیا خضر کارڈ لے کر جیسے ہی پلٹا کچھ غیر معمولی احساس تلے وہ گاڑی تک آیا مگر ملائکہ ندارد وہ پریشان سا یہاں وہاں دیکھنے لگا صبح کا ٹائم تھا ریش گاڑیوں کا بہت تھا قریب کھڑے ایک پھل فروش بزرگ نے بتایا چار اسلحہ لئے افراد اس کے ساتھ آئی لڑکی کو پیارو میں ڈال کر لے گئے وہ ڈاکٹر شگفتہ کو بتاتے ہوئے خود بھی گاڑی لے کر پجارو کی تلاش میں چل پڑا جو کہ ناممکن سی بات تھی پھر اس نے سعد کو فون کیا وہ ایس پی تھا پھر وہ ہاسٹل جا کر اس کا بیگ پرس وغیرہ لایا اور غنبر کو باہر سے ہی پکڑا کر چلا گیا غنبر نے بھی دعا کی کہ جلد ملائکہ مل جائے۔

☆.....☆

جیسے ہی اسے ہوش آیا وہ دکتے سر کو دونوں ہاتھوں میں لئے اٹھ بیٹھی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ اسے یاد

آیا کہ وہ تو ہوٹل جا رہی تھی کہ اچانک..... اور لفظ کڈ نیپ پر اس کی حیات فوراً بیدار ہو گئیں اس کا ذہن ملک عابد کی طرف چلا گیا وہ بل میں سمجھ گئی کہ یہ اس کی کارستانی ہے مگر وہ مطمئن تھی کہ اس کی شادی زبردستی بھی شاہ زیب کے ساتھ نہیں کروا سکتے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا تو سندس کھڑی تھی۔

”ملائکہ! پاگل پن کی انتہا کر دی تم نے اگر فرار ہو ہی گئی تھیں تو لاہور کیوں گئیں وہ تو سمجھو پورا ہی ہمارا ہے۔“ سندس نے اس کے ساتھ میٹرک کیا تھا وہ بہت مختلف تھی اپنے ماں باپ اور بھائی سے وہ بھی ملائکہ کو چاہتی تھی مگر ماں باپ کی لاپٹی اور بھائی کی آوارہ فطرت کو وہ خوب سمجھتی تھی جیسی وہ حق میں نہ تھی کہ ملائکہ شاہ زیب کی بیوی بنے اس کے گاؤں چھوڑنے پر بابا تمل گئے شاہ زیب ملک آگ بگولہ جبکہ ملائکہ جی بھنا اٹھیں۔ ہاں ایک سندس خوش تھی کہ وہ بچ نکلی مگر ابھی اسے اطلاع ملی کہ ملائکہ پھر ان کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ بہت دکھی ہوئی اور چھپ کر اس سے ملنے چلی آئی۔

”بس سندس! بابا نے مجھے کہا تھا جلدی گاؤں چھوڑ دینا میری تو سوچیں بھی بند تھیں اس وقت میں انہ کے پاس چلی گئی مگر قسمت پھر یہاں لے آئی تم پلیز مجھے یہاں سے نکالو میں یہ ملک ہی چھوڑ دوں گی باہر اپنی پھپھو کے پاس چلی جاؤں گی پلیز سندس.....“ وہ بند سے اتر کر سندس کے قریب آئی اور سنت کرتے ہوئے بولی تو سندس نے اسے گلے سے لگالیا۔

”نگی یہ پلیز ولیز مجھے مت کہو میری بہت پیاری سی دوست ہو اگر تم نہ بھی کہتیں تو بھی مجھے تمہیں یہاں سے فرار کروانا تھا اوکے شام سات بجے میں پائیں باغ والی کھڑکی کھول دوں گی تم نکل جانا اوکے اب میں چلتی ہوں کہیں نوری نہ آجائے خدا حافظ۔“ مدھم سرگوشی کرتے ہوئے وہ جیسے دبے پاؤں آئی تھی اس طرح

واپس چلی گئی ملائکہ پھر خدا کی مشکور ہوئی۔

☆.....☆

شام کو حسب وعدہ سندس نے کھڑکی کھول دی تو وہ باغ سے چادر اچھی طرح سنبھالے سینڈل ہاتھ میں پکڑے مضبوطی سے قدم جمائے بنا چاپ پیدا کئے گزرنے لگی پھر حیات سے انداز میں گلیوں سے گزرتی وہ باہر سڑک کی طرف آگئی۔ گاؤں کا ماحول شام ڈھلے ہی پرسکون سا ہو جاتا تھا جو اس کے لئے بے حد معاون ثابت رہا پھر وہ دل پر ہاتھ رکھے سانس متوازن کرتے ہوئے پیچھے مڑ کے دیکھنے لگی مگر اتنے میں ایک کالی مرسدیز اس کے بالکل قریب آرکی اگر وہ بروقت اچھل کر پیچھے نہ ہوتی تو یقیناً چوٹ لگوا چکی ہوتی اس نے اپنے گرد چادر کو مزید مضبوطی سے تھاما پھر دل میں دعا مانگنے لگی کہ ملکوں کا کوئی کارندہ نہ ہو اسی خوف سے وہ سانس تک روکے کھڑی تھی کیونکہ ایسی گاڑیاں ملکوں کی ہی تھیں اگر ایک دم بھاگتی تو شک کی بنیاد پر پکڑی جاتی سو دل کڑا کر کے وہیں کھڑی رہی چرکی ہلکی سی آواز کے ساتھ گاڑی کا دروازہ کھلا اندھیرے میں ایک شخص قریب آتا دکھائی دیا وہ سہم سی گئی۔

”کون ہیں آپ.....؟“ یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں.....؟“ آنے والے نے درشت لہجے میں سوال کیا تو ملائکہ سر سینے میں انگلی سانس بحال ہوئی اپنے محسن شوہر کی آواز سن کر۔

”میں آپ سے مخاطب ہوں پلیز ٹیل می۔“ اس نے دوبارہ پوچھا تو وہ لرزتی آواز میں بولی۔

”میں ملائکہ ہوں۔“ خضر تو سن سا کھڑا رہ گیا کہ وہ یہاں کیسے.....؟

”آپ یہاں کیسے.....؟ کس نے کڈ نیپ کیا آپ کو.....؟“ وہ جہاں ملائکہ کو دیکھ کر خوش ہوا وہیں حیران بھی ہوا۔

مجھے ملک عابد نے اغوا کر لیا تھا مگر میں اللہ کا کیسے شکر ادا کروں کہ اس نے پھر بلکہ قدم قدم پر اپنی

رحمت کے سائے میں رکھا ان کی بیٹی میری دوست ہے وہی آج فرشتہ بنی میرے لئے اب میں یہاں آپ کے سامنے ہوں۔“ ملائکہ نے اسے جواب دیا ساتھ ہی وہ حیران کہ وہ یہاں.....؟

”آپ یہاں کیسے.....؟ کہیں آپ شاہ زیب ملک کے دوست تو نہیں کہیں مجھے پکڑ کر انہی کے حوالے تو نہیں کر دیں گے.....؟ پلیز آپ ایسا.....“

”آپ گاڑی میں بیٹھیں میری بیوی ہیں آپ میں شکل سے اتنا ہی بے اعتبار لگتا ہوں تو اعتبار کیوں کیا۔“ اس کے پہلے سوال پر کنفیوژ ہو کے دوسرے پر جلدی سے اس کی بات کاٹ کر ناراضی سے بولا تو وہ قدرے شرمندہ سی ہو گئی۔

”سوری وہ مجھے لگا کہ آپ ان کے قریبی دوست ہیں وہ آپ کو پٹالیں گے وہ بہت تیز لوگ ہیں سچی ورنہ آپ پر اعتبار ہے تو نکاح کیا ہے۔“ ملائکہ نے بے اختیار اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر معصومیت سے کہا تو وہ اسے گاڑی میں بٹھا کے ملکوں کی حویلی تک لے آیا۔ ملائکہ کا رنگ اڑ گیا مگر اس نے ملائکہ کے ہاتھ کو تسلی دینے والے انداز میں چھوا۔

”کچھ دیر بعد آپ کو اندر بلاؤں گا جب تک خاموشی سے یہاں بیٹھیں باقی باتیں کچھ دیر بعد اوکے ڈیز۔“ چہرے پر سوچوں کا جال بنے ہونٹوں پر جبرا مسکراہٹ لائے وہ اس کے گال کو سہلا کر گاڑی سے نکل گیا۔

☆.....☆

”بابا سائیں! آپ نے مجھے بلوایا خیریت.....؟“ ملک عابد کے روبرو کھڑا وہ استفسار کر رہا تھا۔

”ہاں یار! وہ میرے دوست کی بیٹی ہے بے چاری یتیم و مسکین ہے کوئی آگے پیچھے نہیں اس کے میں نے تو شاہ زیب سے کہا تھا مگر کچھ دیر پہلے وہ امریکا جانے کو نکلا ہے تم کر لو اس سے شادی بھلے بعد میں پسند کی بھی کر لینا وہ یہیں ایک کونے میں حویلی میں پڑی رہے گی پھر

ساری عمر احسان مند رہے گی۔“ اپنے تئیں حقہ پیتے ہوئے ملک عابد نے بڑے سجاد سے بات کی کہ خضر کو کچھ ناگوار نہ لگے تو انہوں نے پچکارے ہوئے کہا مگر خضر کی ضبط سے مٹھیاں بچھین گئیں۔

”کہاں ہے وہ لڑکی ذرا بلوائیں تو.....“ خود کو بمشکل سنبھالے پرسکون لہجے میں گویا ہوا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں بابا! ہم ابھی بلواتے ہیں“ نوری اور نوری..... ملائکہ پتر کو یہاں لاؤ۔“ ملائمہ کو آواز لگاتے وہ خضر کو بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگے پاس ہی ملکائی جی داری صدقے ہوتے ہوئے کچھ پڑھ کے خضر پر دم کر رہی تھیں مگر ذہن اس قدر الجھا ہوا تھا کہ وہ انہیں دیکھ کر مسکرا بھی نہ سکا اس کے ذہن میں ابھی کچھ دیر پہلے کے الفاظ گونجے۔

”وہ لوگ بہت تیز ہیں آپ کو بھی پٹالیں گے۔“
”بس خدا مجھے ملکوں کے گھر کا حصہ بننے سے بچائے اس کے علاوہ جہاں مرضی شادی ہو جائے۔“
ایک اور جگہ کہے ملائکہ کے الفاظوں نے اس کے دماغ کی چولیس ہلا ڈالی تھیں۔

”وہ ملک سائیں! کمرے میں کوئی نہیں جی.....“
نوری نے ڈرتے ڈرتے کہا تو ملک عابد غصے سے دھاڑتے ہوئے اپنی نشست سے وہ اور ملکائی یکدم اٹھ کھڑے ہوئے مگر وہ پرسکون بیٹھا رہا۔

”کیا..... کیا بکواس ہے کہاں مر گئے تھے تم سب جاؤ دفع ہوؤں منٹ میں مجھے چھو کر چائے۔“ ان کے غضب کے ڈر سے حویلی میں ہڑبڑوسی مچ گئی اسی وقت شاہ زیب کمرے میں داخل ہوا۔

”بابا سائیں! میں نے سوچا کہ آپ کی بات مان لوں اور ملائکہ سے نکاح کر کے اسے بھی ساتھ لے جاؤں اسی بہانے ہی مون بھی ہو جائے گا ایک تیر سے دو شکار کیوں بابا سائیں۔“ بابا سائیں کے صوفے پر کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنا پلان انہیں بتایا، خضر پر نظر پڑی تھی۔

”واہ کیا فرمانبرداری ہے ویری گڈ۔“ خضر نے کٹیلی نظروں اور کاٹ دار لہجے میں کہا۔

”او خضر آیا ہے کیسے ہو یا رکب آئے.....؟“
شاہ زیب نے مصافحے کو ہاتھ بڑھایا جسے بری طرح وہ نظر انداز کر گیا۔ شاہ زیب نے ابرو اچکا کے اسے دیکھا خضر کو شاہ زیب پر حد درجہ غصہ تھا جس کی وجہ سے ملائکہ در بدر ہوئی۔

”اچھا تو بابا کو تم نے یہ بتایا کہ لندن میں تمہاری فیملی ہے ایک بیوی دو بچے لاہور میں بھی آپ کی شریک حیات ایک بیٹی کے ہمراہ ہے پھر یہ تیسری شادی.....؟“ خضر نے لفظ چبا چبا کے ادا کئے تو وہ گھبرا گیا، ایک لمحے کو ملک صاحب اور ملکائی بھی جوش میں آئے کہ ہمیں بتانا بھی گوارہ نہ کیا، مگر خضر کے سامنے وہ شاہ زیب کو برا نہیں کہہ سکتے تھے آخر کو ان کی بڑی اولاد تھا شروع سے ان کے پاس رہا جبکہ خضر شہر ہوتا تھا۔

”لو تم ابھی تک وہیں کے وہیں ہو خضر ملک! اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے بصورت دیگر اگر آپ پورا خرچہ اٹھا سکتے ہیں اور ویسے بھی ملائکہ کی اتنی جائیداد ہے اسی کے کام آئے گی۔“ اپنے طور پر شاہ زیب نے خضر کا مذاق اڑایا تو وہ اس کی سوچ پر تاسف سے دیکھ کر رہ گیا۔

”ٹھیک کہتا ہے شاہ زیب خضر پتر تو تو ویسے بھی شہر ہوتا ہے گاؤں کے اصول رسم و رواج کا تجھے کیا پتہ ایک لندن میں ایک لاہور میں یہاں حویلی میں تو کوئی بھی نہیں اور خرچہ تو یہ دس بیویوں کا اٹھا سکتا ہے یہاں ملائکہ کی جائیداد ان کی رکھوالی پھر دیگر مسائل.....“ انہوں نے شاہ زیب کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے پیار سے خضر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا کیونکہ ملک صاحب جانتے تھے خضر الگ ٹائپ کا بندہ ہے۔ شاہ زیب انہی کا پرتو خضر کا نفس بڑھنے لگا۔ اس سے پہلے وہ ان کی بات جھٹلاتا نوری ہر اس آئی۔

”ملک سائیں! ملائکہ بی بی کمرے میں نہیں بلکہ حویلی سے ہی غائب ہیں، دینو اور کرم دین باہر بھی گئے مگر.....“

”چناخ۔“ نوری کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے جب ملک عابد کا فولادی ہاتھ کمزوری نوری کے منہ پر پوری طاقت سے پڑا وہ اوندمی جاگری، ابھی سنبھلی بھی نہ تھی کہ ملکائی جی نے طیش میں آ کے دو جھانپڑا اسے رسید کرتے ہوئے کوسا۔

”بد بخت اس لئے تجھے رکھوالی کے لئے بٹھایا تھا۔“ اور نوری بھاری گنہگار نہ ہوتے ہوئے بھی سزا کے خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ خضر کی برداشت بس یہیں تک تھی وہ پھٹ پڑا۔

”قارگا ڈسک بند کریں یہ تماشا کیا جانوروں سا سلوک کر رہے ہیں، کچھ خوف خدا ہے آپ کے دلوں میں، ڈریں خدا سے کیوں کسی غریب کے دل کی آہ لیتی ہیں، یہی نوری کتنے سالوں سے آپ کے ہر جائز و ناجائز کام میں خاموش تماشا کی بنی کسی ربوٹ کی طرح حکم بجالاتی رہی، بتائیں ماں جی! کبھی شکایت کا موقع دیا اس نے آپ کو.....؟ آپ کے گھر بھی بیٹی ہے کچھ سوچیں اگر اس کی بددعائیں سندس کو لگ جائیں اور..... اور جائیداد کے پیچھے آپ نے ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی کو اپنے آوارہ اور پہلے سے شادی شدہ بیٹے کے پلے باندھنا چاہا۔ افسوس بابا سائیں! جب شاہ صاحب اپنی اتنی جائیداد اپنے ساتھ نہ لے کر گئے تو کیا آپ ساتھ لے کر جائیں گے.....؟ تف ہے کہ میں آپ کی اولاد ہوں یہ دھن دولت سب فانی ہے بابا سائیں اس بات کو سنا تو ہو گا مگر خدا کے لئے کبھی سوچیں اس پر یہ دولت سکون دیتی نہیں لیتی ہے۔ بابا سائیں! اگر یہی دولت اور خوبصورتی آج ملائکہ کو کسی مشکل میں پھنسا سکتی ہے تو سندس کے ماں باپ بھی کم نہیں، حسن اس کے پاس بھی ہے اگر خدا کی مرضی سے ہم چاروں ابھی مرجائیں کسی بھی حادثاتی موت کے

تھرو تو ملائکہ کی جگہ لوگ بھڑپے بنے سندس کو گھیرے میں لئے ایک منٹ میں نوح لیں گے۔ ملائکہ کے ساتھ اس کے نیک ماں باپ کی دعائیں تھیں، ان کا حسن و سلوک، سیرت اخلاق کے لوگ گرویدہ تھے جس کی بدولت آج ملائکہ محفوظ ہے اور آپ خود اپنے گریبان میں چھانکیں ذرا کہ لوگ آپ سے خوش ہیں یا بے زار کریں خود سے سوال۔“ خضر ان کے سامنے بولتا چلا گیا، پھر ایزدھیوں کے بل گھوم کے شاہ زیب کے روبرو آیا۔

”کچھ سوچو شاہی! تمہارے بھی تین بیٹیاں ہیں، میرا مقصد آپ سب کو زک پہنچانا یا طنز بدعادی نہیں ہے، کیونکہ مجھے ان لڑکیوں کے نصیب سے ڈر لگتا ہے جو ہمارے کئے کی سزا بھگتیں گی۔ اماں جان پلیز! آپ سب خدا سے معافی مانگیں وہ رحیم و کریم ہے اگر ابھی بھی نہ سنبھلے تو خداری دراز کرتے ہوئے یک دم کھینچتا ہے۔“ وہ تاسف، غصہ، بے بسی سے انہیں دیکھتے ہوئے کمرے سے جانے لگا، مگر دروازے پر استادہ کھڑے وجود کو دیکھ کر رہ گیا۔
وہ سن کھڑی تھی۔

”آئیں ملائکہ! ان سے ملیں یہ میرے بابا سائیں، یہ ماں جی اور یہ..... یہ آپ کے جیٹھ جی.....“ ملائکہ کا ہاتھ پکڑے وہ ان کے سامنے آیا تو وہ ساکت سے رہ گئے۔ شاہ زیب کا تعارف کچھ سوچ کے خضر کے جیٹھ جی کے طور پر کروایا۔ انتہائی ڈرامائی انداز میں خضر نے ان کے سروں پر بم پھوڑا۔ ملائکہ باہر گاڑی میں بیٹھی نیکروں میں پھیلی لپچل دیکھ رہی تھی، جب دینو چوکیدار بھی ایک طرف چلا گیا، وہ خضر کی موجودگی ہونے پر دل کڑا کر کے اندر آگئی پھر ان کی تمام گفتگو سن و عن سنی، اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے کہ خدا کی قدرت وہ اسی گھر کی بہو بنی۔ کیسے ملاپ لکھا تھا خدا نے اس حویلی کے فرد سے جس کی باتیں سن کر ملائکہ کو خود پر رشک آیا، مگر بظاہر مطمئن ہوئے اس نے خضر کے پہلو

میں کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔

خضر کے پر اثر الفاظوں نے ملک اور ملکائی کے وجود کو جھٹکوں میں ڈال دیا، ان پر رقت طاری ہو گئی اور شاید خدا بھی انہیں راہ راست پر لانے کا تہیہ کر چکا تھا جو ان کے دل میں خوف خدا آ گیا۔

”ہمیں معاف کر دے پتر! ہم غلط تھے اب بھی دیکھو اپنے گھر کی عزت کو اغواء کروایا، ہم بہت گناہ گار ہیں ہم خود کو عقل مند سمجھتے تھے مگر عقل کسی کی میراث نہیں ہمیں فخر ہے کہ تو ہمارا خون ہے۔“ بابا سائیں نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑے خضر تڑپ اٹھا۔

”اور دھی رانی! تو بھی اگر دل مانے تو معاف کر دینا جتنا برا ہم نے تیرے ساتھ یا سب کے ساتھ کیا ہم تو معافی کے قابل بھی نہیں ہم بہت برے ہیں۔“ ملکائی نے ملائکہ سے روتے ہوئے کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

”آئی پلیز..... آپ یہ..... یہ کیا کر رہی ہیں.....؟ میرے بزرگ ہیں آپ میرے لئے احترام والی ہستی ہیں، یوں ہاتھ جوڑے ہمیں گناہ گار نہ کریں، آپ کو آپ کی غلطی کا احساس ہو گیا یہی ہماری اور خدا کی طرف سے سب سے بڑی معافی ہے، ہم ادنیٰ سے انسانوں کی کیا اہمیت جو جزا سزا دیں۔“ ملائکہ نے ملکائی کے آنسو صاف کرتے ہوئے صوفے پر بٹھا کے پانی پلایا۔ قریب ہی خضر نے روتے ہوئے ملک کو بازوؤں کو گھیرے میں لیتے ملائکہ سے پانی لیا۔ شاہ زیب ندامت سے چور رو چکر ہو گیا۔

شور کی آواز سن کے سندس جب ہال کمرے میں آئی تو ملائکہ کی باتیں اور اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئی پھر فوراً مسرت سے آنکھوں میں نمی لئے ملائکہ سے لپٹ گئی۔

”تھینکس ملائکہ! آپ نے میرے والدین کو معاف کیا میں آپ کا تہہ دل سے.....“ خضر نے تشکر

سے لبریز انداز میں ملائکہ سے کہا تو وہ آنسو صاف کرتی ہوئی۔

”اب آپ تھینکس کریں گے.....؟ بھی تھینکس تو مجھے آپ کا کرنا ہے جو بنا کچھ پوچھے میری مدد کو تیار ہوئے اور مجھے تحفظ بھری ایک چھت میسر کی۔“ ملائکہ کی بات سن کر ماں جی نے اسے گلے لگالیا اور سندس نے ان کی شادی کیسے ہوئی کب ہوئی کی تفصیل سنی پھر ڈھیروں دعاؤں کے گلاب ان پر نچھاور کئے۔

☆.....☆.....☆

”خضر پلیز! بس یہ اینڈ رہ گیا ریلی میں ابھی آئی۔“ اپنی پسندیدہ رائٹر کی کہانی پڑھتے ہوئے ملائکہ نے خضر کو کب سے آرہی ہوں پڑ خایا ہوا تھا مگر اب وہ خود ہی سر پر آن پہنچا اور بک چھین کر ایک طرف اچھال دی، ملائکہ بولتی رہ گئی۔

”ایک منٹ بھی نہیں پہلے سندس کے پاس دو گھنٹے پھر بابا اور ماں جی کے پاس، میری کوئی اہمیت ہی نہیں، ٹھیک ہے محبت جب مجھے ہوئی ہے تو خوار بھی مجھے ہی ہونا پڑے گا، تمہارا کیا ہے مجھے بھی ایک نظر کی خیرات دے کر پرسکون ہو جانی ہو۔“ بیڈ پر بیٹھی ملائکہ کی طرف پشت کئے روٹھے لہجے میں گویا ہوا تو ملائکہ نے لب کا کونہ دانتوں تلے دبائے پہلے خود کو لٹاڑا پھر خضر کے شانے پر اپنا بازو دکائے اس پر چہرہ رکھا، اپنا رخسار خضر کے رخسار سے بچھ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”آپ کو مجھ سے محبت ہوئی ہے بادشاہ سلامت! مگر اس ادنیٰ سی کنیز کی بے حد خدا سے مانگی گئیں دعاؤں کا ثمر ہیں آپ، سو جو آپ کی میری نظر دل و ماغ میں جو اہمیت و مقام ہے اس کے سامنے آپ کی مجھ سے محبت کچھ بھی نہیں۔“ خضر تو ویسے ہی بن رہا تھا اس اظہار پر ایک دم سیدھا ہوا اور ملائکہ کو بازوؤں میں لئے اس پر جھک گیا ملائکہ پرسکون ہو کر آنکھیں موند گئی۔

☆.....☆.....☆

وفاتِ عورت



”جی امی آپ بیٹھیں میں باکر جازب کو دیکھ لوں اٹھ نہ گیا ہوا اور یہ فریدہ بھی اب تک نہیں آئی ہے حد ہے اس نے بھی آئے دن کا لگا رکھا ہے دیر سے آتا۔“ زرتاشہ نے جازب اپنے اکلوتے بیٹے کا پوچھتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہاں دیکھ لو بیٹا“ میں نے بھی ابھی تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا سو رہا تھا مزے سے۔“ ایسہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اپنی ذمہ دار سعادت مند بہو کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

شام کے کس پہر تک وہ نجانے سوئی رہی کہ مسلسل بجتے موبائل سے اس کی آنکھ کھل گئی مگر اسکرین پر جگمگاتے ہوئے نام اور نمبر کو دیکھ کے اس کی ساری نیند بھاگ چکی تھی بجلی کی ہی تیزی کی طرح اس نے کال ریسیو کی۔

”اسلام علیکم حسن! جی میں وہ سو رہی تھی آپ نے اس وقت فون کیا کوئی کام تھا کیا.....؟“ زرتاشہ نے مسکراتے ہوئے سلام کر کے پوچھا۔

”وعلیکم السلام جان حسن.....! ہاں کچھ خاص نہیں بس

آج شام میں تیار رہنا آج شاپنگ پر چلنا ہے ہمیں جلدی آجاؤں گا میں ٹھیک ہے“ لویو سوچ اور جازب کو پیار کرنا خیال رکھنا۔“ شاپنگ کے ذکر سے ہی زرتاشہ کا دل خوش ہو گیا تھا اس نے اپنے پیلو میں لیٹے جازب کو پیار کیا اور مسکراتے ہوئے لائٹ آن کر دی تاکہ جلد از جلد کام نشتا کے شام تک تیار ہو سکے۔

صبح کی میٹھی میٹھی دھوپ اسے بے حد سکون بخش رہی تھی یہی وجہ تھی کہ تقریباً ایک گھنٹے جو گنگ کے بعد بھی وہ بالکل فریش نظر آ رہی تھی اس نے اپنی مخصوص بیچ کے پاس رک کے پانی پیا اپنا بیگ اٹھایا اور ایک نظر گھڑی کی طرف ڈالی جو اس وقت صبح کے نو بج رہی تھی کچھ سوچتے ہوئے وہ مسکرائی اور گھر کی جانب نکل پڑی روزانہ کی طرح ہی وہاں سے نکلتے وقت پارک میں موجود باقی عورتوں نے حسد و شک کی نگاہ سے دیکھا تھا پچھلے دو سالوں سے وہ اسے اسی طرح مطمئن و خوش دیکھ رہی تھیں آج تک انہیں اس کے چہرے سے مایوسی و غم کے آثار نظر نہیں آئے تھے جبکہ وہ شادی شدہ ایک بچے کی ماں بھی تھی انہوں نے کبھی اسے تھکا ہوا نہیں دیکھا تھا اس کا چہرہ ہمیشہ گلاب کی طرح جگمگاتا اس کے اندر بکھرے سکون و طمانیت کی نشاندہی کرتا تھا اور کرتا بھی کیوں نہیں وہ زرتاشہ حسن تھی کوئی معمولی عورت تو نہیں۔ خدا نے حسن کے ساتھ ساتھ اسے ذہانت کی دولت سے بھی خوب نوازا تھا اور جب حسن و ذہانت مل جائیں تو قسمت خود قابل حسد و شک بن جاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

”اسلام علیکم امی جان“۔ زرتاشہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنی ساس ایسہ بیگم کو اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام میری بچی سدا خوش رہو سدا سہاگن رہو“۔ ایسہ بیگم نے جواباً مسکراتے ہوئے اپنی بہو کو کہا جو انہیں بہو کم بیٹی زیادہ لگتی تھی۔

”ایکسیکوزی! سائیڈ پر ہوئے گا پلیز میم“۔ دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگز سنبالے عرشہ نے اپنے آگے والی خاتون سے کہا جو اس وقت اپنی شاپنگ میں پوری طرح مگن تھی۔

”شیور“۔ زرتاشہ نے سائیڈ میں ہوتے ہوئے اپنے مقابل موجود لڑکی کو دیکھا تو حیرت و خوشی سے اس کا چہرہ چمک اٹھا اس نے آگے بڑھ کر اپنی اکلوتی بہترین دوست عرشہ کو گلے لگایا جو پورے ڈھائی سال بعد اس کے رو برو تھی۔

”کیسی ہو زری.....؟ اتنے سالوں تک کہاں تھیں یار نہ کوئی رابطہ نمبر بھی بند تھا تمہارا یار بے وفائی کی بھی حد ہوتی ہے۔“ عرشہ نے شکایت کرتے ہوئے کہا تو زرتاشہ مسکرائے بنانا رہ گئی۔

”ارے ٹھیک ہوں یار! بس کیا بتاؤں سب اتنا اچانک ہوا میں چاہ کہ بھی رابطہ نہ کر پائی بہت معروف ہوئی تھی پھر تمہارا نمبر بھی مجھ سے مس ہو گیا تھا خیر اب مل گئے ہے تا تو ملتے رہیں گے تم اپنا نمبر بھی دے دو مجھے فوراً“۔ زرتاشہ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے یہ لو نمبر پھر بات ہوگی آرام سے تمہاری تو خیر نہیں دیے بھی“۔ عرشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ارے چلیں بیگم یا ابھی بھی باتیں باقی ہیں آپ کی.....؟“ حسن نے اپنا والٹ جیب میں رکھتے ہوئے دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو عرشہ نے حیران کن نظروں سے زرتاشہ کی طرف دیکھا کیونکہ موجود حسن ایاز زرتاشہ کو اپنی بیگم پکار رہا تھا آخر کس طرح یہ شخص زرتاشہ کے ساتھ جبکہ زرتاشہ نے اسے برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی یہ سوچ کے ہی عرشہ کا دماغ الجھ رہا تھا زرتاشہ بھی عرشہ کی حیرانی سمجھ رہی تھی اک پل کا احساس ندامت نے اسے آگھیرا تھا ماضی کی تلخی یادیں گھیر رہی تھیں مگر زرتاشہ نے سر جھٹک کے عرشہ کو پھر ملنے کی تاکید کی آخر اسے اب اس کے سوالوں کے جواب بھی دینے تھے وہی سوال جس کی وجہ سے اب تک وہ بھاگ رہی تھی

مگر کب تک بھاگ سکتی تھی شاید ماضی کو کبھی مٹایا نہیں جاسکتا اور یہ سچ تھا کہ اس کا ماضی بہت تلخ تھا۔

زرتاشہ نے مسکراتے ہوئے عرشہ کو خدا حافظ کہا اور حسن کے ہمراہ آگے بڑھ گئی جبکہ اس کی چال میں وقار و فخر محسوس کر کے عرشہ پھر الجھ ہی گئی تھی۔

”آخر تم مجھ سے کیوں نہیں ہو.....؟ مسئلہ کیا ہے تمہارا زری.....؟ تمہیں پتا ہے نا یہ سب ٹھیک نہیں کبھی اس کے ساتھ کبھی اس کے ساتھ ابھی پچھلے مہینے تک تو تمہیں ظہیر اتنا اچھا لگ رہا تھا اور اب حسن ایاز کے ساتھ گھوما جا رہا ہے آخر تم کسی ایک کے ساتھ سیریس کیوں نہیں ہو رہی ہو کیا ملتا ہے تمہیں یہ سب کچھ کر کے بولو جواب دو.....؟“ زرتاشہ جو مزے سے لی دی دیکھنے میں مصروف تھی عرشہ کی اک دم آمد اور سوالوں کی بھرمار سے اٹھ کے بیٹھ گئی۔

”مسئلہ میرے ساتھ نہیں مسئلہ تمہارے ساتھ ہے عرشہ! یہی سب کچھ جب لڑکے کریں تو ان سے تو کچھ نہیں پوچھا جاتا وہ جب چاہیں جس کے ساتھ گھومیں پھر میں ایک کو چھوڑیں تو دوسری کسی کو اپنالیں۔ لڑکیوں کے جذبات و احساسات کو جب وہ نہیں سمجھ سکتے جب وہ کسی ایک کے ساتھ سیریس نہیں ہو سکتے تو ہم لڑکیاں کیوں آخر کیوں مخلص رہیں جب ایک مرد عورت کو برابر کے حقوق حاصل ہیں تو اس معاملے میں کیوں نہیں بولو جواب دو.....؟“ زرتاشہ نے غصے سے جواب دیا۔

”ریلیکس زری! بیٹھ جاؤ آرام سے دیکھو سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے مجھے پتا ہے اکثریت خراب ہے مگر سب نہیں میں یہاں تمہیں کچھ یاد دلانے نہیں آئی تم میری اکلوتی دوست ہو تمہاری خوشی مجھے پہلے عزیز ہے مگر ضروری نہیں کہ جو ہمارے ساتھ ہو وہی ہم سب کے ساتھ کریں ورنہ ہم میں اور ان میں کیا فرق رہ جائے گا اگر ہم بھی ان کی طرح سب کے ساتھ برا کرنے لگ جائیں تو“۔ عرشہ نے زرتاشہ کو بٹھاتے ہوئے پیار سے سمجھایا تو زرتاشہ نے اس وقت چپ ہونا ہی مناسب سمجھا کیونکہ اسے پتا تھا عرشہ ٹھیک کہہ رہی ہے اور اگر

اس وقت وہ اس سے بحث کرے گی تو وہ یقیناً اسے اس کے اردووں میں کمزور کر دے گی لہذا اس وقت عرشہ کی ہاں میں ہاں ملا کے اس نے موضوع تبدیل کر دیا۔

﴿.....☆.....﴾
زرتاشہ غنغفر علی اور ساجدہ کی اکلوتی اولاد تھی خدا نے حسن کی دولت سے اسے خوب نوازہ تھا غنغفر علی اور ساجدہ کے بے حد پیار اور لاڈ نے اسے بہت ضدی اور مغرور بنا دیا تھا اس کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرتا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے معاشی حالات بھی مستحکم تھے سو کبھی کوئی مسئلہ نہ ہوا عرشہ زرتاشہ کی پڑوسی اور ہم جماعت تھی بچپن سے ساتھ رہنے کی وجہ سے دونوں میں بہت دوستی تھی زرتاشہ ہمیشہ سے ہی پڑھائی میں عرشہ سے آگے تھی وہ دونوں کی زندگی سکون و خوشیوں سے بھرپور تھی مگر زرتاشہ کی زندگی میں وقاص احمد طوفان لے کر آیا تھا وقاص نے اپنی دولت و خوبصورتی کا فائدہ اٹھا کر زرتاشہ کو اس طرح محبت کے جال میں پھنسیا کہ وہ اس سے نکل ہی نہ پائی فلٹ ڈھوکے کو وہ چاہا پیار سمجھ بیٹھی۔ وقاص کے چلے جانے کے بعد اسے احساس ہوا تو اس وقت واپس پلٹنا آسان نہ تھا جب سے ہی زرتاشہ کو مردوں سے نفرت ہو گئی تھی اس کی نظر میں ہر لڑکا خراب بن گیا اور بدلے نفرت کے جنون میں وہ کب خراب رستوں پر چلنے لگی اسے خود خبر نہیں ہوئی کب یہ راستے اسے تسکین دینے لگے اسے پتا ہی نہ چلا لڑکوں سے دوستی کرنا گھومنا پھرنا محبت کا یقین دلانا اور آخر میں انہیں چھوڑ دینا زرتاشہ کا شیوہ بن گیا تھا عرشہ کے بارہا سمجھانے پر بھی اسے عقل نہ آئی بلکہ وہ مزید اس منحور میں ڈوبتی چلی گئی حسن ایاز اس کا اب انکار کرتا تھا۔ حسن ایاز نے حال ہی میں زرتاشہ اور عرشہ کی کلاس میں ایم بی اے میں ایڈمیشن لیا تھا وہ زرتاشہ کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا تھا اس نے خود دوستی میں پہل کی تو زرتاشہ نے بھی انکار نہ کیا بلکہ اسے تو اس کھیل میں مزہ ہی آنے لگا تھا اب دوسروں کو بڑبڑاتا ہوا دیکھ کے اسے بہت تسکین ملتی تھی۔

﴿.....☆.....﴾
”تمہیں پتا ہے زرتاشہ! تم بہت خوبصورت ہو تمہیں

دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے گھبرے جنگل میں رات کی تاریکی ہو اور کسی بھولے بھٹکے مسافر کو روشنی مل گئی ہو راستہ مل گیا ہو اور تم بھی میری زندگی میں اسی روشنی کی مانند ہو تمہارے ہی دم سے میری سانسیں ہیں اور میں اب اپنی ساری زندگی تمہاری چھاؤں میں گزارنا چاہتا ہوں کہو مجھ سے شادی کرو گی.....؟“ حسن نے ساحل سمندر پر ڈھلتے سورج کا حسین منظر اور زرتاشہ کی خوبصورتی کو آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے زرتاشہ کو حال دل سنایا تو پل بھر کو زرتاشہ کا دل اسی منظر میں ڈوب گیا۔ اتنا پیارا اتنی سچائی تھی حسن کی نظروں میں کہ اس کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں اور حسن اسے زرتاشہ کی شرم سمجھ بیٹھا۔

”بولو نہ زری! کیا تم میرے ساتھ اپنی زندگی گزارو گی.....؟“ حسن نے زرتاشہ کی ہنوز خاموشی کو دیکھتے ہوئے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا تو زرتاشہ کے دل کو کسی انہونی طاقت نے اپنی ٹانگی میں جکڑ لیا۔ آج پہلی بار کسی نے اس طرح اسے پوچھا تھا اور نہ اس کی کافی لڑکوں سے دوستی تھی مگر شادی کے لئے آج تک کسی نے نہ کہا تھا اسے یاد آیا کہ کس طرح اس نے وقاص سے بارہا شادی کے متعلق بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر بار وہ ٹال جاتا اور آخر میں اسے ہی چھوڑ گیا۔ وقاص کا سوچتے ہی اس کی آنکھوں میں نمی آگئی اور اس نے ایک جھٹکے سے حسن سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

”کیا ہوا زرتاشہ.....؟ اس طرح کیوں..... اور تمہاری آنکھ میں یہ نمی.....؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا.....؟ تم یہی سوچ رہی ہو نہ کہ وقاص احمد نے تو تم سے اس طرح کبھی نہیں کہا تو پھر میں نے کیوں کہا ہے نا.....؟“ حسن نے زرتاشہ کے اس طرح برباد و پردقاص کا نام لیا تو زرتاشہ نے چوکتے ہوئے حیرت سے حسن کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔

”کیا ہوا اس طرح مت چوکو جانتا ہوں میں وقاص کون تھا اور اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا نہ صرف وقاص بلکہ ان سب کو بھی جانتا ہوں جن کے ساتھ تم نے یہ سب کیا۔ مجھے پتا ہے تم یہی سوچ رہی ہو گی کہ میں تمہارے

اس وقت وہ اس سے بحث کرے گی تو وہ یقیناً اسے اس کے اردووں میں کمزور کر دے گی لہذا اس وقت عرشہ کی ہاں میں ہاں ملا کے اس نے موضوع تبدیل کر دیا۔

﴿.....☆.....﴾
زرتاشہ غنغفر علی اور ساجدہ کی اکلوتی اولاد تھی خدا نے حسن کی دولت سے اسے خوب نوازہ تھا غنغفر علی اور ساجدہ کے بے حد پیار اور لاڈ نے اسے بہت ضدی اور مغرور بنا دیا تھا اس کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرتا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے معاشی حالات بھی مستحکم تھے سو کبھی کوئی مسئلہ نہ ہوا عرشہ زرتاشہ کی پڑوسی اور ہم جماعت تھی بچپن سے ساتھ رہنے کی وجہ سے دونوں میں بہت دوستی تھی زرتاشہ ہمیشہ سے ہی پڑھائی میں عرشہ سے آگے تھی وہ دونوں کی زندگی سکون و خوشیوں سے بھرپور تھی مگر زرتاشہ کی زندگی میں وقاص احمد طوفان لے کر آیا تھا وقاص نے اپنی دولت و خوبصورتی کا فائدہ اٹھا کر زرتاشہ کو اس طرح محبت کے جال میں پھنسیا کہ وہ اس سے نکل ہی نہ پائی فلٹ ڈھوکے کو وہ چاہا پیار سمجھ بیٹھی۔ وقاص کے چلے جانے کے بعد اسے احساس ہوا تو اس وقت واپس پلٹنا آسان نہ تھا جب سے ہی زرتاشہ کو مردوں سے نفرت ہو گئی تھی اس کی نظر میں ہر لڑکا خراب بن گیا اور بدلے نفرت کے جنون میں وہ کب خراب رستوں پر چلنے لگی اسے خود خبر نہیں ہوئی کب یہ راستے اسے تسکین دینے لگے اسے پتا ہی نہ چلا لڑکوں سے دوستی کرنا گھومنا پھرنا محبت کا یقین دلانا اور آخر میں انہیں چھوڑ دینا زرتاشہ کا شیوہ بن گیا تھا عرشہ کے بارہا سمجھانے پر بھی اسے عقل نہ آئی بلکہ وہ مزید اس منحور میں ڈوبتی چلی گئی حسن ایاز اس کا اب انکار کرتا تھا۔ حسن ایاز نے حال ہی میں زرتاشہ اور عرشہ کی کلاس میں ایم بی اے میں ایڈمیشن لیا تھا وہ زرتاشہ کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا تھا اس نے خود دوستی میں پہل کی تو زرتاشہ نے بھی انکار نہ کیا بلکہ اسے تو اس کھیل میں مزہ ہی آنے لگا تھا اب دوسروں کو بڑبڑاتا ہوا دیکھ کے اسے بہت تسکین ملتی تھی۔

﴿.....☆.....﴾
”تمہیں پتا ہے زرتاشہ! تم بہت خوبصورت ہو تمہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے گھبرے جنگل میں رات کی تاریکی ہو اور کسی بھولے بھٹکے مسافر کو روشنی مل گئی ہو راستہ مل گیا ہو اور تم بھی میری زندگی میں اسی روشنی کی مانند ہو تمہارے ہی دم سے میری سانسیں ہیں اور میں اب اپنی ساری زندگی تمہاری چھاؤں میں گزارنا چاہتا ہوں کہو مجھ سے شادی کرو گی.....؟“ حسن نے ساحل سمندر پر ڈھلتے سورج کا حسین منظر اور زرتاشہ کی خوبصورتی کو آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے زرتاشہ کو حال دل سنایا تو پل بھر کو زرتاشہ کا دل اسی منظر میں ڈوب گیا۔ اتنا پیارا اتنی سچائی تھی حسن کی نظروں میں کہ اس کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں اور حسن اسے زرتاشہ کی شرم سمجھ بیٹھا۔

”بولو نہ زری! کیا تم میرے ساتھ اپنی زندگی گزارو گی.....؟“ حسن نے زرتاشہ کی ہنوز خاموشی کو دیکھتے ہوئے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا تو زرتاشہ کے دل کو کسی انہونی طاقت نے اپنی ٹانگی میں جکڑ لیا۔ آج پہلی بار کسی نے اس طرح اسے پوچھا تھا اور نہ اس کی کافی لڑکوں سے دوستی تھی مگر شادی کے لئے آج تک کسی نے نہ کہا تھا اسے یاد آیا کہ کس طرح اس نے وقاص سے بارہا شادی کے متعلق بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر بار وہ ٹال جاتا اور آخر میں اسے ہی چھوڑ گیا۔ وقاص کا سوچتے ہی اس کی آنکھوں میں نمی آگئی اور اس نے ایک جھٹکے سے حسن سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

”کیا ہوا اس طرح مت چوکو جانتا ہوں میں وقاص کون تھا اور اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا نہ صرف وقاص بلکہ ان سب کو بھی جانتا ہوں جن کے ساتھ تم نے یہ سب کیا۔ مجھے پتا ہے تم یہی سوچ رہی ہو گی کہ میں تمہارے

ایسی دل سے دل سے

”لڑکی میں پسند کر چکا ہوں“۔ بتاتے ہوئے اس نے نظریں جھکائی تھیں۔ وہ مشارب کے انکشاف پر بالکل نہ چوٹیں البتہ مشارب کا اقرار ان کے لبوں پر ہنسی لے آیا۔

”ہنس کیوں رہی ہیں؟“ وہ جھینپ سا گیا تھا۔

”کیونکہ میں یہ سب جانتی تھی“۔ اسے مطلع کیا۔

”وہاٹ! کیسے.....؟“ سنتے ہی وہ اچنبھے کا شکار ہوا۔ حیرت بھری استغہامیہ نگاہوں سے پوچھنے لگا۔

”ماں ہوں تمہاری تمہارے اٹھنے بیٹھنے پر نظر رکھتی ہوں تمہارے الفاظ میری پکڑ میں ہوتے ہیں اور تمہاری آنکھیں سب کہانی سناتی ہیں۔ بیٹے لاکھ چاہیں ماؤں سے چوری چھپا نہیں سکتے“۔ وہ بولیں۔ مشارب خود کے پکڑے جانے اور ان کے مضبوط لہجے پر مسکرا کر رہ گیا۔

”سو..... ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ تم شادی پسند سے کرو“۔ انہوں نے گویا بیٹے کو ریلیکس کر دیا۔

”ای جان تسی گریڈ ہو!“ وہ اٹھ کر ان کے گلے لگا سرشاری سے بولا۔ وہ بیٹے کے انداز پر نہال سی ہوئیں۔

”ای! جہاں آپ یہ جان گئی ہیں وہاں ضرور آپ کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ وہ لڑکی کون ہے جو آپ کی بہو ہونے کا

شرف حاصل کرے گی“۔ مشارب نے نام بتانے کے بجائے پوچھنا چاہا۔

”ہاں بیٹاجی! میں جانتی ہوں کہ وہ خوش نصیب لڑکی کون ہے“۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔



سب کے سامنے آنکھوں میں اپنائیت کے جھنڈے لیے لہجے کی شائستگی وزنی بحال رکھنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ویسے کی محفل کے دوران بھی نہایت خوشگوار مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ وقتاً فوقتاً مددِ روش سے کوئی نہ کوئی بات کرتا اور مجبوراً مددِ روش ناچاچے ہوئے بھی مسکراتی 'خاندان کے باقی افراد انہیں خوش دیکھ کر مطمئن سے تھے۔

دوسری طرف مددِ روش مسکراتے ہونٹوں کے پیچھے خاموش زبان کو قابو کیے بدلتے حالات کے مشکل دورا ہے پر کھڑی تھی جہاں فوراً سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے وہ محروم تھی۔ کسی بھی سوچ کو فیصلے کی پختہ نچ تک لے جانا اس لہجے اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ مراد کی اصلیت سب کے سامنے لاسکنے کی فوری سکت رکھتی تھی نہ اس کی باتوں پر رو دھو کر اوپلا مچانے میں اسے بہتری کی کوئی راہ نظر آ رہی تھی۔ شادی کی رات خاموشی کو اس نے اپنا پہلا ہتھیار بنانا چاہا تھا کیونکہ ابھی خاموش رہ کر اسے حریف چاکی جانتا تھی۔

شادی سے پہلے کی تمام کیفیات جذبات پیار محبت جو وہ دل میں مراد منصور کے لیے محسوس کر رہی تھی اس پر شادی کی رات کے بعد سے دھندلاہٹ کے تیزی سے پھیلنے عکس کو محسوس کر رہی تھی کہ گویا مراد کی اصلیت اور اپنی آئندہ کی بے قدری پر وہ تلخ سی ہوتی تھی اس لہجے اس نے آئندہ سفاک بننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسٹیج پر جہاں مراد شانت ظاہر کرتا خود کو سرور ظاہر کر رہا تھا وہیں مراد کی سنگت میں بیٹھی مددِ روش اپنی قسمت پر نازاں آنکھوں میں انبساط کے ڈھیروں رنگ سیٹھے پریشے اور باقی کزنز سے باتوں میں خوبات بے بات مسکرا رہی تھی جو کہ مراد منصور کے لیے باعثِ حیرت تھا جس کا کھلا اظہار اس نے مہمانوں کے جانے کے بعد رات گئے گئے کمرے میں آ کر کیا تھا۔

”واہ بھئی واہ.....!“ طنزیہ لہجے میں لپٹا انداز داد دینے والا تھا جس پر مای نے سنبھلنے کی کوشش کی جانتی تھی اب کے آغاز کے بعد اس نے ناچاچے ہوئے بھی مراد کو سننا ہے البتہ اسے نظر انداز کرتی صوفے پر جا بیٹھی۔

”میں تو تمہیں بہت کمزور سمجھ رہا تھا۔“ وہ اپنی حیرانگی زبان پر لاتا اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوا مای نے اس کی بات پر ری ایکٹ کرنا گوارا نہ سمجھا۔ لب بھنے کلائی میں سجے نکلن انگلی سے گھمانے لگی انداز ایسا تھا کہ وہ محفوظ ہوئے بنانہ رہ سکا۔

”میرا تو خیال تھا تم رو دھو کر میرا کام آسان کر دو گی مگر نہیں..... گریٹ یار! میری دلچسپی تم نے بڑھادی ہے۔“ وہ اپنی ہی ترنگ میں تھا۔

”تمہارے رویے سے کہیں بھی تم نے شک کی گنجائش کسی کے لیے نہیں چھوڑی سب تمہیں دیکھ کر مطمئن سے لگے۔“ وہ اب بالکل مای کے ساتھ جڑ کر بیٹھا تھا ہاتھ پیچھے سے لے جاتے ہوئے اس کے کندھے پر رکھ دیا مای نے ناگواری سے بھنویں سکیریں۔ مراد کے لمس سے اسے اکٹاہٹ محسوس ہوئی تھی۔

”کسی نے سچ کہا ہے جوڑے آسمان پر بنتے ہیں روح کہیں بھی ہوائے ملاپ کی روح ڈھونڈ نکالتی ہے میں چال باز اور تم ڈرامے باز کیا جوڑ ہے ہمارا۔“ اس کے کان کے قریب وہ سرگوشی کرتا ہر لطف تاثر دیتا آخر میں مسکرایا۔ مای سے اب برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

”پلیز!“ جھٹکے سے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتی وہ سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

جہادی ہے۔

”گریٹ..... تو پھر آپ کو کیسی لگتی ہے وہ؟“ اس نے اشتیاق سے بات جاری رکھی۔ ماں کے ریلیکس کرتے انداز سے اس کا دل مطمئن ہوا تھا۔ منزل پانے کی راہ سے دھندلاہٹ ختم ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ سب کچھ یکدم ہل سا لگنے لگا تھا۔

”بہت اچھی اور جاننے ہوا اگر تم نے اسے پسند نہ بھی کیا ہوتا تو میں نے اور تمہارے بابا نے فیصلہ کر لیا تھا بلکہ ہماری خواہش تھی کہ ہم اسے ہی تمہارے لیے بیاہ کر لائیں۔ ہمیں بہت عزیز ہے وہ اور یقین ہے کہ تم دونوں ایک ساتھ بہت خوش رہو گے۔ نہایت دھیمے اور پرسکون لب و لہجے میں وہ کہہ رہی تھیں جبکہ مشارب مسلسل مسکراتا اپنی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔

نام لڑکی کا ایک بھی فریق نے نہیں لیا تھا مگر جو سوچ دونوں ماں بیٹے کے ذہن میں تھی شاید وہ ایک نہیں تھی.....؟

”اتنی خوبصورت پیاری بھو کیلئے میں تین سال انتظار کروں گی البتہ تم اپنا کیریئر بناؤ تاکہ کوئی تمہیں انکار نہ کر سکے۔“ وہ غیر سنجیدگی سے بولیں جانتی تھیں ان کا بیٹا ہر لحاظ سے قابل ہے۔ انکار کی گنجائش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

”ای! آپ کے بیٹے کو انکار نہیں ہو سکتا اینڈ تھینک یو سوچ..... آپ نے میرے دل کی بات سنی اور دل سے مانی بھی۔“ ان کے گرد بازو جمائل کرتا پیار کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا جبکہ آنکھیں اپنی زندگی کے مہتاب کے تصور سے روشن ہوئی تھیں۔

ارد گرد پھیلی خوشگوار فضا میں مسکراہٹ کے موتی بکھیرنا ہوا وہ دل میں اپنی محبت سے مخاطب تھا۔

”دیکھا مستبشر! تم میری ہی نہیں سب کی پسند ہو میں نے تمہاری خواہش کا احترام کیا یقیناً تین سال بعد تم میرے جذبات کا احترام کر دو گی مجھے مایوس نہیں کرو گئی میری محبت تمہاری محبت کا انتظار کرے گا وہ اس حد تک پُر وثوق تھا کہ ماں کے سامنے اپنی محبت کا نام تک نہ لیا کہ یقیناً دونوں کی سوچ کا محور اور موضوع مستبشرہ جمال کی ذات تھی مگر شاید یہ اس کی سب سے بڑی خوش بھی تھی بلکہ غلط بھی تھی کیونکہ اس کے جانے کے بعد آصفہ بیگم کے لب مسکرائے تھے اور ذہن و دل مطمئن سا ہوا تھا۔

”فہمیدہ! اب تم بے فکر ہو جاؤ فلک اپنے ہی گھر میں ہو گی۔ اس کا مستقبل انتہاء اللہ بہت محفوظ ہو گا مشارب فلک کو خوش رکھے گا میں فلک کو بھونپیں بیٹی بنا کر رکھوں گی میری فلک ہے ہی اتنی پیاری اور میرے بیٹے کی پسند بھی۔“ مشارب کے سامنے تو انہوں نے نام نہ لیا تھا مگر اس کے جانے کے بعد فہمیدہ بیگم کے خود سے گفتگو کے دوران فلک شاہ کا نام لیتیں وہ بہت خوش تھیں۔ خواہش یہی تھی کہ فلک ان کے بیٹے کی دلہن بنے پھر وہ بھائی اور بھائی کی فکر بھی دور کرنا چاہتی تھیں۔ فلک گھر کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی پھر ان کے خیال میں مشارب کی پسند اور محبت بھی تھی اور فلک کی آنکھوں میں رقم تحریر بھی انہیں نہال کر گئی تھی۔ ایسے میں اعتراض یا اختلاف کیونکر کسی کو ہوتا انہیں اپنی اولاد کی خوشی عزیز تھی اپنے اپنے وثوق میں دونوں ہی طمانیت لیے شانت تھے۔

☆.....☆.....☆

شادی کی طرح ولیمہ بھی بڑی دھوم دھام سے ہوا مراد اپنے کیے کے مطابق سب کے درمیان بڑی اعلیٰ طرئی سے بیٹھا رہا اب ہر ایک کے دل میں معتبر مقام بنانے کے بعد تمام بچے جبراً مددِ روش کے ہاتھ میں تھما کر اس نے اپنی چال چلی تھی۔ مای پر طنزیہ کڑوے کیلے جملے فی الحال وہ کمرے کی حدود میں رکھے ہوئے تھا۔

رواڈ انجسٹ [216] مئی 2012ء

دن اکبری

رومانہ تو قیر کی ڈاری سے

پروین شاہ کی نظم

اے جگ کے رنگ ریز

اے جگ کے رنگ ریز

مری بھی اودھنی رنگ دے

میں پگھٹ پر کیسے جاؤں

بھیکے پلو سے ہاتھوں کو بچانی سکھیاں

مجھ پر ہستی ہیں!

میں نے سو سو جتن کیے

پر مجھ پر روپ نہ آیا

گیسٹر پگھڑی حتا کے پتے ہار سنگھار کے ڈنھل

اور گسم کے پھول

سب آچل میں بندھے رہ گئے

کوئی مرے کام نہ آیا

کہنے پائے گئے اکارت

پتی کا پیار بھی مری کا یا بدل نہ پایا

رہی مری چنری پھمکی کی پھمکی

ہاں..... بس اک رت ایسی آئی تھی

جب مجھ پر ہریانی ٹوٹ کے چھائی تھی

تن کے سندربن میں ساتوں رنگ کے پھول کھل

اٹھے تھے!

لیکن پہلی ہی بارش میں

جل گئے سارے پھول

اک ڈرا سی دھوپ ہوئی

اور پل بھر میں سب دھول

دھوپ کڑی تھی یا پھر رنگ ہی کچے تھے۔

اب تک جان نہ پائی

بس اتنا پھر دیکھ سکی ہوں

اے جگ کے رنگ ریز!

تری مٹھی میں دھنک ہے

بادل، جل، آکاش، چندرما، کمل، چنبیلی، روپ

اودا، اجلا، نیلا، پیلا، سرخ، روپہلا، سبز

اتنے سارے رنگوں میں

مرے نام کا کوئی رنگ تو ہوگا

خسر و مرشد!

اپنے ہاتھوں سے میرے تن پر لے دے

اور جو تجھے یہ بھی نہ سہائے

مجھے اپنے رنگ میں رنگ لے!

روشنی فاطمہ کی ڈاری سے

نوشی گیلانی کی غزل

عمر رواں کو غم کا پیکر نہ ہونے دینا

آنکھیں عزیز رکھنا، پتھر نہ ہونے دینا
تم مجھ کو زہر دینا لیکن محبتوں سے
لہجے کی چاندنی کو خنجر نہ ہونے دینا
سیراب کرتے رہنا دل کے لبو سے لوگو!
لفظوں کی کھیتوں کو خنجر نہ ہونے دینا
تم لاکھ ٹوٹ جانا، پر ہجر کی شبوں میں
میلی رفاقتوں کی چادر نہ ہونے دینا
ان سکھ کے موسموں پر کم کم یقین رکھنا
دل کو کبھی دکھوں سے باہر نہ ہونے دینا

شازیہ عمران کی ڈاری سے

وصی شاہ کی نظم

تمہیں جاناں اجازت ہے

تمہیں جاناں اجازت ہے.....!

کہ ان تاریک راہوں پر

تھکن ہی خود میں پاؤ تو

اندھروں سے کبھی دل ڈول جائے

تھک سی جاؤ تو

مرے جلتے ہوئے لحوں

مرے کنگال ہاتھوں سے چھڑا کے اپنے ہاتھوں کو

فضا کی نفسگی سے تم نے گیتوں کو جن لینا

حسین پلکوں کی نوکوں پر نئے کچھ خواب بن لینا

کوئی گر پوچھ لے میرا تو اس سے ذکر مت کرنا

مرے جیون کی جلتی دوپہر سے بے غرض ہو کر

تم اپنی چاندنی راتوں میں جگنو پالتی رہنا

مری تنہائیوں کی وحشتوں کی فکر مت کرنا

تمہیں اس کی اجازت ہے
مرے سب خط جلا دینا
مرے تحفوں کو دریا میں بہانا یا دبا دینا
مری ہریا دکو دل سے کھرچنا اور مٹا دینا
تمہیں بالکل اجازت ہے
کہ جب چاہو بھلا دینا
مگر اتنی گزارش ہے
اگر ایسا نہ ہو جاناں
تو اچھا ہے.....!

رانو خوشی شاہ کی ڈاری سے

حضرت اقبال کا حسن و عشق

تو جو محفل ہے تو ہنگامہ محفل ہوں میں
حسن کی برق ہے تو، عشق کا حاصل ہوں میں
تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شام غربت ہوں اگر میں تو شفق تو میری
مرے دل میں تیری زلفوں کی پریشانی ہے
تیری تصویر سے پیدا میری حیرانی ہے
حسن کامل ہے تیرا عشق ہے کامل میرا
ہے مرے باغ سخن کیلئے تو باد بہار
میرے بیتاب تخیل کو دیا تو نے قرار
جب سے آباد تیرا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں
حسن سے عشق کی فطرت کو ہے تحریک کمال
تجھ سے سرسبز ہوئے میری امیدوں کے نہال
☆☆☆☆☆

اس ماہ میں

گئیں۔ اس نے عینک اتار کر شیشے صاف کیے اور پھر غور سے شاخ کو دیکھا ”نہیں جی سیب ہے۔“
”میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ خوبانی ہے۔“
نظامی صاحب نے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا ”یہ دیکھو خوبانیاں ساتھ لگی ہیں۔“
”یہ سیب ہیں جو ابھی کچے ہیں۔“ مطیع نے ایک مصنوعی حقارت سے کہا۔ ”آپ تو بوز کھانے والے ہیں آپ کو کیا پتا کہ سیب کی ٹہنی کیسی ہوتی ہے۔ ہم ماسکروہ کے رہنے والوں سے پوچھئے۔“

اس تبادلہ خیال کے بعد ہمارے سفر کا پہلا جھگڑا ہوا۔۔۔۔۔ اور یہ آخری نہیں تھا۔۔۔۔۔ سفر ایک ایسی چھلنی ہوتی ہے جس پر انسان کی تمام ترکیبیں اور پرآ جاتی ہے۔ اس کے تمام خول اتر جاتے ہیں اور وہ قدرے اور بیکسل ہو جاتا ہے۔ اس سفر کے دوران ہم تینوں ایک دوسرے کے ساتھ کسی نہ کسی فضول اور بے مقصد مسئلے پر الجھ جاتے۔
مستصر حسین تارڑ کی کتاب ”نانا گربت“ سے انتخاب غوثیہ محسن۔۔۔۔۔ لاہور

اس ماہ کے اقوال

☆ وہ شخص مر گیا جو کسی کے دل میں نہ رہا۔ آدمی کب مرتا ہے جب دل سے اترتا ہے۔ زندہ کب ہوتا ہے جب دل میں اترتا ہے۔

☆ خدائے نہایت خدا شناسی کا عمل ممکن ہی نہیں۔

صد بارہ گولڈ

دھوپ میں تیزی تھی۔ کالج کے کپاؤٹ میں سفیدے کے چند درخت ابھی حال ہی میں لگائے گئے تھے اور ان کے موہر سواریت تھی جواب لگتی تھی۔ سکرو بازار خاصا طویل تھا۔ بائیں ہاتھ پر ایک بنجر پہاڑی کے اوپر سکرو کے قلعے کی دیوار دکھائی دے رہی تھی۔ بازار میں ہمیں ہالین مراٹھن میں حصہ لینے والی چند میسین دکھائی دیں تو نظامی صاحب نے جیب ڈرائیور کی دیکھ کر کہا ”اندازہ کرو“ اور وہ غریب کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی اخلاقا مسکرا دیا۔

سکرو کے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ایک پر فضا اور رشک چمن قسم کا کمرہ ہمارا منتظر تھا۔ رشک چمن اس لیے کہ اس کے چھوٹے سے باغ میں سیبوں اور خوبانیوں کے درخت تھے اور ان میں سے سیب کے درخت کی ایک ٹہنی کھڑکی کھولنے سے کمرے کے اندر آ جاتی تھی۔ ”واہ جی تارڑ صاحب سبحان اللہ کیا پڑ بہار جگہ ہے۔ کمرے کے اندر سیب کی شاخ ابھی ہوئی لٹ کی طرح پریشان ہوتی ہے“ مطیع کا موڈ شاعرانہ ہو گیا۔

”اندازہ کرو تارڑ صاحب! خوبانی کی شاخ کو سیب کی شاخ کہہ رہا ہے۔“ ایک چوڑی مسکراہٹ

نظامی صاحب کے چہرے پر تھی۔

”خوبانی؟“ مطیع کی آنکھیں حیرت سے پھیل

شگفتہ لقمان۔۔۔۔۔ حیدر آباد
رنج خزاں سے بھی بڑھ کر ہے خوف بدلتے موسم کا
کتنی صلیبیں چھپی ہوئی ہیں شاخوں کی عریانی میں
اس کی تو جھلک کرتی ہے طاق دل میں آج تلک
ایک چراغ کبھی رکھا تھا ہم نے بہتے پانی میں
بشری طارق۔۔۔۔۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ
زخم دل پر ڈال دیتے ہیں مقدر کی نقاب
چاک پیراہن کو اعجاز رفو کہتے ہیں لوگ
دیدہ و دانستہ دیتے ہیں نگاہوں کو فریب
پھول کے چاک جگر کو رنگ دے دیتے ہیں لوگ
سعدیہ عابد۔۔۔۔۔ کراچی

مدت ہوئی ہے یار کی آئی نہیں خبر
لگتا ہے قاصد بھی رقبوں سے جا ملا
غوثیہ محسن۔۔۔۔۔ لاہور
یہ کس خلش نے پھر اس دل میں آشیانہ کیا
پھر آج کس نے سخن ہم سے غائبانہ کیا
غم جہاں ہو زرخ یار ہو کہ دست عدو
سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا
فرزانہ شوکت۔۔۔۔۔ کراچی

بارگاہ ایزدی سے نہ تو یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے
حاجتیں پوری کرے گا کیا تیری عاجز بشر
کریاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے
☆☆☆☆☆

عظمیٰ عابدی۔۔۔۔۔ اسلام آباد
شب ماہتاب نے شیشیں پہ عجیب گل سا کھلا دیا
مجھے یوں لگا کسی ہاتھ نے مرے دل پہ تیر چلا دیا
کوئی ایسی بات ضرور تھی شب وعدہ وہ جو نہ آسکا
کوئی اپنا وہم تھا درمیاں یا گھٹانے اس کو ڈرا دیا
تنزیلہ یامین۔۔۔۔۔ ہری پور ہزارہ
جسم و جاں سے اترے گی گرد و پچھلے موسم کی
دھوری ہیں سب چڑیاں اپنے پنکھ چشموں پر
ساری رات سوتے میں مسکرا رہا تھا وہ
جیسے کوئی سپنا سا کانپتا تھا ہونٹوں پر
سحر انجم۔۔۔۔۔ کراچی
اس کے ایک ایک لمحے کی حفاظت کرنا اے خدا
معصوم سا چہرہ ہے اداس ہو تو اچھا نہیں لگتا
نور بانو۔۔۔۔۔ کوئٹہ
میری نیندوں میں اجالے ہیں ترے خوابوں کے
دل میں گلشن سے مہکتے ہیں تری باتوں کے
سرمئی شام میں رونق سی ہوئی جاتی ہے
قافلہ گھر میں اترتے ہیں تری یادوں کے
صنوبر خرم۔۔۔۔۔ کمالیہ
بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے
بہی کیا کم ہے کہ نسبت مجھے اس خاک سے ہے
خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روارکھ مجھ سے
وہ رویہ جو ہوا کا خس و خاشاک سے ہے



آج سے چالیس سال قبل رانندھیر (بھارت) کے ایک عظیم صاحب نے یہی
تمہی جو شاعر بھی تھے۔ یہ نظم بابو محمد ابراہیم صاحب نے عنایت کی ہے۔

ارشاداتِ ربّانی

”تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں درونِ ناک سزا دے گا
اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ
بھی نہ بگاڑ سکو گے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“
(سورۃ توبہ: 39)

”تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر
دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے
ہوں۔“

(سورۃ ہود: 117)

”اور اللہ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ لوگ استغفار کر
رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دیدے۔“
(سورۃ الانفال: 33)

”اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص
طور پر انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم
میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے
والا ہے۔“

(سورۃ الانفال: 25)

سعدیہ عابدہ..... کراچی

توبہ

کائنات میں کوئی کسی کا اتنی شدت سے انتظار
نہیں کرتا:

مہکتی کلیاں

☆ جتنا اللہ اپنے بندے کی توبہ کا انتظار کرتا ہے۔
☆ جو شخص ہر وقت با وضو رہے گا اللہ اس کی
روزِی کشادہ فرمائے گا۔
☆ جس نے اپنی نمازوں کی فکر چھوڑ دی اللہ نے
اس کی فکر چھوڑ دی۔
☆ دولت کی محبت غریبی کا ڈر پیدا کرتی ہے۔
☆ جو آپ کو سچا سمجھے اس سے جھوٹ بولنا سخت
ترین خیانت ہے۔

☆ خوشبو بھری باتیں.....
☆ اپنے ہاسٹل پر افسوس نہ کرو کیونکہ تمہاری ہمار
کسی کی جیت کا سبب بن سکتی ہے۔
☆ آسمان پر نگاہ ضرور رکھو مگر یہ نہ بھولو کہ پاؤں
زمین پر ہی رکھے جاتے ہیں۔
☆ نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے۔
☆ جو اونچی جگہ پر کھڑے ہوں انہیں ہی زیادہ
طوفان اور آندھیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یاد رہے

اگر تم تنہا ہو اور وقت کے دل شکن لمحات تمہارے
رواڈ انجسٹ 225 مئی 2012ء

وہاں تک چاہیے بچنا دوا سے
تو کھا گا جڑ چنے شلغم زیادہ
اگر ضعف جگر ہے کھا پیپٹا
مرہ آملہ کھا یا انناس
تو پی لے سونف یا ادراک کا پانی
تو فوراً دودھ گرما گرم پی لے
تو کر نمکین پانی کے غرارے
تو انگلی سے مسوڑھوں پر نمک مل
تو مصری کی ڈلی ملتان کی چوس
تو پی لے دودھ میں تھوڑی سی ہلدی
تو سرسوں کا تیل پھائے سے نچوڑے
تو دکھنی مرچ گھی کے ساتھ کھالے
بدل پانی کے گنا چوس بھائی
کھٹائی چھوڑ کھا دریا کی مچھلی
تو استعمال کر انڈے کی زردی
تو دو ایک وقت کا کر لے تو قاقہ

جہاں تک کام چلتا ہو غذا سے
اگر خوں کم بنے بلغم زیادہ
جگر کے بل پہ ہے انسان جیتا
جگر میں ہو اگر گرمی کا احساس
اگر ہوتی ہے معدہ میں گرانی
تھکن سے ہوں اگر عضلات ڈھیلے
جو دکھتا ہو گلا نزلے کے مارے
اگر ہو درد سے دانتوں کے بے کل
جو طاقت میں کمی ہوتی ہو محسوس
شفا چاہیے اگر کھانسی سے جلدی
اگر کانوں میں کچھ تکلیف ہووے
اگر آنکھوں میں پڑ جاتے ہوں جالے
تپ دق سے اگر چاہیے رہائی
دمہ میں یہ غذا بے شک ہے اچھی
اگر تجھ کو لگے جاڑے میں سردی
جو بد ہضمی میں تو چاہے افاقہ

نسرین شمیم کراچی کی پسند

مینے کے محسوسات کو پامال کر رہے ہوں تو کیا ہوا؟

تم اُس وقت دنیا میں اکیلے ہی آئے تھے اور اکیلے ہی جاؤ گے جب قدرت نے تمہیں اکیلا ہی پیدا کیا ہے۔ تو پھر تنہائی سے کیوں گھبراتے ہو۔

فرزانہ شوکت..... کراچی

عاجز شوہر

میاں بیوی شاپنگ پر گئے راستے میں شوہر نے بیوی کو پان خرید کر دیا۔

بیوی شوہر سے بولی: ”آپ نے اپنے لئے نہیں خریدا۔“

شوہر بولا: ”میں تو دیسے ہی خاموش رہتا ہوں۔“
پروین فہیم..... فیصل آباد

ذرا سوچئے

انسان موت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے: جہنم سے نہیں.....

حالانکہ

کوشش کرنے سے انسان جہنم سے بچ سکتا ہے: لیکن ”موت“ سے نہیں۔

مسز ریمانا نور رضوان..... کراچی

زبان اور دل

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ”عقل مند کی زبان دل کے پیچھے ہے جب وہ کہتا چاہتا ہے تو دل کی طرف رجوع کرتا ہے اور اگر وہ بات اس کے فائدے کی ہوتی ہے تو کہتا ہے ورنہ رک جاتا ہے اور جاہل کا دل زبان کی نوک پر رہتا ہے وہ دل کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ جو کچھ زبان پر آتا ہے بول جاتا ہے۔“

فرزانہ عمر دراز..... کراچی

تسلی

بحری جہاز کے سفر میں ایک مسافر بہت گھبرا رہا تھا اور مسلسل پریشان تھا۔ آخر کار کپتان نے اسے تسلی دی۔
”سر! بے شک ہم اس وقت گہرے سمندر کے وسط میں ہیں لیکن زمین ہم سے صرف دو میل کے فاصلے پر ہے۔“

”صرف دو میل کے فاصلے پر؟“ مسافر نے بے یقینی سے پوچھا۔

”جی ہاں صرف دو میل نیچے سمندر کی تہہ موجود ہے۔“

بشری طارق..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

حسد سے بڑا گناہ

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں پڑھتا تھا میرا ایک ساتھی میرے حسن بیان اور نکتہ آفرینی کے باعث مجھ سے بہت حسد کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اپنے استاد محترم سے کہا کہ فلاں شخص میرے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے وہ میرے کمال کے باعث مجھ سے حسد کرتا ہے۔ استاد محترم نے یہ بات سنی تو خفگی کا اظہار فرمایا اور کہا حیرت ہے تو اس کے گناہ سے تو آگاہ ہو گیا کہ وہ تجھ سے حسد کرتا ہے لیکن اپنے بارے میں نہ سوچا کہ تو بھی غیبت جیسے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے اگر اس حاسد نے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنایا ہے تو تو بھی دوسرے راستے سے وہیں پہنچ رہا ہے۔

”بوستان سعدی“ سے انتخاب

انتخاب: اربیش..... لاہور

ہنستے رہئے

آپ نے زندگی میں کبھی ایسی ہنسی سنی ہے گویا چینی کے پیالے میں موتیوں کو ایک خاص رفتار سے گرایا جائے جیسے ہلکے ہلکے آبشار کی سی آواز مدھر جھرنے کے بہنے کی آواز یا شاید وہ لوگ ہی دل کے اس قدر قریب ہوتے ہیں کہ ان کی ہنسی بھی دُغریب لگتی ہے۔

اس کے برعکس کچھ لوگوں کو ہنستے دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ ان کو روک دوں کیونکہ کچھ لوگوں کو منہ پھاڑ پھاڑ کر ہنستے دیکھ کر ہم اتنے خوفزدہ ہو گئے کہ سوتے میں بھی ڈرنے لگتے تھے۔

ہمارے ایک جاننے والے اتنا شرمندہ شرمندہ سے ہنستے ہیں کہ ہمیں آج تک ان کی شرمندگی کی وجہ سمجھ نہیں آئی بلکہ انہیں ہنستے دیکھ کر ہم خود ہی شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ انہی صاحب کو ایک دن ہم نے روتے ہوئے دیکھا تو یقین کریں کہ ہماری ہنسی کا فوارہ اتنا بلند ہو گیا کہ اگر ہم والد محترم کی غضبناک اور قہر آلود نظریں نہ دیکھتے (کہ یہ کوئی موقع ہے دانت نکالنے کا) تو شاید ہم دو دن تک ہنستے یا پھر شاید روتے..... ایک نہایت معزز خاتون کافی بارعب شخصیت کی مالک ہیں ہم ان سے کافی متاثر بلکہ خادمانہ حد تک مرعوب تھے لیکن ان کی زار و قطار ہنسی سن کر ہمارے تو آنسو نکل پڑے اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ اب ہم انہیں کیا بتاتے کہ یہ آنسو خوشی کے ہیں یا ضبط کے.....!

ہنسی کی ایک خطرناک کیفیت تب ہوتی ہے جب ہماری ایک عزیز خاتون اپنے بے تحاشا قہقہے کے دوران تمام بات کہہ جاتی ہیں اور آخر میں کہتی ہیں..... کیسا؟ اور ہم ہونقوں کی طرح سوچتے ہیں کہ

کیا کہیں پہلے تو کچھ تہذیبی نہیں۔ ان تمام مثالوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہنسی کے طبی فوائد سے انکار ناممکن ہے۔ خوب ہنستے رہنے سے خون کی دافر مقدار مہیا ہوتی ہے جس کی فی زمانہ بے حد قلت ہے۔ ہنستے رہنے سے چہرہ سرسبز و شاداب اور طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے۔ لوگ بلاوجہ غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ آپ کی خوش مزاجی کے چرچے چار سو پھیل جاتے ہیں۔ جلنے والے جلتے ہیں لیکن آپ تو صرف یہ سوچتے کہ جل کر کباب ہونے سے بہتر ہے کہ بندہ گھل کر گلاب ہو جائے لیکن بات بے بات خوب ہنستے مسکراتے وقت یہ بات بھی ضرور ذہن نشین رکھئے کہ ان لازوال قہقہوں اور چیخوں نما ہنسی پر ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ شاید آپ کا حلقہ دن بدن مختصر ہوتا جائے یا ممکن ہے تبدیل ہوتا جائے یا شاید لوگ آپ کو پھر (اس ہنسی کی وجہ سے) پامال ہی نہ سمجھ لیں..... کیا سمجھے!

مرتب: ایس اتیاز احمد..... کراچی

دوست

اچھے وقت سے زیادہ اچھا دوست عزیز رکھو کیونکہ: اچھا دوست برے وقت کو بھی اچھا بنا دیتا ہے۔

خوبصورت بات

پریشان ہونا انسان کے انسان ہونے کی دلیل ہے: لیکن پریشان رہنا انسان کے اللہ پر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے۔

نور بانو..... کوئٹہ

☆☆☆☆☆.....

”اللہ کی مدد“

اللہ کی مدد کئی رنگوں میں ہے آتی
کوئی پہچانے نہ پہچانے یوں ہے آتی
محبت تو وہی کرتا ہے جس نے پیار کیا ہے
ہر دم جو اپنے بندوں پر نظر رکھتا ہے
شکر کرنا تو فرض تجھ کو کہا ہے
اس میں اور زیادہ صلہ ترے لیے ہے
تو میرے بندوں سے ایسی محبت کر نہیں سکتا
محبت تو کرنے والا میرے سوا ہو نہیں سکتا
تجھے میں نے پیدا کیا اپنی عبادت کیلئے ہے
میرے بندوں سے محبت وہ میرے لیے ہے
پھر دیکھ تیرے لیے کیا کچھ کروں گا
ہر لمحہ میں تجھ پر رحمت بہروں گا
میرے بندوں کو کوئی تکلیف نہ دینا
وہ تکلیف میں اپنی ہی سمجھوں گا
جس نے آنسو نکالے ہیں میری محبت میں
میں اس کو اپنی دولت سے دریا بہروں گا

فرخ سلطانہ

غزل

وہ جذبوں کی تجارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
مجھے اس نے کہا آؤ نئی دنیا بساتے ہیں

اسے سو جہی شرارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
ہمیشہ اس کی آنکھوں میں دھنک کے دنگ ہوتے تھے
یہ اس کی عام عادت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
وہ میرے پاس بیٹھی دیر تک غزلیں میری سنتی
اسے خود سے محبت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
میرے کاندھے پہ سر رکھ کر کہیں کھو گئی تھی وہ
یہ اک وقتی عنایت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
مجھے وہ دیکھ کر اکثر نگاہیں پھیر لیتی تھی
یہ درپردہ حقارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

ناصر عباس

غزل

شکستہ دل کو نئے اضطراب مت دینا
جو سہ نہ پائیں ہمیں وہ عذاب مت دینا
ہوں جن کے دل بھی سیاہ اور رنگ پھیکے ہوں
ہمیں خدا کے لیے وہ گلاب مت دینا
دکھا کے خواب حسین چاہتوں کے رنگ لیے
میری حیات کو تم وہ سراب مت دینا
لگا کے پھول سجا کر خواہشوں کی دنیا
میری نگاہوں کو تم وہ خواب مت دینا
وہ جس کی دید نگاہوں کو شرمسار کرے
مجھے خدا کے لیے وہ شباب مت دینا
غزل کی آنکھوں میں بستی ہے اجنبی دنیا

جو اس کو خوار وہ شراب مت دینا

سلٹی غزل

غزل

تیری سازش تھی ہمارا گھر لٹا
اب تو موتی ہاتھ میں بھر کر لٹا
تیرگی سے فح کے نکلا تھا مگر
روشنی میں دل کا سودا گر لٹا
گھل گئی باہر فضا میں ایک چیخ
بند کمرے میں کوئی پیکر لٹا
بس گیا تھا جنگلوں میں ٹھیک تھا
دیکھ تیرے شہر میں آ کر لٹا
صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ساتھ
رات سے لپٹا ہوا منظر لٹا
ہم تو فاقہ کش تھے فاقہ کش رہے
کیا ہوا مگر شہر میں لنگر لٹا
لٹ گیا ہوں صرف اتنا یاد ہے
یہ نہ پوچھو کس طرح امتیاز لٹا

ایس امتیاز احمد

بے بسی

زندگی میں ملے ہیں غم ہی غم
غم سے بچنا ہمیں نہیں آتا
کھلتے ہیں پھول جب بھی یادوں کے
پھول چننا ہمیں نہیں آتا
ہاتھ اٹھتے ہیں بس دعا کیلئے
لفظ کہنا ہمیں نہیں آتا
سوچتی ہوں تمہیں کہاں پاؤں

سوچنا بھی ہمیں نہیں آتا

فرزانہ شوکت

غزل

وقت بڑا ہر جانی اوسا تھی
وقت بڑا ہر جانی
وقت نے ہم کو ملایا تھا
اور
وقت نے دے دی جدائی
وقت تھا وہ کتنا سہانا
جب ہم تم سے ملے تھے
ملی تھیں نظروں سے نظر
من میں پھول کھلے تھے
ہنستا تھا میرے غینوں میں کجلا
چاہت تھی کس موڑ پہ لائی
وقت بڑا ہر جانی اوسا تھی
وقت بڑا ہر جانی
وقت کی گردش تو ہی ہوتا
اب کس سے کروں سوال
پچھڑا میرے من کا سا تھی
الزام میں کس پہ دھروں
موند لیں خود چاہت نے آنکھیں
زیست کس موڑ پہ لائی
وقت بڑا ہر جانی اوسا تھی
وقت بڑا ہر جانی

غزل

دل واقف نہیں تھا تیری بے وفائی سے

خوشی کے بدلے غم ہی پائے ہیں
تیز آنکھوں میں یاد تیری ساتھ ہو
ایسے موسم میں ہم نے چراغ جلائے ہیں
سلسلہ ٹوٹا نہیں تنہائی کی زنجیر کا
تیری یادوں کے نقش دل سے مٹائے ہیں
لہجہ بھی نہیں بدلا پھر تیری آواز کا
ہم نے بھی زخم تجھے اے دوست دکھائے ہیں
کوئی نہیں جانتا بھری دنیا میں پھر کسی کو کوئی
میرے اپنوں نے مجھ پر پھر تیر چلائے ہیں
جن کیلئے دن رات مانگتے رہے ہم دعا میں جاوید
میرے جلتے ہوئے آشیل کھپھر دیکھتے آئے ہیں
محمد اسلم جاوید

کبھی تم نے یہ سوچا ہے

جان من!
کبھی تم نے یہ سوچا ہے
راہ وفا پہ چلتے چلتے
کٹ جائے گی عمر مگر
عشق و محبت کی منزل
کبھی نظر آئے گی
اک دن ایسا آئے گا
پیارو وفا اور وعدوں کے
جل جائیں گے باب سبھی
ہو جائیں گے ریزہ ریزہ
اک دن اپنے خواب سبھی
یاد کے گہرے ساگر میں
ہم تم پھر کھو جائیں گے
اور خلق خدا کے ہونٹوں پر

نام ہمارا رہ جائے گا
کبھی یہ تم نے سوچا ہے

حکیم خان حکیم

غزل

شہر خموشاں کی تاریک گلی میں
قدم قدم رک رک کر چلا میں
یہ بھی آباد کوئی شہر لگتا ہے شاید
پھر کیوں نہ کسی سے ابھی تک ملا میں
شاید گھر کا راستہ بھول گیا ہوں میں
یا پھر غلط سمت آ نکلا ہوں میں
کیسا ہے یہ شہر خدیا کیسی ہے یہ عجیب بستی
اس شہر نامدار میں پل پل چلا میں
آج کہاں آ گیا ہوں میں بھٹکتا ہوا
کس قدر عیش تھا وہاں نازوں میں پلا میں
پتہ تیرا کس سے پوچھوں اس دیر نے میں واجد
ماتوں سے بھٹک رہا ہوں اب تک نہ سنبھلا میں

پروفیسر ڈاکٹر واجد گیلانی

غزل

اپنے دل سے نگاہ تک دیکھو
خواب کوئی سجا کر دیکھو
کہہ رہی ہے کیا صبا تم سے
سب سے نگاہ بچا کر دیکھو
مجھ سے روٹھنے لگے ہیں موسم
تم ہی ان کو منا کر دیکھو.....!
کھو جاؤ گے تم بھی ہم سے
میری دنیا سے جا کر دیکھو.....!

ہم پھر ملیں گے

کسی البیلی رت میں
جب گل کھلیں گے
کسی چاندنی رات میں
جب پھول رات کی رانی کے ہنسیں گے
کسی ساحل کنارے
یا کسی کنج چمن میں
تنہائی میں
یا کسی انجمن میں
پھمڑنا ہمارا مقدر سی
لیکن
ہم پھر ملیں گے

روحان دانش

خواہش

میں تیری زبان سے ادا ہونا چاہتی ہوں
میں تیری ادا سے ادا ہونا چاہتی ہوں
فقط اتنی سی خواہش کہ رچ جاؤں تیری سانسوں میں
تیرے دل کی دھڑکن تیرا انداز بیاں ہونا چاہتی ہوں
گھل کر تیری ہر سانس میں خوشبو بکھیر دوں اپنی
میں اپنی ذات کا خود نشاں ہونا چاہتی ہوں
بہت دور تک جائے میری چاہت کی چاشنی ناز
اتر کر آنکھوں میں ہر دل خواب ہونا چاہتی ہوں
تیری آواز کی لے میں اتر کر بکھر جانا چاہتی ہوں
تیرے ہونٹوں سے بہہ کر نکل جانا چاہتی ہوں
بس اتنی سی خواہش ہے کر سکو جو پوری

سیما سحر
میں آپ اپنی پہچان ہونا چاہتی ہوں
صائمہ ناز

دوپٹہ گھنے!

دوپٹہ گھنے!
ہوا سنگ باتیں کرتے
من ہی من مسکاتے
چاہتوں کی پھوار تلے
اک دو بے سنگ!
بہت خوش ہیں
آنے والے وقت کی نبضیں
ان کی سانسیں تھام رہی ہیں
چہرے پر اندلی اذیت کی لہر
لبوں سے ٹوٹتی الوداعی محبت
اک کالہ دوا میں جانب
تورنگی جیس بائیں جانب
جدائی سے چھایا سناٹا ہر سو
قدم بڑھے کسی اور جانب
بہرگو شیوں تلے دھیمی دھیمی مسکان
آنکھوں میں خواب
لبوں پر خوشیاں مہربان
رب جانے کتنے برس لگیں؟
جدائی کا پروانہ
ملتے ملتے.....!
دوپٹہ گھنے
ہوا سنگ باتیں کرتے

سعدیہ عابد

☆☆☆.....

4

نور بانو کوسٹہ
اپریل کا ماہنامہ جب ہم نے اپنے ہاتھ میں لیا تو
یوں لگا کہ احاطہ موسم خوشگوار ہو گیا ہے۔ گوشہ آگہی
سے لے کر سنگھار تک ردارنگ ہی رنگ بکھیر رہا تھا۔
آپنی اردا کی خوبصورتی ماڈل شائز نے مزید بڑھادی۔
ردائے جنت میں حضرت فاطمہؓ کے بارے میں پڑھ کر
بہت اچھا لگا اور ہماری معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔
”رگِ جاں سے جو قریب تھے“ میں نائی جان نے
تو حد ہی کر دی۔ ارسلان پر بہت ہی رحم آ رہا تھا۔ ماہم کا
کریکٹر بہت اچھا لگ رہا ہے۔ شازیہ مصطفیٰ جی! کب
حمدان کا رویہ اریشما کے ساتھ اچھا ہوگا۔ نائلہ طارق
صاحبہ! اب سارہ اور شیت کو آپ ملا ہی دیں۔ سباس گل
صاحبہ! سلمیٰ بیگم نے تو حد ہی کر دی ہے یعنی پر مظالم کی۔

سعدیہ خان آفریدی کراچی
جناب صالحہ محمود صاحبہ السلام وعلیکم! میں نے ایک
کہانی ”محبت کا جادو“ آپ کو بھیجی تو آپ نے مارچ
2012 کے شمارے میں شائع کی، آپ کی بے حد

شکر گزار ہوں۔ ہم رائٹر بہت حساس ہوتے ہیں معاشرے میں جو دکھ اور ایسے ہیں ان کی عکاسی کرتے ہیں اسی معاشرتی ناہمواری کی بدولت قلم اٹھانا ضروری ہوتا ہے۔ مجھے فخر ہے صالحہ محمود صاحبہ کد آپ میری رہنما ہیں آپ کی رہنمائی کی بدولت ہی میں اپنی تحریریں لکھتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

نجمہ اور لیس اسلام آباد

السلام و علیکم صالحہ آپ! اینڈ دیگر ردا اسٹاف! اپریل کا ردا سرخ گلابوں کی رنگت لیے ہوئے نظر آیا۔ اتنی خوبصورت ماڈل اور اس پر روز بیوٹی پارلر کا میک اپ زبردست تھا۔ ہم تو کافی دیر ردا ہاتھ میں لئے بس ماڈل پر نگاہیں ہی جمائے رہے پھر ہوش آیا تو ذوق گردانی شروع کی۔ گوشہ آگئی میں آپ کی کبھی ہوئی باتوں کا بہت اثر ہوتا ہے۔ صالحہ آپ! آپ کی کیا بات ہے۔ آپ کا افسانہ بخت بھری تو دل کو چھو گیا۔ آپ نے ہمارے معاشرے کی حقیقت کی عکاسی کی ہے۔ اینڈ میں دل بہت اداس ہوا مگر ہمیں اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ حقیقت اتنی ہی تلخ ہوتی ہے۔ زندگی ہمیشہ رنگین اور خوشنما ہر ایک کے لئے نہیں ہوتی۔ بہر حال زندگی تو چلتے رہنے کا نام ہے۔ ”رگ جال سے جو قریب تھے“ اس میں آپ تو حیرتوں کا ڈر کھولتی ہی جارہی ہیں۔ کہانی بہت عمدگی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ آپ کے پچھلے ناولوں کی طرح یہ ناول بھی سپر ہٹ جائے گا انشاء اللہ۔

شازیہ جی! نائلہ جی! سباس گل سب کے سلسلے وار ناول اچھے جا رہے ہیں۔ اقراء چنے کا مکمل ناول زبردست رہا۔ انعم خان تو بہت عمدہ لکھتی ہیں۔ ان کی کہانی کے اینڈ کا بے چینی سے انتظار ہے۔

نائلہ طارق کا ”آغوش“ ایک منفرد اسٹوری تھی جو کہ بہت اچھی لگی۔ افسانے سب رائٹرز کے اچھے تھے۔

نئی رائٹرز کا اضافہ بہت اچھا تاثر قائم کر رہا ہے۔ ڈائری! اس ماہ میں خوشبو سب مہکتا ہوا لگا۔ دوستوں کے نام پیغام پڑھ کر اچھا لگا۔ اگلی بار مکمل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ پلیز میرا یہ خط ضرور شامل کیجیے گا۔

صدیقہ خان بہاولپور

سرورق بے حد حسین اور دلکش جھلملاتا ہوا آنکھوں کو بھلا لگا۔ گرمیوں کی اس لہر میں اپریل کا ردا ٹھنڈک کا احساس دے گیا۔ ردا سے جنت تو ہمیشہ ہی ہماری انفارمیشن میں اضافہ کرتا ہے۔ مکمل ناول اور ناولٹ افسانے بہترین تھے۔ ردا کی کہانیاں جب ہم پڑھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ یہ تو ہمارے ارد گرد کی کوئی کہانی ہے جسے کسی قلم کار نے عمدگی سے لکھا ہے۔ اقراء چنے کا مکمل ناول بھی کچھ ایسا ہی لگا۔ آج ہمارے ارد گرد ایسے بہت سے واقعات جنم لیتے ہیں۔

نائلہ طارق ہمیشہ منفرد ٹاپک پر قلم اٹھاتی ہیں۔ ان کے سلسلے وار ناول میں شیٹ کا کردار اور کھر کر سامنے آ رہا ہے اور سارہ کی تو بات ہی الگ ہے شازیہ جی! واقعی عشق کے امتحانوں سے گزر رہا ہے۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے؟ سباس گل! کنول بیگم کیا سدھر جائیں گی یا نہیں؟ ”رگ جال سے جو قریب تھے“ رومی اور اشمیل کا کردار اچھا ہے۔ رومی تو بہت معصوم سی ہے۔ ”بخت بھری“ کیا بات ہے صالحہ جی! ہمیشہ ایک ایسی کہانی سامنے لاتی ہیں جو ہمارے ہی ارد گرد کا حصہ ہوتی ہے۔ افسانہ بہت اچھا تھا۔ نئی رائٹرز کے افسانے بھی اچھی کوشش لگے۔

شاکل لیہ

آپ! کیسی ہیں آپ؟ اس ماہ کا ردا جب ہاتھ میں آیا تو ارادہ سب سے پہلے سلسلے وار ناول کو پڑھنے کا تھا۔ جب فہرست پر نظر پڑی تو آپ کی افسانہ بھی شامل تھا۔

ہم نے جلدی سے بخت بھری پڑھا اور پھر سارے ہی سلسلے وار ناول پڑھ ڈالے۔ ردا جلدی جلدی پڑھ کر مکمل کیا پھر قلم اور کاغذ لے کر بیٹھ گئی کہ اگر خط لیٹ لکھا تو کہیں شائع ہونے سے ہی نہ رہ جائے۔ مجھے پوری امید ہے کہ میرا یہ خط ضرور شامل کیا جائے گا۔

آپ! میں ردا کی مستقل قاری ہوں لیکن خط لکھنے کا اتفاق پہلی بار ہو رہا ہے۔ ردا اب دن بدن نکھرنا جا رہا ہے اور اس میں نئی رائٹرز کا بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ نئے خیالات ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ ردا کی یہ ایک اچھی بات ہے کہ وہ نئی رائٹرز کو ہمیشہ جگہ دیتے ہیں۔ آپ! مجھے دوستوں کے نام پیغام سلسلہ بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ردا کی ساری ہی رائٹرز بہت اچھی اسٹوری ہمارے سامنے لاتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ ردا بہت ترقی کرے۔ خوشبو! اس ماہ میں گوشہ چشم باتیں صحت کی سب سے بڑی بات تھیں۔ اب اجازت دیجیے۔

شبانہ نور لیہ

میں پہلی بار ردا میں شامل ہو رہی ہوں۔ میں کافی عرصے سے ردا پڑھ رہی ہوں لیکن کبھی اس میں شامل ہونے کا خط لکھنے کی ہمت نہیں پڑی۔ مجھے لکھنے کا بے حد شوق ہے لیکن کبھی کسی میگزین میں پوسٹ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ پہلے سوچا کہ لیٹر لکھتی ہوں اگر یہ شامل ہو گیا تو یقیناً میری ادنیٰ کاوش کو بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا اور جب آپ! کہتی ہیں کہ ہم ایک بار موقع ضرور دیتے ہیں نئے لکھنے والوں کو تو ہمت کر کے لکھنے کا سوچا ہے۔ امید ہے کہ آپ حوصلہ افزائی ضرور کریں گی۔ ردا کی ساری ہی پرانی رائٹرز تو بیسٹ ہیں اور نئی رائٹرز بھی اچھی کوشش کر رہی ہیں۔ ردا کے سارے ہی کالم بہت خوبصورت ہیں۔ اس ماہ میں خوشبو ذرا پھر سے کہنا ڈائری! اشعار باتیں صحت کی کچن! سنگھار

دوستوں کے نام پیغام سب ردا کے ہی رنگ ہیں۔ سائرہ سمون نوشہرہ فیروز

ڈیر آپ! السلام و علیکم! امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی! تمام اسٹاف کو میری طرف سے بہت بہت دعائیں اور سلام۔

سب سے پہلے میرا ردا میں خط شائع کرنے کا بے حد شکر ہے۔ آپ! مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا خط شائع کیا اور مجھے حوصلہ دیا انشاء اللہ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی آپ میرا خط شامل کرتی رہیں گی آپ! پہلے کی طرح اس ماہ کا ردا بھی بہت خوبصورت رہا۔ گوشہ آگئی پڑھا بہت اچھا لگا۔ ردا سے جنت اس کی تو کیا بات ہے ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے کہ ہماری بہنیں اسلام سے بہت محبت کرتی ہیں اور بہت اچھی باتیں لکھتی ہیں۔ اللہ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ آپ! آپ کا ناول بہت زبردست رہا رومی بے چاری پر تو بہت ترس آتا ہے اللہ اس پر رحم کرے اور شازیہ مصطفیٰ عمران آپ! آپ نے تو کمال کر دیا حرام اور ذیشان کے ساتھ جو ہوا اس کا بہت دکھ ہے افس اللہ شہر ان صاحب نے تو حرام کو کتنا دکھ پہنچایا اب لیل ماہ پر رحم کر لیں۔ اعتبار عشق بہت مزیدار رہا سباس گل جی! اب نقیس کو کنول کا بھی تو سوچنا چاہیے ہر وقت عینی کے ساتھ رو سینک ہوں گے تو کنول کو بھی غصہ تو آئے گا ناں۔ اس لئے اللہ عینی کو سلامت رکھے۔ آپ! اتمام سلسلے بہت ہی اچھے ہیں روشنی فاطمہ ثمرین اسلام الدین اور تمام رائٹرز نے بہت اچھا لکھا ہے۔ کچن! سنگھار خوشبو بھی سپر رہے ان سلسلوں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ صالحہ آپ جی! اب اجازت چاہوں گی پھر ملیں گے انشاء اللہ آپ کیلئے دعا گو اور آپ کی دعاؤں کی طلبگار۔

سفینہ گل..... فیصل آباد۔

یسری عمار.....پے

ردا میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں اور اس کالم کے ذریعے تو بہت ہی اچھا موقع ملا ہے کہ ہم انہوں کے اور قریب آ جائیں اور جو پیغام ہم دینا چاہیں وہ اس کے ذریعے دے سکتے ہیں۔

☆☆☆

پیارے ام کلثوم! اپنی فریڈ کو تم بھول گئیں! اسکول ختم ہونے کے بعد شغفنگ کی وجہ سے ہمارے کالج الگ ہو گئے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ دوستی ختم کر دی جائے۔

شفق خان..... لاہور

☆☆☆.....

سوئٹ کزن فرحین! سالگرہ بہت مبارک ہو۔
آنٹی اور انکل کو سلام۔ جسم کی ناراضگی ختم ہوئی یا نہیں؟
مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میں ردا کے توسط سے

طاہرہ قمر..... اسلام آباد

پیارا صابرہ اینڈ رضیہ! کہاں گم ہو تم دونوں۔
رضیہ تم نے تو حد ہی کر دی، یار ایک فون تو کیا ہوتا، خیر
کوئی بات نہیں۔ صابرہ یہ کیا بات ہوئی تم نے اپنی
شادی میں بھی نہیں بلایا، تم تو میری کتنی اچھی دوست
تھیں، میں تم سے ناراض ہوں۔

عارفہ.....ملکان

.....☆☆☆.....

میری پیاری سی دوست نبیلہ ناز کی مٹی میں
انگھٹ ہے انہیں بہت مبارک ہو۔ میری دعائیں
ہمیشہ ان کے ساتھ ہیں۔ بینش خان کیلئے بہت
دعائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت یاب کرے۔ یاسمین!
آپ شادی ہونے کے بعد کہاں چلی گئیں، کوئی خبر
ہی نہیں۔

نوشین تو سل فیصل آباد

☆ ☆ ☆
 فرحت صغیر! شادی کی تیسری سالگرہ مبارک ہو
 تم یونہی ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو شادی کے بعد بھی تم
 بالکل نہیں بدلیں۔ حرا! کیا آپ گھر کا رستہ بھول
 گئیں؟ آئی اور اپنا کیسی ہیں؟ اور ہاں آپ کو مگنی
 بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس نئے رشتے کی
 خوشیاں عطا کرے (آمین)

سنبل نقوی.....ادکارہ

☆☆☆.....

صالحہ آپلی! دوستوں کے نام پیغام ایک اچھا سلسلہ ہے۔ اس کے اضافے سے ردا اور خوبصورت ہو گیا ہے۔ میں پہلی بار قلم اٹھا رہی ہوں اور اس کا سارا کریڈٹ اس سلسلے کو جاتا ہے چونکہ میں ردا بہت

شوق سے پڑھتی ہوں جب سے یہ سلسلہ شروع ہے میرا بہت دل چاہ رہا تھا کہ میں اس میں لکھوں ہمت باندھ لی۔

میں اپنی پیاری سی فریڈ راجہ کو یہ پیغام دے چاہتی ہوں کہ تم میری بہت ہی عزیز ترین دوست اور ہمیشہ رہو گی اس لئے مجھ سے ناراض کم ہوا کرو۔ تم سے بات کیے بغیر نہیں رہ سکتی سو پلیز ٹیلی۔
نویدہ ملک۔۔۔۔۔ بہادرپور

شازیہ مصطفیٰ اور سہاس گل کو نیا جیون شرد کرنے کی میری جانب سے ڈھیر ساری دعائیں مبارکباد۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ دونوں کو شاد شدہ زندگی کی ہر راحت نصیب فرمائے اور پریشانیاں سے آپ دونوں کی حفاظت فرمائے (آمین) نیک دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ۔

مسجد یہ عابد۔۔۔ کراچی

.....☆☆☆.....

میری پیاری دوست نازیہ حبیبہ! ماہ مئی میں تمہاری سالگرہ ہے۔ میں تمہیں ردا کے توسط سے وٹر کرتی ہوں So Happy Birthday

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے اور غم تمہیں چھو کر بھی نہ گزرے (آمین) سب کو مجھ سے یہی لگہ ہے کہ میں ہمیشہ وٹس کرنا بھول جاتی ہوں یہاں نہیں ہے مجھے یاد ہوتا ہے پر.....

عین وقت پر بھول جاتا ہے میں کیا کروں۔
باقی تمام فرینڈز کو میری طرف سے ڈھیر سا
سلام۔ نوشی میں تم سے بہت ناراض ہوں۔

عقیده مرحوم و ہاڑی

.....☆☆☆.....

کچن

ترکیب: پین میں آئل گرم کر کے آدھا ثابت گرم مصالحہ کڑکڑائیں پھر اس میں پیاز فرائی کریں اب ادراک لہسن پیسٹ ہلدی اور زیرہ ڈال کر دو سے تین منٹ تک چھج چلائیں پھر ٹماٹر شامل کر کے پکائیں۔ جب ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں تو چکن نمک لال مرچ دھنیا گرم مصالحہ پاؤڈر ہری مرچیں ہرا دھنیا اور پودینہ ڈال دیں۔

پھر دہی اور لیموں ڈال کر درمیانی آنچ پر بارہ سے پندرہ منٹ تک پکائیں۔

چالوں کو بقیہ ثابت گرم مصالحے کے ساتھ ایک کٹی ابال کر چھان لیں۔

بڑے سائز کے پین میں چکن بچھائیں اور اس کے اوپر چالوں کی تہ لگادیں۔

دودھ میں زردے کا رنگ اور کیوڑہ ملا کر چاول پر چھڑک دیں۔

اب ڈھک کر پندرہ سے بیس منٹ کے لیے گرم توڑے پر رکھ کر ہلکی آنچ پر دم دیں۔ تیار ہونے پر رائے اور سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

دالچے

50 گرام

50 گرام

دال مونگ:

وال مسور:

رداؤ انجسٹ 239 مئی 2012ء

چکن لیمن بریانی

اجزاء:

چکن:

چاول:

ادراک لہسن پیسٹ:

پیاز:

ٹماٹر:

ہری مرچ:

سفید زیرہ:

ہلدی:

دھنیا پاؤڈر:

گرم مصالحہ پاؤڈر:

لال مرچ پاؤڈر:

ثابت گرم مصالحہ:

پودینہ:

ہرا دھنیا:

زرد رنگ:

دودھ:

آئل:

لیموں:

کیوڑہ:

نمک:

1 کلو

1 کلو (بھگودیر)

2 کھانے کا چمچ

3 عدد

6 عدد

8 عدد

1 چائے کا چمچ

1 چائے کا چمچ

1 کھانے کا چمچ

1 کھانے کا چمچ

2 کھانے کے چمچ

2 کھانے کے چمچ

آدھی گٹھی

1/2 گٹھی

ایک چٹکی

1/2 کپ

1 کپ

1 عدد (کاٹ لیں)

چند قطرے

حسب ذائقہ

ہائین صحت کی

چیری

پھلوں کا استعمال صحت کے لیے مفید ہے۔ روزمرہ زندگی میں پھلوں کے استعمال سے نہ صرف اچھی صحت حاصل ہوتی ہے بلکہ جسم بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ پاکستان کے ریلے اور صحت بخش پھلوں میں چیری بھی شامل ہے۔ دنیا بھر میں پائے جانے والی چیری کی انواع کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ ان میں درج ذیل انواع قابل ذکر ہیں۔ جنگلی میٹھی چیری ترش چیری کالی چیری۔

چیری میں موجود شکریات میں گلوکوز اور فرکٹوز وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ چیری توانائی کے فوری حصول کا ذریعہ ہے۔ چیری کے موسم میں اگر کوئی شخص جسمانی یا ذہنی کام کی بدولت تھکاوٹ محسوس کر رہا ہو تو چند عدد چیری اسے تازگی بخش سکتی ہیں۔

افادیت

دیگر پھلوں کی طرح چیری میں غذائی ریشے بھی پائے جاتے ہیں جو نہ صرف ہمارے نظام ہضم کو فعال رکھتے ہیں بلکہ کھائی ہوئی غذا میں سے کولیسٹرول کو جذب کر کے اسے جسم سے باہر نکالنے میں مدد دیتے ہیں۔ قبض سے متاثرہ افراد انہی غذائی ریشوں کی مدد سے شفا یاب ہو سکتے ہیں۔ چیری میں چکنائی کم مقدار میں ہوتی ہے اس لیے یہ غیر سیر شدہ فیٹی ایسڈز پر مشتمل ہے لہذا دل و شریان کے مریض اسے بلا خوف و خطر اپنی خوراک میں شامل کر سکتے ہیں بلکہ اس کے مسلسل استعمال سے خون میں کولیسٹرول اور چکنائی کی مقدار میں کمی آ سکتی ہے۔ چیری میں پائے

جانے والے لحمیات جسم کی نشوونما اور شکست و ریخت کو ٹھیک کرنے کیلئے کام آتے ہیں۔ اس کے علاوہ حیاتین الف جلد اور آنکھوں کی پینائی کیلئے ضروری ہے۔ حیاتین ج دانٹوں ہڈیوں اور جوڑوں کیلئے کارآمد ہے۔

جوڑوں کے درد کیلئے مفید

چیری میں درد و سوجن ختم کرنے والے اجزاء پائے جاتے ہیں جو جوڑوں کے مرض کیلئے مفید گردانے جاتے ہیں۔ بڑی آنت کے خلاف کام کرنے والے کیمیائی اجزاء بھی چیری میں موجود ہوتے ہیں۔ چیری کے گودے میں میلائونن نامی کیمیائی شے بھی موجود ہوتی ہے جو بڑھاپے کے عمل میں سستی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ یادداشت کی کمی کو رد کرنے اور اچھی نیند کیلئے مفید ہے۔

دہی

دہی دودھ کی ایک خنیر شدہ شکل ہے جس میں ایسے بیکٹیریا پائے جاتے ہیں جو مفید صحت ثابت ہو سکتے ہیں۔ دہی میں کیشیم آپیوڈین فاسفورس حیاتین ب 12 یارائی بوفلیون اور پروٹین خوب ہوتا ہے۔ بیکٹیریا ہمارے جسم کے مدافعتی نظام کو استحکام بخشتے ہیں۔ تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے ایک بیکٹیریا ایسا بھی ہے جو نمویے سے مقابلے کی جسمانی صلاحیت کو بہتر بناتا ہے۔

گریوں میں دہی کا استعمال خاص طور پر بڑھ جاتا ہے اسے کسی کے طور پر زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

شامل کریں۔ چند منٹ پکانے کے بعد تمام مصالحے اور ساس شامل کر دیں۔
نہ ہو اور نہ ہی تلتے وقت کھل سکیں۔ پھر ان کو بھی پوری کی طرح تل لیں۔

انڈوں کی پڈنگ

اجزاء:
انڈے: 3 عدد
دودھ: آدھا کلو
چینی: آدھا پاؤ یا حسب ذائقہ
ترکیب: انڈوں کی سفیدی اور زردی علیحدہ علیحدہ خوب پھینٹ لیں۔ سفیدی بالکل جھاگ بن جائے تو اس میں چینی ملا کر پھینٹ لیں۔ اب اس میں زردی بھی شامل کر لیں اور تھوڑا تھوڑا سا دودھ بھی شامل کرتے جائیں۔ جب سب کچھ پھینٹ پھینٹ کر ایک سا ہو جائے تو ایک کھلے منہ کا برتن لیں اور اس میں چینی ایک چائے کی چمچی کے برابر ڈال کر اسے چوبے پور ٹھیں۔ جب چینی پکھل کر براؤن ہو جائے تو اسے برتن کے پینڈے میں پھیلا دیں۔ اب اس پر تیار شدہ انڈے اور دودھ ڈال دیں۔ اس کا منہ ڈھکن سے بند کر دیں اور اس پر وزن رکھ دیں۔ اب ایک کھلے منہ کی دیکھی میں پانی ڈالیں اور چوبے پر چڑھا دیں۔ تیار شدہ برتن وزن سمیت اس میں رکھ دیں اور نصف گھنٹہ تک پکھنے دیں۔ آدھے گھنٹہ کے بعد ڈھکن اتار کر دیکھیں پڈنگ تیار ہوگی۔ اگر اس کے جننے میں کچھ فرق ہو تو چند منٹ اور پکائیں۔ پھر اسی طرح اتار کر ٹھنڈے ہونے کے لئے رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر کسی ڈش میں پورا کا پورا ڈبہ الٹ لیں اور اس پر اگر پسند کریں تو مالٹے کی پھانکوں کو چھیل کر اور کیلے کی گول گول قلیاں کاٹ کر سجا دیں۔

☆☆☆.....

5 منٹ پکانے کے بعد پانی شامل کریں۔ جب پانی ابلنے لگے تو کارن فلور شامل کر کے تیز آگ پر 5 منٹ تک بھونیں۔ مزید اربزری اور لہسن والی مرغی تیار ہے۔

پوری اور کچوری

اجزاء:
میدہ: 1/2 کلو
آٹا: 1 پاؤ
گھی (میدے میں ملانے کے لیے): آدھا پاؤ
میٹھا سوڈا: آدھا تولہ
ترکیب: میدہ اور آٹا ملا لیں اور اس میں سوڈا اور نمک کی آدھی چمچی ڈال دیں اور گھی ڈال کر خوب دونوں ہاتھوں سے ملائیں پھر اس کو گوندھ لیں۔ روٹی کے آٹے سے سخت رکھیں۔ اب اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں اور تیل کر گول گول پوریاں بنالیں۔ اب ایک کڑا ہی میں بہت سا گھی ڈال لیں۔ تھوڑا گھی ہوگا تو پوری پھولے گی نہیں۔ اب اس میں ایک پوری ڈال کر تل لیں۔ پوری ڈالتے وقت خیال رہے کہ پوری کڑا ہی کے کنارے سے لگا کر ڈالیں نہیں تو سکڑ جائے گی اور چھننے سے فوراً ہلاتے جائے اور اس کے اوپر گھی ڈالتے جائیں تاکہ وہ پھول جائے۔

کچوری: کچوری اور پوری کیلئے ایک سا میدہ تیار کرنا چاہیے لیکن کچوری کے اندر دال پیس کر یا آلو پیس کر تھوڑے سے ڈال دیں اور دو پیڑے ملا کر کنارے اس طرح بند کریں کہ معلوم

نمک: 50 گرام
ثابت مرچ: 20 گرام
ترکیب: تمام اجزاء کو سل پر کوٹ لیں اور فرائی پین میں ڈال کر بھون لیں لیکن آگ بجلی رہے۔ جب تیل اوپر آ جائے تو چولہا بند کریں۔ سرخ مرچ کی چٹنی تیار ہے۔

سبزیوں اور لہسن والی مرغی

اجزاء:
مرغی (بغیر ہڈی): 300 گرام
شملہ مرچ: 1 عدد
گاجر: 1 عدد
بند گو بھی: 1/4
ہری مرچیں: 4 عدد
لہسن: 12 جوے
ہر ادھنیا: 1/4 گڈی
ہری پیاز: 2 عدد
کٹی ہوئی کالی مرچ: 1 کھانے کا چمچ
چلی گارلک ساس: 4 کھانے کے چمچ
دارچین شائرساں: 2 کھانے کے چمچ
کارن فلور (پانی میں گھلا ہوا): 2 کھانے کے چمچ
پانی: 1 پیالی
نمک: حسب ذائقہ
تیل: 4 کھانے کے چمچ
ترکیب: مرغی تمام سبزیوں اور لہسن کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ دیکھی میں تیل گرم کر کے لہسن سنہری کریں اور مرغی کے ٹکڑے اس میں شامل کر دیں۔ جب مرغی کا رنگ تبدیل ہو جائے تو سبزیاں

دال چنا: 50 گرام
ہری مرچ: 20 گرام
اٹلی کا پانی: 25 گرام
پیاز: 100 گرام
آٹل: 12 گرام
سرخ مرچ: 2 کھانے کے چمچ
زیرہ: 2 کھانے کے چمچ
دھنیا پاؤڈر: 2 کھانے کے چمچ
ادریک پیسٹ: 1 کھانے کا چمچ
لہسن پیسٹ: 1 چائے کا چمچ
ثابت گرم مصالحہ: 1 چائے کا چمچ
کڑی پتہ: 8 عدد
لوکی (چھیل کر کاٹ لیں): 1/2 کلو
نمک: حسب ذائقہ
ترکیب: تینوں دالوں کو ہلدی ڈال کر ابال لیں۔ دالوں کو ٹھنڈا ہونے پر بلینڈ کر لیں۔ تیل گرم کر کے کڑی پتہ کڑا لیں اور پیاز فرائی کریں۔ پھر لہسن ادریک پیسٹ سرخ مرچ زیرہ دھنیا پاؤڈر نمک ثابت گرم مصالحہ اور ہری مرچ ڈال کر بھونیں۔ اب لوکی اور دالیں ڈال کر پکائیں۔ لوکی گل جائے تو اٹلی کا پانی شامل کریں اور چوبے سے اتار لیں۔ تیار ہونے پر ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

سرخ مرچ کی چٹنی

اجزاء:
سفید زیرہ: 2 چائے کے چمچ
لہسن: 8 بڑے چمچ
کونگ آٹل: 4 چائے کے چمچ

سنگین کار

دھوپ سے بچئے
کوشش کریں کہ دھوپ میں کم نکلیں، اگر نکلا ضروری ہے تو سن اسکرین استعمال کریں۔

اچھی غذا کا استعمال
اپنی غذا پر خاص توجہ دیں۔ صحت بخش غذا کا استعمال کریں۔ سبزیاں اور پھلوں کا استعمال زیادہ کریں۔ نمک کم استعمال کریں۔ گاجر کا استعمال زیادہ کریں۔ یہ عنصر بصارت کیلئے انتہائی مفید ہے۔ اس سے عضلات کو تقویت ملتی ہے۔

آنکھوں کی حفاظت
تھوڑی دیر آنکھیں بند کر کے کھیرے کے ٹکڑے رکھیں، یہ آنکھوں کو ٹھنڈک کا احساس پہنچاتے ہیں۔ کھیرے کے علاوہ آلو بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ اس عمل سے آنکھوں کی تھکن دور ہو جاتی ہے اور آنکھوں کے نیچے جلد میں دوران خون کو بہتر بناتا ہے۔

سیاہ حلقوں کو دور کرنے کیلئے اگر شروع سے ہی توجہ دی جائے تو یہ مستقل جگہ نہیں بناتا، اس لئے ہم روزمرہ کی روٹین لائف میں احتیاط کریں تو اس مسئلے پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ بہترین غذا اور پوری نیند کے ذریعے اس مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے۔ رات کو دیر تک جاگنے سے بھی آنکھیں تھکن کا شکار ہوتی ہیں جس کا نتیجہ حلقوں کی صورت میں واضح نظر آتا ہے۔

☆☆☆.....

سیاہ حلقے
خواتین کا سب سے بڑا مسئلہ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کا ہونا ہے۔ اس کی وجہ سے خواتین بہت پریشان رہتی ہیں۔ خواتین میک اپ سے حلقوں کو چھپانے کی کوشش کرتی ہیں۔ سیاہ حلقوں کی بہت سی وجوہات ہیں جن پر قابو پانے سے یہ حلقے کم ہو سکتے ہیں۔

پانی کی کمی
سیاہ حلقوں کی وجوہات میں سے ایک وجہ پانی کا کم استعمال بھی ہے۔ اگر ہم پانی کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں تو نہ صرف حلقوں میں کمی آئے گی بلکہ چہرہ بھی نکھر نکھر رہے گا۔ نہار منہ پانی پینے سے جلد بہت اجلی اجلی رہتی ہے اور صحت بھی اچھی ہوتی ہے۔

نیند کی کمی
نیند کی کمی جو کہ آج کل کا ماحول بن گیا ہے کہ رات کو دیر سے سونا یہ اس کی بہت اہم وجہ ہے۔ اگر دقت پر سوئیں اور اپنی نیند پوری کریں تو ہم کافی حد تک کامیاب رہ سکتے ہیں۔ تقریباً 7 سے 8 گھنٹے کی بھرپور نیند لیں۔

ڈنٹی دباؤ
جب نیند پوری نہیں ہوتی تو ذہن پر دباؤ بڑھتا ہے، ڈنٹی ٹینشن بھی حلقوں کی ایک بنیادی وجہ ہے، ذہن کو ریلیکس رکھیں۔ ڈنٹی انتھار سے بچیں تو ان سیاہ حلقوں سے بچاؤ کافی حد تک ممکن ہے۔